ہندوستان کا سماجی اور معاشی ارتقا

(اٹھارویں اور بیسویں صدی کے درمیان)

و-پاولوف،

و-رستیانی کوف،

گ-سروکوف

نظر ثانی-از پروفیسر-اولیانوفسکی

فہرست

پہلا باب-اٹھارویں صدی سے بیسویں صدی کے وسط تک
ہندستان کی سماجی و معاشی تشکیل-از و-پاولوف
ڈی-ایس سی-(تواریخ).....

دوسرا باب-بیسویں صدی کی چھٹی اور ساتویں دھائیوں
میں ہندستانی سماج کا زرعی ارتقا-از و-رستیانی کوف

تیسرا باب۔صنعت کاری اور ہندستان کے سماجی معاشی نظام میں تبدیلیاں۔
ازگ۔شروکوف ڈی۔ایس سی۔
(معاشیات).....229

آخری لفظ۔ازر۔اولیانوفسکی ڈی۔ایس سی۔(معاشیات)
ورو۔پاولوف ڈی۔ایس سی۔(تواریخ)....321

پہلا باب

اٹھارویں صدی سے بیسویں صدی کے وسط تک ہندستان کی سماجی ومعاشی تشکیل

کچھ عمومی ملاحظات

عصر حاضرہ کے ہندستان کے متعلق ہمارے علم کی بنیاد کا کام دینے والے سیاسی، معاشی اور سماجی علوم کی تیز رفتار ترقی نے اس امر کی ضرورت پیدا کردی ہے کہ اس ملک کی جدید اور ہم عصر تاریخ میں نمودار ہونے والے بعض عوامل اور مظاہر کی جانب نیا رویہ اختیار کریں۔موجودہ صدی کی ساتویں دہائی کی ابتدا میں ہندستان کا مطالعہ کرنے والے سوویت عالموں کے نظریات کا اظہار ان کتابوں میں مناسب طور سے کردیا گیا تھا جو ان دنوں ہندستان میں شائع ہوئی تھیں۔1

ہندستان کی زراعت میں استعماریت اور جاگیرداری کی باقیات نے جو رکاوٹیں اور مسخ کرنے والے اثرات ڈالے ان کے باوجود ہندستان میں سماجی ومعاشی عمل کا عام تصور سرمایہ داری کے متواتر ارتقا کو تسلیم کرنے پر مبنی تھا جس کے تعلقات کے گرداب میں ملک کے اندر چھوٹے پیمانے پر جنس تجارت پیدا کرنے والے اور نیم خودکفیل پیداوار کرنے والے کھنچے چلے آرہے تھے۔

لیکن خودمختاری حاصل کرنے کے بعد گذشتہ 25 سال کی ہندستان کی نشوونما اور ترقی کے تجربے

نے قائل کن طریقے سے واضح کر دیا ہے کہ سرمایہ داری کی مضمر تغیراتی صلاحیت اس سے کہیں کمزور ثابت ہوئی جس کی توقع کی جارہی تھی۔ ایسے اندازے کی بنیاد ان ملکوں کو بنایا جاتا تھا جو موجودہ صدی کے شروع تک یعنی ساری دنیا میں سرمایہ دارانہ نظام کے قیام کے کم وبیش ساتھ ہی ساتھ سرمایہ داری کے آغاز اور پھر اس کے ارتقا کے تجربے دوچار ہوئے تھے۔ اس لئے اس دور کے ہندستان کی سماجی ومعاشی صورت حال پر پھر سے نظر ڈالنا ضروری ہوگیا ہے۔ ایسا کرتے ہوئے تحقیق کے ان طریقوں سے استفادہ کیا گیا ہے جو عصر حاضرہ کے ملتے جلتے مسئلوں کا تجزیہ کرنے میں عام طور سے کام میں لائے جاتے ہیں۔

جدید اور ہم عصر ہندستان کی معیشت کی تاریخ لکھنے کا مطالبہ ہے کہ کئی مختلف عالموں کی کوششیں یکجا کی جائیں، خاص کر ہندستانی عالموں کو جنہوں نے اب اس میدان عمل میں نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ برطانوی مداخلت سے پہلے ہندستان میں جو سماجی اور معاشی حالت تھی اس کے متعلق ان کے تخمینے خاص طور سے صحیح ہیں۔

اب تک جو مطالعے کئے گئے ہیں وہ ایسے معروضی، علمی اور غیر متعصّبانہ رویے کی اہمیت ظاہر کرتے ہیں جو ہندستان میں تاریخی ارتقا کی اصلی سطح کو اصلیت سے زیادہ یا اصلیت سے کم متعین کرنے کی خواہش سے پاک ہو۔ مارکسی مورخوں کا بڑا سائنسی اور سیاسی فریضہ یہ ہے کہ جب عالمگیر پیمانے پر سرمایہ داری اپنے ارتقا کے بلندترین مرحلے میں پہنچ رہی ہے تو ان حالات میں وہ تیسری دنیا کے ملکوں کے رفتہ رفتہ گھٹنے کا مطالعہ کریں۔ ہمارا اشارہ یقینی طور پر اس عامیانہ اور ضرورت سے زیادہ آزاد تصور کی جدید شکل کی طرف نہیں ہے جس کے مطابق سرمایہ داری پیداوار میں پیداواری قوتوں کو بڑھاوا دینے اور ٹکنیکی علم کے مطابق اصلاحات کرنے کی اپنی مضمر صلاحیت سے محروم ہو جاتی ہے۔

پھر بھی، معاشی اعتبار سے پسماندہ ملکوں میں سرمایہ داری مغربی یورپ میں اپنی تاریخ کے آغاز کے زمانے کی بہ نسبت آج سماجی ساخت کو تبدیل کرنے، سماجی اور معاشی تشکیلوں کی کثرت غالب کرنے اور پیداوار کی مقدار اور پیداواری تعلقات کے حلقے، دونوں پر غالب ہونے میں اپنی نسبتاً کم تغیر پذیر مضمر صلاحیت کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ سامراجی ریاستوں میں ریاستی اجارہ دارانہ سرمایہ داری کی ٹکنیکی کامیابیوں کا ایک حد تک نتیجہ تیسری دنیا کے سماجی عوامل میں ٹھیراؤ ہے۔ بہ الفاظ دیگر معاشی اعتبار سے پسماندہ ملکوں میں سرمایہ داری کو سماجی اعتبار سے غالب تشکیل بن جانے میں اور آبادی کے بڑے حصے

کوروزگار فراہم کرنے میں روزافزوں دقت پیش آرہی ہے۔ بلاشبہ ارتقا کے سرمایہ دارانہ راستے پر جومما لک تاخیر سے آئے وہ آج کی سرمایہ داری کی ٹکنیکی سطح پر مکمل روزگار فراہم کرنے میں اپنے اندرون بدن کم صلاحیت پا رہے ہیں۔ اس اعتبار سے افریشیائی مما لک خاص طور سے مشکل میں پھنسے ہوئے ہیں۔

تواریخی اعتبار سے سرمایہ دارانہ سماج کی طبقاتی تشکیل قائم ہونے کے سب سے زیادہ موافق حالات برطانیہ میں پیدا ہوئے۔ وہاں سماج کے بورژوا تغیر وتبدل کا آغاز کارخانہ داری سے پہلے کے اور کارخانہ داری کے دور میں ہوا تھا جب قوت محنت کی ہر اکائی پر سرمایہ کاری کم تھی۔ علاوہ ازیں برطانیہ کو باہر سے خاصے وسائل ملک کے اندر داخل کرنے کی سہولت حاصل تھی جب کہ ''فاضل'' آبادی شمالی امریکہ اور دوسری نوآبادیوں میں ہجرت کر جاتی تھی۔ ہندستان میں اس سے قطعی مختلف صورت حال نمایاں ہوئی۔

آج کل قوت محنت کی فی اکائی پر ڈھیروں سرمایہ لگانا پڑتا ہے۔ یہ سرمایہ کاری اس سے سینکڑوں گنی زیادہ ہے جو برطانوی سماج کے سرمایہ دارانہ تغیر وتبدل کے دوران میں کی گئی تھی۔ علاوہ ازیں حسب معمول بیرونی معاشی راہوں سے وسائل کا داخلہ بہت ناکافی ہے اور بعض اوقات قومی معیشت پر اس کا اثر خراب پڑتا ہے۔ سماج کے سرمایہ دارانہ اتحاد اتصال کے لئے سرمائے کی جمع کی جس پیمانے پر ضرورت ہے اس کی راہ میں حائل ہونے والی مشکلیں بڑھتی جارہی ہیں کیونکہ جدید ترین ٹکنیکی ساز وسامان نے زیادہ ترقی کرلی ہے اور وہ زیادہ مہنگا ہوگیا ہے۔ اس کے علاوہ ''فاضل'' آبادی کو پردیس بھیج دینے کے امکانات معدوم ہیں۔

کثیر تشکیل سماج کے مطالعے کے بعض پہلو

معاشیات دانوں کو جو اہم ترین مسائل درپیش ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ قومی سماجی ومعاشی تشکیل کے اندر اور عالمی معاشی تعلقات کے نظام کی حدوں میں سرمایہ دارانہ تشکیل کا صحیح مقام دریافت کیا جائے۔ الگ الگ ملکوں کی صورت حال کے مطالعوں پر اطلاق کے لئے ٹھوس طریق کار مرتب کرتے وقت یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ اپنی تصنیف ''سرمایہ'' میں کارل مارکس نے برطانوی سماج کو زیر غور رکھا ہے جو سرمایہ دارانہ تغیر وتبدل کی خالص شکل سے گذرا تھا اور جس نے انیسویں صدی کے وسط تک کثیر

سماجی ومعاشی تشکیلوں کا مسئلہ حل کرلیا تھا۔اس لئے مارکس نے بڑی حدتک اپنے آپ کوسرمایہ دارانہ پیداوار کی ادنیٰ اوراعلیٰ صورتوں کے درمیان تعلقات کا مطالعہ کرنے تک ہی محدود رکھا تھا۔لینن نے اسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھا:''مارکس نے صرف'ایک ہی سماجی ومعاشی نظام،سرمایہ دارانہ نظام کا ذکر کیا ہے،یعنی وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے کسی اور کے نہیں بلکہ صرف اس نظام کے ارتقا کے قانون کی تحقیق کی ہے۔''2

اپنی تصنیف'' روس میں سرمایہ داری کا ارتقا'' میں لینن نے چھوٹے پیمانے پر جنس تجارت پیدا کرنے والی تشکیل کا اورمختلف قسموں کی سرمایہ دارانہ پیداوار کا ان کے عمل باہمی کے دران میں ایک مثالی مطالعہ کیا ہے۔مگرانہوں نے تشکیلوں کی اکثریت کے عام مسئلے کے ہر پہلو سے بحث نہیں کی۔ یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کیونکہ اس تصنیف میں لینن نے اپنی توجہ نرودنکوں3 کے اس دعوے کی تردید کرنے پر مرکوز کی تھی کہ روس میں سرمایہ دارانہ ارتقا ناممکن ہے۔زرعی مسئلے پر اپنے بعد کے مطالعوں میں لینن نے روسی سماج کی کثیر تشکیلی نوعیت کے اپنے تصور کی اوراس کے اندر سرمایہ دارانہ تشکیل کے مقام کی وضاحت کی ہے۔انتہائی تعمیمی شکل میں لینن نے خانہ جنگی کے بعد نئی معاشی پالیسی4 پر اپنی تصانیف میں روس کی سماجی ومعاشی تشکیلوں کی کثرت کے مسئلے کو پیش کیا ہے۔

سماج کا مطالعہ اس طریقے سے کرنے سے کہ اس میں کثیر تشکیلی نظام کا غلبہ ہے،مسئلہ حل نہیں ہو جاتا بلکہ اسے سادہ بنائے بغیر اچھی طرح سمجھنے کا محض راستہ ہموار ہوتا ہے۔سماجی اور معاشی تشکیلوں کی مانوس تعریفوں کے استعمال کرنے سے گمان ہوتا ہے کہ ہمارا سابقہ بخوبی تسلیم شدہ زمروں سے ہے اور یہ کہ ہمارا کام صرف یہ ہے کہ کسی سماجی ومعاشی نظام کے اندر مختلف تشکیلوں کے موجودہ توازن کو پہچان لیں۔

لیکن کسی نظام کی امتیازی خصوصیات نہ صرف اسے مرتب کرنے والی تشکیلوں کے توازن سے بلکہ انفرادی طور پر ہر تشکیل کی قومی خصوصیات سے اور دوسری تشکیلوں سے اس کے عمل باہمی سے نمایاں ہوتی ہیں۔ مارکس نے کہا تھا کہ نمایاں مماثلت رکھنے والے مگر مختلف تواریخی حالات میں رونما ہونے والے واقعات سے قطعی مختلف نتیجے برآمد ہوسکتے ہیں۔ان دونوں میں سے ہر ایک کے ارتقا کا مطالعہ کرتے ہوئے اوران کا موازنہ کرکے زیر مطالعہ مظہر کو سمجھنے کی کنجی دریافت کی جاسکتی ہے۔لیکن اگر کوئی کسی عام

تواریخی اور فلسفیانہ نظریے سے اخذ کردہ عام، گویا مشکل کشا کنجی استعمال کرے تو یہ سمجھ بوجھ پیدا کرنے کی ہرگز توقع نہیں کر سکتا۔ اینگلز نے واضح کیا تھا کہ سماجی ارتقا کے قوانین میں سے کسی کی بھی ''مشابہت، رجحان، اوسط کے علاوہ اور کوئی حقیقت نہیں ہوتی، اور براہ راست حقیقت کی طرح نہیں۔''5

چنانچہ جدید دور میں ہندستانی دیہی بالائی طبقے کی معیشت کے لئے جاگیردارانہ معیشت کی اصطلاح یا شہری دستکاروں اور اہل حرفہ کی معیشت کے لئے چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی پیداوار یا چھوٹے سرمایہ دار کی اصلاح ان کی اصلی معاشی وسماجی ماہیت اور اندرونی معاشی تعلقات کے مطالعے کا محض آغاز کرنے کا مواد ہی ہمیں فراہم کر سکتی ہے۔ سماجی ومعاشی تشکیلوں کی تعریف بطور خود ہمیں مختلف قسموں کے پیداواری تعلقات کے درمیان واضح خط امتیاز کھینچنے کے قابل نہیں بنا دیتی۔ مثلاً کب ایک بڑھئی یا کھاتا پیتا کسان، جو کسی برادری کے پورے رکن ہوتے ہیں، چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت پیدا کرنے والے بن جاتے ہیں؟

اسی طرح اگر ہم مثلاً ہندستانی دیہات میں گنے کی پیداوار سے حاصل ہونے والی اشیاً پر صرف ہونے والی محنت اور اس کی الگ الگ تقسیم کو لیں تو ایسی پیداواری اکائیوں کو سرمایہ داری کے زمرے میں شامل کرنا ہوگا۔ لیکن مزدوری کی ادائیگی کی شرائط کے متعلق معلومات اور مزدوروں اور مالکوں کے درمیان سرپرستی کے تعلقات یہ رویہ اختیار کرنا غیر ممکن کر دیتے ہیں۔

اس کے برعکس کسی اور سماجی ومعاشی ماحول میں کسی ایسے کاروبار کو جو خود مالک کے کام کرنے پر مبنی ہو، سرمایہ داری کے زمرے میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح، ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ پیداوار کے تحت، جیسا کہ لینن نے واضح کیا تھا، سادہ جنس تجارت کی پیداوار نہ صرف سرمایہ داری کا ایک محفوظ وسیلہ بلکہ اسی کی ایک چھوٹی قسم بن جاتی ہے ''اس زمرے میں ہر چھوٹا جنس تجارت پیدا کرنے والا شامل ہوتا ہے جو اپنے اخراجات اپنی علیحدہ کاشتکاری سے پورے کرتا ہے...''6 زیر تبصرہ دور کے ہندستان میں ایسی صورت حال کی بمشکل ہی توقع کی جا سکتی ہے، لیکن لینن کی دلیل نمایاں خصوصیات پر مبنی باریک امتیازات واضح کرنے کے لئے طریق عمل کی ایک اور اہم کسوٹی فراہم کر دیتی ہے۔

''مخلوط'' معیشت میں انفرادی تشکیلوں کا مقام

کسی مخصوص معیشت کو ایک مخصوص تشکیل سے منسوب کر کے ہم ان اشاریوں کے مسئلے کے محض نزدیک پہنچتے ہیں جو الگ الگ تشکیلوں کے مقام اور کردار کا تعین کرتے ہیں، ان میں سے خصوصاً اس کا جو ایک سانچے کا کام دیتی ہے۔ عموماً دو اشاریوں کو فیصلہ کن اہمیت دی جاتی ہے ___ ایک تو مجموعی قومی پیداوار جو کسی مخصوص تشکیل سے حاصل ہوتی ہے اور دوسرے مجموعی قوت محنت۔ لیکن مارکسزم لینن ازم کے بانیوں نے جو نظریاتی مسائل اور مطالعے پیش کئے ہیں ان سے واضح ہے کہ صرف یہی اشاریے کافی نہیں ہوتے۔

مختلف تشکیلوں میں قیمت کے تشکیل ہونے کے حالات میں اختلافات پہلے اشاریے کو قدرے غلط اور نا قابل اعتبار کر دیتے ہیں۔ لیکن یہ سب سے اہم نکتہ نہیں ہے۔ قدر کے اعتبار سے قابل موازنہ قومی پیداوار کی مقداروں میں ٹھوس مادی ساخت کے اعتبار سے بڑا فرق ہوسکتا ہے اور یہ فرق خاص طور سے تجدید پیداوار کے اجزا کی مقدار اور خاصیت میں زیادہ متعین ہوسکتا ہے۔ یہ دریافت کرنا بھی لازمی ہوتا ہے کہ یہ اجزا کس حد تک لازمی یا زائد پیداوار کا حصہ ہیں۔ جیسا کہ مارکس نے واضح کیا تھا: ''قدر زائد سرمائے میں محض اس وجہ سے تبدیل ہوسکتی ہے کہ زائد پیداوار جس کی یہ قدر ہوتی ہے، نئے سرمائے کے مادی اجزا پر مشتمل ہو چکی ہوتی ہے۔''7

صاف ظاہر ہے کہ کسی خاص تشکیل کی اہمیت کا تعین اس سے فراہم ہونے والی زائد پیداوار کے حصے اور مقدار سے ہوتا ہے۔ اتنی ہی اہمیت جمع اور صرفے کے فنڈ کے درمیان زائد پیداوار کی تقسیم سے ہوتی ہے۔ ہندستان کی مثال اس امر کا قائل کن ثبوت فراہم کرتی ہے کہ زائد پیداوار اس تشکیل میں توسیع شدہ تجدید پیداوار کے پیمانے کے مطابق نہیں ہوتی جہاں سے اس پیداوار کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہوسکتا ہے کہ کسی خاص تشکیل میں زائد پیداوار کی ایک بڑی مقدار موجود ہو اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس میں ٹھیراؤ بھی آیا ہوا ہو یا اس کو کسی دوسری تشکیل میں پیداوار کی تیز رفتار توسیع کے لئے زیادہ تر صرف کر دیا جائے (چھوٹے پیمانے کی کاشتکاری سے بڑے پیمانے کی صنعت میں وسائل کو منتقل کرنا اس کی ایک مثال ہے)۔

بعض صورتوں میں از سر نو تقسیم کا نظام توسیع شدہ تجدید پیداوار کی رفتا ست کرنے کا موجب بنتا

ہےاوراس طرح سماج کےان حلقوں کےاقتدارکو باقی رکھتا ہےجن کا گزارہ متعلقہ تشکیل کی زائد پیداوار پر ہوتا ہے۔اگر زائد پیداوار کی مقداراور مادی اجزا غالب طبقے کی تعداد، پیدائش واموات کے حرکیات اور خواہشات سے بخوبی متوازن ہوں تو پھر یہ طبقہ طریقہ پیداوار میں تبدیلی کے لئے عرصہ دراز تک قدرے کمزور تحریک محسوس کر پاتا ہے۔

ٹھیرے ہوئے سماجوں میں جن کی ٹکنیکی بنیاد ابتدائی ہوتی ہے، سماج کے برسراقتدار حلقوں کی نسبتی تعداد کا انحصار ان کی قبضائی ہوئی زائد پیداوار کی مقدار پر ہوتا ہے، خود جس کا انحصار محنت کے قدرتی حالت پر ہوتا ہے۔ مارکس نے واضح کیا ہے: ''اگر قوت محنت خفیف اور محنت کے قدرتی حالات برے ہوں تو محنت زائد مختصر ہوتی ہے، لیکن ایسی حالت میں ایک طرف تو پیداوار کرنے والوں کی ضرورتیں اور دوسری طرف زائد محنت استحصال کرنے والوں کی نسبتی تعداد بھی کم ہوتی ہے، اورانجام کار زائد پیداوار بھی مختصر ہوتی ہے، جس سے یہ کم پیداواری زائد محنت استحصال کرنے والے ان چند زمینداروں کے لئے ہی وصول ہوجاتی ہے۔'' 8

جب ہم ان حالات پر غور کرتے ہیں جن کے تحت تاریخی ارتقا کی طویل مدت میں حکمراں طبقے نے تشکیل پائی تو دیکھتے ہیں کہ اس طبقے کی قبضائی ہوئی زائد پیداوار کی صرفے کے حصے اور پیداوار کی توسیع کے حصے میں تقسیم اس طبقے کے تجدید پیدائش کے خاکے سے ٹکرا جاتی ہے۔ یہ طبقہ زائد پیداوار جتنی زیادہ صرف کردیتا ہے اتنی ہی زیادہ اس طبقے کے افراد کی تعداد ہوتی ہے۔لیکن توسیع شدہ تجدید پیداوار کے لئے زائد پیداوار کے ایک حصے کو بچا کر علیحدہ نہ رکھے تو برسراقتدار طبقہ خود اپنے مستقبل کو گویا'' کھا جاتا'' ہے، املاک کے درجے کے اعتبار سے اپنے نچلے پرتوں کو گرا دیتا ہے۔ اس لئے برسراقتدار طبقوں میں پوری یا قریب قریب پوری زائد پیداوار کے صرف ہوجانے سے بعد میں ان کے ہاں ''کثرت آبادی کا دھاکہ'' ہوتا ہے (بشرطیکہ آبادی کو محدود کرنے والے کوئی غیر معمولی عناصر پیدا نہ ہوگئے ہوں مثلاً جنگیں) اور بیشمار نادار پیدا ہوجاتے ہیں جن کی پرزور خواہش ہوتی ہے کہ زندگی کی نعمتیں روایتی افراط سے فراہم ہوتی رہیں۔

کسی سماج کی کثیر تشکیلی نوعیت کو تسلیم کرنے کا مطالبہ ہوتا ہے کہ اس کے بالائی تشکیلی اداروں کی جانب زیادہ پیچیدہ رویہ اختیار کیا جائے۔ ظاہر ہے کہ ہر سماج کو کسی مخصوص طریقہ پیداوار کے انتظام

وانصرام کے لئے سماجی حقوق واخلاق اور بالائی تشکیل کے اداروں کا ایک سلسلہ درکار ہوتا ہے9 تا کہ اس کے اراکین کے درمیان اور سماجی عناصر اصغر (کنبہ، برادری، ذات)، پیداواری اکائیوں اور ترکیب اکبر (ریاست، قوم، قومی معیشت) کے مابین رشتوں کا اہتمام کرے۔ ٹھیرے ہوئے، سست رفتاری سے ترقی کرتے ہوئے سماجوں میں یہ ترکیب وترتیب نظریاتی اور اداراتی حلقوں میں کسی مستقل، دائمی، مکمل اور مقدس چیز کا تاثر پیدا کرتی ہے، جسے عوام الناس کی نظر میں عقلِ خداوندی اور مشیت ایزدی تصور کر لیا جاتا ہے۔ خود اپنے اداروں اور اخلاقی وقانونی معمولات اور معیاروں کی جانب سماج کا یہ رویہ دونوں کو مزید خودمختاری دے دیتا ہے۔ اس سے بعض مورخین یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مشرق کا یہ آئینی اور قانونی مجموعہ خودکفیل وخودرو ہے۔

اس میں شک نہیں کہ کسی بھی سماج پر اس ریاستی بالائی تشکیل کا اقتدار ہوتا ہے جو اس سماجی ومعاشی نظام کی نوعیت کا تعین کرتی ہے جس سے اس سماج کا تعلق ہوتا ہے۔ لیکن بالائی تشکیل کے اداروں میں ماتحت اجزائے ترکیبی کی حیثیت سے جاں بلب اور نوزائیدہ دونوں ہی تشکیلوں کے ادارے شامل ہوتے ہیں۔ طویل بقائے باہم کے دوران وہ ایک دوسرے پر اپنا عمل کرتے ہیں جس سے عام سماجی ٹھیراؤ کے حالات میں وہ رسمی تنظیم اور منصبی عمل کے اعتبار سے یکجا ہوتے ہیں۔ مثلاً ہندستان کے ذات پات کے اداروں کے نظام میں قبائلی یکجہتی، غلامی کا عجز، ہم پیشہ انجمنوں اور سماجی جماعت بندیوں کی خصوصیات نمایاں ہوتی ہیں۔ ذات پات کے نظامِ مراتب کی مختلف منزلیں ان خصوصیات کا مختلف طریقے سے اظہار کرتی ہیں۔ بعض میں ان کا قطعاً فقدان ہوتا ہے۔ لیکن ریاستی ادارے اور فوج کے نظام مراتب میں بھی آقا وخادم کے تعلقات، جو قبائلی اور غلامی کے نظموں کی نمایاں خصوصیت تھی، وسیع پیمانے پر رائج رہے ہیں۔ اس اعتبار سے ہندستان کو حکمران طبقے کے یکساں نظام مراتب سے سابقہ نہیں پڑا جو جاگیرداری کے زمانے میں مغربی یورپ میں رائج تھا۔ مشرقی ملکوں میں عام رواج تھا کہ فوجی اور انتظامی عملے میں (اکثر جبری) بھرتی بیگانے نسلی گروہوں یا مذہبوں کے لوگوں کی کی جاتی تھی جو حکمراں کی غلامانہ تابعداری پر مبنی ہوتی تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ برسر اقتدار طبقے اور انتظام وجبر کے اس کے ادارے کے جاگیری ہونے کا عمل نامکمل رہ گیا تھا۔

ہندستان میں استحصال کرنے والے طبقوں کے مختلف گروہوں کے درمیان قوتوں کے تعلقِ باہمی

کی ان کی عددی قوت یا ملک کی معیشت اور نظریات میں ان کے کردار سے سادہ عکاسی نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ تعداد میں مغل امرا ہندو زمینداروں کی بہ نسبت بہت ہی کم تھے۔ مگر اپنی ہم آہنگی اور عسکری وسیاسی حرکت پذیری کی بدولت وہ ڈیڑھ سو برس سے زیادہ عرصے تک برسر اقتدار رہے۔ اس لئے مقامی زمینداروں کے مفادات سے ظاہر ہونے والے زیادہ پختہ جاگیردارانہ رجحانات ملک کے سماجی اور معاشی تشکیل میں عرصہ دراز تلک مناسب طور سے منعکس نہ ہو سکے۔

معیشت، سیاست اور نظریات میں محنت کش طبقوں کش طبقوں کے کردار کا صحیح تخمینہ محض ان کی تعداد سے ہی نہیں کیا جا سکتا۔ تاریخی اعتبار سے فرسودہ تشکیل سے ترقی یافتہ تشکیل کی جانب عبور کے ساتھ ساتھ زیادہ ترقی یافتہ طریقہ پیداوار میں تجدید پیداوار اور مزدور کے لئے ٹکنیکی ساز وسامان پر روز افزوں خرچ قوت محنت کی مقدار کو محدود کر دیتا ہے۔ مختلف تشکیلوں میں مزدوروں کی محنت کی بڑھتی ہوئی کارگزاری بھی اسی سمت میں عامل ہوتی ہے۔ لیکن زیادہ کارگزاری حلقے میں مزدور اپنی نسبتاً محدود تعداد کی کمی کو نسبتاً زیادہ ہم آہنگی، بلند تہذیبی معیاروں، عملی سرگرمی، لچک وغیرہ سے پورا کر سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے آج کا پرولتاریہ خود کفیل پدری معیشت کے محنت کش کے مقابلے میں مخالف سرے پر ہے۔ ان کے درمیان ہمیں الگ الگ پیداواری اور سماجی اوصاف کے مزدوروں کا پورا ایک سلسلہ ملتا ہے۔ کسی نظام کے اندر کسی خاص تشکیل کی اہمیت کا تعین کرتے ہوئے اس صورت حال کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔

تقسیم کا نظام طریقہ پیداوار کے ماخذ اور اس کے اشاریے کی حیثیت سے

سماجی تقسیم محنت (قومی اور بین الاقوامی) اور جمع کا تفصیلی مطالعہ کرتے ہوئے ہم نے مارکس کے مندرجہ ذیل قول کو مشعل راہ بنایا: ''نام نہاد تقسیم کے تعلقات.... تاریخی اعتبار سے ٹھوس اور مخصوص سماجی عمل پیداوار کی صورتوں اور ان تعلقات سے جو انسانی تجدید کے دوران لوگ آپس میں رکھتے ہیں مطابقت رکھتے اور پیدا ہوتے ہیں۔''[10] اور پھر مارکس سرمایہ دارانہ تقسیم کو تقسیم کی دوسری، سرمایہ داری سے پہلے کی صورتوں سے جدا کرتے ہیں جو صرف مخصوص طریقہ پیداوار کے ساتھ غائب ہو جاتی ہیں۔[11] بہ الفاظ دیگر پیداوار کے طریقوں کا متعلقہ مجموعہ تقسیم کی صورتوں کا اپنے مطابق نظام پیدا کرتا ہے۔ ایشیا میں سماجی ومعاشی تشکیل کے نہایت پیچیدہ اور مخصوص نمونے کے مطابق تقسیم کے کئی نظام ملتے ہیں۔

آزادی حاصل کرنے تک ہندستان کے روایتی بالائی تشکیل والے ادارے اور انگریزوں کے قائم کئے ہوئے ادارے قومی پیداوار کی ازسرنو تقسیم اور صرفے میں سرگرم عمل حصہ لیتے تھے جب کہ پیداواری جمع میں ان کا حصہ نسبتاً خفیف ہوتا تھا۔ ازسرنو تقسیم کا یہ مخلوط نظام سماجی تقسیم محنت کے وسیلوں کے ذریعے پیداوار کی اس نقل وحرکت کے ایک اور پیچیدہ نظام پر منطبق اور متاثر کن تھا جو متضاد انداز میں کسی علاقہ اصغر کے دائرے (ججمانی وضع کے حلقوں، دیہی بستیوں، تحصیلوں) میں، ابھرتی ہوئی قومی منڈی میں اور انجام کار عالمی سرمایہ دارانہ منڈی میں پیداوار کی گردش کو اپنے آپ میں شامل کر دیتی تھی۔

ہندستان میں فیکٹری کی پیداوار کے رواج کے ساتھ ساتھ تقسیم کے مختلف طریقوں اور پیداواری تعلقات کے کثیر تشکیلی خاکے کے عمل باہمی نے نہایت ہی متضاد نوعیت اختیار کر لی۔ نئی وضع کی پیداوار لازمی طور پر اپنی طرح کے طریقہ تقسیم کو رواج دیتی ہے۔ اینگلز نے اسی حقیقت کی جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھا تھا: ''تقسیم کے طریقے کا بڑی حد تک انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ تقسیم کرنے کو اشیا کی کیا تعداد ہے اور کہ اشیاء کی یہ تعداد سماجی تنظیم اور پیداوار کی ترقی کے مطابق تبدیل ہوتی ہے چنانچہ تقسیم کا طریقہ بھی بدل جاتا ہے۔''12

یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ سرمایہ دارانہ پیداوار کی اوسط درجے کی اکائی (فیکٹری) کی پیداوار روایتی پیداواری اکائی کی پیداوار کی بہ نسبت بے حساب زیادہ ہوتی تھی۔ اس لئے ہندستانی جاگیردار ریاستوں کے مالی اداروں کی جگہ جلدی ہی برطانوی حکومت کے محکمہ مال سے لے لینے کے ساتھ نوآبادیاتی ہندستان میں ازسرنو تقسیم کے سرمایہ دارانہ ادارے (بینک، مینیجنگ ایجنسیاں، تجارتی کمپنیاں وغیرہ) رفتہ رفتہ قائم ہوئے۔ اس طرح پیداوار کی نئی کثیر تشکیلی خاصیت گردش کے میدانِ عمل کے کثیر تشکیلی اور مخصوص نمونے میں منعکس اور ارتقا حاصل کرتی ہوئی نظر آئی (حالانکہ ہندستان میں ازسرنو تقسیم کے مجموعی نظام کی بہ نسبت گردش کا میدان عمل کہیں زیادہ تنگ تھا)۔

گردش کے کثیر شکلی نمونے کے اثرات نہ صرف اجزائے ترکیبی میں (جو ناگزیر تھا) بلکہ پیداواری حالات میں بھی نمایاں ہو گئے، چنانچہ منافع کی مقدار اور شرح کے لحاظ سے بھی جو ان اشیا میں پوشیدہ ہوتی ہیں اور جن کا قیمت کے معنوں میں موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ ابتدا اور اطلاق کے اعتبار سے قرضے کا سرمایہ مختلف ہوتا ہے۔ اس حقیقت کی عکاسی سود کی شرح، قرضے کی شرائط اور سب سے زیادہ اہم بات یہ کہ

پیداوار سے تعلق کے درجے اور نئی ٹکنیکی بنیاد پر پیداوار کو دوبارہ منظم کرنے کی صلاحیت سے ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ گردش کے حلقے میں مختلف معاشی تشکیلوں کی حدیں دھندلی پڑ جاتی ہیں اور پیداوار کے حلقے کی بہ نسبت کم واضح ہوتی ہیں (چھوٹے پیمانے کی اشیائے تجارت کی اور ابتدائی سرمایہ دارانہ پیداوار میں تجارتی اور قرضے کے سرمائے کی سرگرمیوں پر غور فرمایئے)۔ پھر بھی، پیداوار سے متعلق ہونے کی صورت اور شرائط جیسی کسوٹیوں پر کسا جائے تو خاصے واضح نشانات ایسے مل جاتے ہیں جو مختلف تشکیلوں میں تمیز کرنے میں مدد دیتے ہیں۔

گردش کے حلقے کا سرمایہ کسی مخصوص وضع کی سرمایہ دارانہ پیداوار سے متعلق ہوجانے پر مختلف خاصیت میں تبدیل ہوسکتا ہے۔ نتیجے میں وہ از سرِ نو تقسیم کے بنیادی طور پر نئے سرمایہ دارانہ اصول کی نمائندگی کرنے لگتا ہے۔ یہی توقع بھی کرنے چاہئے۔ مارکس نے واضح کیا ہے کہ سرمایہ داری سے پہلے کی پیداوار کا اولین مقصد استعمال کی قدریں پیدا کرنا تھا۔ ''ایک طرف... گردش نے ابھی پیداوار پر اپنا اقتدار نہیں جمایا تھا بلکہ اس سے اس کا رشتہ وہی تھا جو کسی خاص تمہید سے۔ دوسری طرف... پیداواری عمل نے گردش کو پیداوار کے محض ایک دور کی حیثیت سے ابھی تک جذب نہیں کیا تھا۔ لیکن دونوں صورتیں سرمایہ دارانہ پیداوار ہی کی ہیں۔''13

مارکس نے سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا کہ سرمایہ داری سے پہلے کے پیداوار کے طریقوں کے رواج کے دوران میں سوداگری سرمایہ ''زائد پیداوار کے بہت بڑے حصے کو کچھ تو برادریوں کے درمیان بچولئے کی حیثیت سے ہتھیا لیتا ہے جو ابھی تک بڑا حصہ قدر استعمال کے لئے پیدا کرتی ہیں اور جن کی معاشی تنظیم کے لئے، گردش میں داخل ہونے والی ان کی پیداوار کے ایک حصے کی فروخت، یا ویسے تو پیدا کی جانے والی اشیا کی اپنی قدر کے مطابق کوئی بھی فروخت، ثانوی اہمیت کی حامل ہوتی ہے؛ اور کچھ اس طرح کہ پہلے کے پیداوار کے طریقوں کے تحت زائد پیداوار کے خاص مالک جن سے سوداگر کاروبار کرتا تھا یعنی غلاموں کے مالک، جاگیردار اور ریاست (مثلاً مشرقی مطلق العنان حکمراں) مصرف میں آنے والی اس دولت اور سامانِ عیش و عشرت کی نمائندگی کرتے ہیں جسے سوداگر ہتھیانے کی کوشش کرتا ہے۔''14

اس طرح سرمایہ داری سے پہلے کے سماج میں صَرف ہونے والی دولت کی نمائندگی زیادہ تر سماج

کے ان پرتوں سے ہوتی ہے جو زائد پیداوار کو لازمی جزو کی حیثیت سے گردش اور پیداوار کے عمل میں شامل کئے بغیر ہتھیا لیتے ہیں۔ ان حالات کے تحت سوداگری سرمایہ پیداوار کے مختلف حلقوں اور قسموں کے درمیان اتنا نہیں جتنا کہ اس زائد پیداوار کے بڑے ذخیروں کے مالکوں کے درمیان بچو لئے کی حیثیت سے کام کرتا ہے جو پیداوار کے ان حلقوں سے ہتھیائی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سوداگری سرمایہ ازسرنوتقسیم کے نچلے حصوں تک عام طور سے نہیں پہنچتا بلکہ اس کے اونچے درجوں پر ہی اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہے۔ ضرورت کی اشیا کی ازسرنوتقسیم (جہاں وسیع معنوں میں پیداوار کے عناصر بھی شامل ہوتے ہیں) بڑی حد تک خود کفالتی کھپت، تبادلے یا معاوضے کی بنیاد پر انجام دی جاتی ہے۔ یہاں ہم چھوٹے پیمانے کی خودکفیل پیداوار میں مہاجن کی مداخلت کو نظرانداز کررہے ہیں۔

سرمایہ داری سے پہلے کے سماج میں سانچے کی ڈھالنے والی تشکیل پر مندرجہ بالا بحث کا خلاصہ پیش کرتے ہوئے ہم اس تشکیل کی مندرجہ ذیل سماجی ومعاشی خصوصیات دیکھتے ہیں: وہ ٹکنیکی ساز وسامان اور محنت کی تنظیم کے اعتبار سے زیادہ ترقی یافتہ ہے، اس کے نتیجے میں اس کی کارگزاری بھی بڑھ جاتی ہے؛ اس کے حلقے میں ڈھیروں زائد پیداوار؛ ازسرنوتقسیم کے نظام کے بلند، مرکزگیر حلقوں میں اس پیداوار کا زیادہ داخلہ؛ انتہائی ترقی یافتہ اشیائے صرف، ہتھیاروں اور سب سے زیادہ اہم بات یہ کہ ذرائع پیداوار میں اس کی تجسیم؛ زائد پیداوار کا رگزار طریقے سے مصرف میں آنے والے حصے کا توسیع شدہ تجدید پیداوار کے ملک گیر عمل پر فیصلہ کن اثر (موخرالذکر اشاریے کا سرمایہ دارانہ تشکیل پر خاص طور سے اطلاق ہوتا ہے)؛ پوری سماجی مشینری کے عمل میں اور خاص طور سے اس کے بالائی تشکیلی اداروں کے کارمنصبی میں کسی تشکیل کے غالب طبقے کا فیصلہ کن کردار؛ تشکیل کے اندر طبقاتی تصادموں میں بنیادی سماجی تضادات کا نمودار اور مرکوز ہونا؛ ملک گیر نظریے کی ترکیب وترتیب پر غالب تشکیل کے بااقتدار طبقے کے نظریے کا فیصلہ کن اثر۔ یہ کہنے کی تو چنداں ضرورت نہیں کہ یہ خصوصیات مختلف نظاموں میں اور مختلف اندرونی، بیرونی اور قدرتی حالات میں مختلف کردار ادا کرتی ہیں۔

کثیر تشکیلی میں سماجی وجود کی آگاہی

قرون وسطیٰ کے ہندستان کے تشکیلی خاکے کی ابھی تک مناسب طور سے وضاحت نہیں ہوسکی ہے مگر

ہمارا خیال ہے کہ اس میں وہ جاگیردارانہ تشکیل حاوی رہی ہوگی جو قدیم برادری، قبائل اور مالک وغلام کے تعلقات کی نمایاں باقیات کے پہلو بہ پہلو موجود رہی، جنہوں نے بعض علاقوں میں خود اپنی تشکیلیں ترتیب دے لی ہوں گی۔ یہ بات بھی صاف معلوم ہوتی ہے کہ چھوٹے پیمانے کی جنسِ تجارت کی تشکیل کے عناصر دستکاروں کی صنعتوں میں موجود تھے اور بعض علاقوں میں سرمایہ دارانہ تعلقات کی مبادیات ان میں شامل تھیں۔ خود ہندستانی جاگیرداری میں وضع قطع اور شکلوں کے مختلف نمونے نظر آتے ہیں۔ ان سب سے مل کر نہایت ہی پیچ در پیچ نمونے کی تشکیل کی جس میں ملک کے مختلف محنت کش عوام کی مادی اور روحانی تہذیب کا عکس نظر آتا ہے۔

رہنے سہنے کے انتہائی مختلف حالات میں برادری کے محنت کش حلقوں کے عرصہ دراز تک پہلو بہ پہلو موجود رہنے کے باعث غالباً وہ صورت حال پیدا ہوئی جس میں سماجی اخلاقیات کی شکلوں کی کثرت نے ہندومت میں ذاتوں کی گروہ بندی میں کٹر مذہبی استحکام پیدا کیا۔ مگر پھر بھی اس نے مختلف تاویلوں، فرقہ جاتی رجحانوں اور فلسفوں کو تسلیم کیا۔ بہر حال دو نمایاں خصوصیات جو ہندومت کو یہودیت، عیسائیت اور اسلام سے جدا کرتی ہیں یہ ہیں کہ سماجی معمولات اور خواہشات زندگی (غذا، لباس وغیرہ) میں سماجی نرالے پن کا کھلے عام اور براہ راست استحکام اور اس کے عالموں میں کثرت نظریات کی رواداری۔ یہاں تواریخی اور عمرانیاتی وضاحت کی ضرورت ہے۔ ہندستان میں انگریزوں کی فتح کے بعد جو سماجی ومعاشی عوامل شروع ہوئے، خصوصاً چھوٹے پیمانے کی جنسِ تجارت کی تشکیل کی توسیع اور سرمایہ دارانہ تشکیل کا قیام، ان کا نتیجہ یہ ہوا کہ سماجی وجود سماجی شعور سے مزید علیحدہ ہوگیا۔ ان نئے حالات میں محنت اور اس کی پیداوار بقول مارکس نہ صرف ''سماج کی گردش میں خدمات بصورت جنس اور معاوضہ بصورت جنس کی حیثیت سے'' (جیسا کہ جاگیرداری کے تحت ہوتا ہے) داخل ہوگئیں بلکہ روز افزوں ''اپنی حقیقت سے مختلف عجیب وغریب شکل'' اختیار کرلی (جیسا کہ جنس تجارت کی پیداوار کے تحت ہوتا ہے)۔15 درحقیقت اپنی روزمرہ کی زندگی میں ہندستانی کسان یا کاریگر صرف براہ راست ذاتی تعلقات کی بنیاد پر ہی جو اس پر بخوبی واضح تھے، پیداوار کی خرید یا فروخت نہیں کیا کرتا تھا بلکہ جنسِ تجارت کی گردش کے ذریعے بھی لین دین کرتا تھا جہاں ''اشیا کی پراسرار دنیا سے، اشیا کے تحت محنت کی پیداوار کے تمام جادو اور رازہائے سربستہ سے'' اس کا منہ در منہ سامنا ہوا۔16 اس اعتبار سے ہندستانی محنت کش کے روبرو

برطانوی حکمرانی کی گویا دو شکلیں سامنے آئیں: ذاتی طور پر_ محصول جمع کرنے والے نہایت ہی مانوس کارندے کی شکل میں جو اس کی پیداوار کے ایک حصے پر قبضہ جما لیتا تھا اور قدرے پراسرار انداز میں_ اس پیداوار کے لاشخصی مالک کی حیثیت سے جو گمنام محنت سے گمنام حالات میں گمنام خرچ سے حاصل ہوتی ہے۔

ہندستان کے محنت کشوں پر ایک طرف تو خارج از معاشیاتی جبری طریقوں سے استحصال کا بار پڑتا تھا (محصولات، لگان اور جبری وصولیاں) اور دوسری طرف سوداگری، مہاجنی اور کم وبیش خالص سرمایہ دارانہ طریقوں سے ان کا استحصال کیا جاتا تھا۔ مارکس کے قول کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے ہم دعوی کر سکتے ہیں کہ انیسویں صدی کے وسط سے ہندستانیوں کے محنت کے سماجی تعلقات کا اظہار اپنے نجی رشتوں کی حیثیت سے بھی ہوا اور ان رشتوں میں بھی جو ''محنت کی اشیا کی درمیان سماجی تعلقات کی شکل میں چھپے ہوئے تھے۔''17

مسیحی دنیا میں سرمایہ داری کی جانب عبور کے دور میں سماجی شعور کی دوئیت کی کم وبیش مناسب، اگرچہ متضاد، عکاسی تجدید مسیحیت میں ہوئی۔ لیکن ہندستان کے دو بڑے مذہبوں، ہندومت اور اسلام، دونوں میں سے کسی نے بھی اس تجدید سے کچھ بھی مستعار نہیں لیا (دلچسپ بات یہ ہے کہ ہندستان میں جس طرح عیسائیت کی پیروی کی جاتی ہے اس میں تجدید سے پہلے کی خصوصیات کو برقرار رکھا گیا ہے)۔ مزید برآں ہمارا خیال ہے کہ ترقی یافتہ جاگیرداری کے نظریے کی حیثیت سے ہندومت کی پختگی کسی طرح بھی ناقابل شبہ نہیں ہے۔ جین مت، سکھ مت، مذہب زرتشت اور نسطوری وضع کی عیسائیت سماجی اور جغرافیائی اعتبار سے مقامی نظریات رہے جب کہ ان کی پختگی اور بورژوا ''تجدید'' سے ان کی اثر پذیری کی ابھی تک مختتم تصدیق نہیں ہو سکی ہے۔ مختصر یہ کہ انیسویں صدی کے وسط تک ہندستان میں ایسے طبقے یا بڑے سماجی گروہ موجود نہیں تھے جن کے پاس ایسا کوئی نظریہ ہو جو کسی خاص طبقے یا سماجی گروہوں کی تمنائے حیات کو قومی مفادات سے وابستہ کرتا۔

ہندستان میں جو نظریات موجود تھے ان میں سے دراصل کوئی بھی از سر نو تقسیم کے اس نظام کو حق بجانب قرار دینے سے متجاوز نہیں ہوا جو وہاں قائم تھا۔ حالانکہ کچھ مستثنات ایسے ہیں جب کہ انہوں نے اس میں کچھ غیر اہم ردوبدل کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ صارف کی تمناؤں پر ضبط ہندستان کے روایتی

نظریوں کا جزو لاینفک رہا۔ درحقیقت کسی خاص سماجی گروہ کے اندر طرز زندگی کے ضبط کی بھی یہی کیفیت تھی۔ یہ ضبط سب سے پہلے ان لوگوں کے گزارے سے متعلق تھا جو (ہندومت، اسلام، وغیرہ کے) نظریوں کے علمبردار اور ترجمان تھے جس نے پھر ان کی سماجی قدامت پرستی اور روایتی اداروں سے ان کی وفاداری کو تقویت پہنچانے کی خدمت انجام دی۔

نئی تواریخی صورت حال میں جب کہ شدید ترین سماجی تصادم سرمایہ داری کی مداخلت کے ذریعے ہوئے، روایتی مذہبی شعور نئے نئے ابھرنے والے عوامل اور رجحانات پر قدامت پرست ردعمل کی محض ایک بنیاد کی خدمت ہی انجام دے سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی محدود طبقاتی نوعیت کے غیر مذہبی نظریات میں سے کوئی بھی، جن میں کم وبیش اپنی ''خالص'' شکل میں بورژوا قوم پرستی بھی شامل تھی، آبادی کی اکثریت کے لئے روزمرہ کے ''عملی'' نظریے کی حیثیت سے مذہبی عالمی زوایہ نگاہ کی جگہ نہیں لے سکا۔ ایسی صورت حال میں ملک گیر مقبولیت کے دعووں کے ساتھ گاندھیت کا نمودار ہونا ایک منطقی ارتقا ہی معلوم ہوتا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ گاندھیت کی کمزوریاں جو اس کے موہوم ہونے، مختلف مذہبوں کے پسندیدہ اصولوں کے اختیار کرنے اور کسی طبقے پر مرکوز نہ ہونے کی صورت میں نمایاں ہوئیں، کچھ عرصے کے لئے اس کی فوقیتیں بن گئیں۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اس کا سماجی ومعاشی پروگرام اس قدر وسیع پیمانے پر، کم از کم قومی آزادی کی جدوجہد کے زمانے میں کیوں قبول کیا گیا۔

سماجی ومعاشی تشکیل کی جانب جامع رویہ اور اس کے فرائض کے تعلقات باہمی

تواریخی ترقی کا تجزیہ کرنے کا جامع رویہ مارکسی طریقہ ہے۔ اس سلسلے میں اس وضع کی صورت حال کا تخمینہ کرنے کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے جو مارکسی ادب میں ''نظام کی جست'' کے نام سے موسوم ہے یعنی کسی سماجی ومعاشی نظام کے تمام بنیادی عناصر کا تواریخی اعتبار سے نئی خاصیتی وحدت میں جامع طریقے سے عبور۔ اس عبور کی جامع نوعیت پر ہم خاص طور سے زور دیتے ہیں کیونکہ اس وضع کی جست کے متعلق بعض بورژوا تصورات میں اس کی ماہیت کو (بقول والٹ روسٹو) ٹکنیکی ''اڑان'' یا کسی اور یک طرفہ تبدیلی میں منتقل کر کے چھوڑ دیا جاتا ہے۔

مارکسی نظریے کے مطابق نظام کی جست اس وقت منطقی ارتقا ہوتی ہے جب کہ اس سے پہلے

غالب تشکیل کے تمام کلیدی اجزا میں، جن میں پیداواری قوتوں، پیداواری تعلقات، سماجی اداروں، نظریاتی تصورات اور تہذیبی قدروں وغیرہ کے حلقے بھی شامل ہیں، بحرانی مظاہر کا اجتماع ہو چکا ہو۔ لیکن اس قسم کے اجتماع کی ضرورت سے مراد یہ نہیں ہے کہ تمام سماجی حلقوں میں تبدیلی بیک وقت شروع ہو جاتی ہے اور ایک ہی رفتار سے اور یکساں گہرائی تک ہوتی ہے۔ سلسلے وار نظاموں کے انقلابی تبادلے کی اس تک کہ شکل مسخ ہو جاتی ہے جو تاریخ کا ''دردزہ'' ہے۔

ترقی کی بنیادی اور متواتر عامل ترغیب کے مارکسی تصور اور گنار مرڈال کے پیش کردہ ''تخمینوں'' کے نظام کے درمیان اہم فرق اسی وجہ سے ہے کہ اول الذکر کا نقطۂ آغاز کسوٹیوں کا کوئی پسندیدہ سلسلہ نہیں ہے بلکہ معروضی اور ناگزیر عناصر ہیں۔ مارکسی بین الاقوامیت پسند کے لئے اس مسئلے کی پیچیدگی مخصوص، قومی و علاقائی اور عالمی سیاق و سباق میں ان عناصر کے درست تعلقات کو قائم کرنے میں مضمر ہوتی ہے۔

اس طرح مارکسی مورخ کے لئے اہم اندرونی اور بیرونی تعلقات کے پورے مجموعے کا تجزیہ کرنے کی ضرورت ابتدائی تصوراتی بنیاد کا تعین کرنے میں بڑی پیچیدگی پیدا کر دیتی ہے۔ قومی خصوصیات کو سمجھنے کے لئے ''کسی خاص دور کی بنیادی خصوصیات کا علم''[18] لینن کی نظر میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہندستان کے سماجی و معاشی ارتقا اور اس پر برطانوی حکمرانی کے تاثر کا مطالعہ کرنے کے سائنسی رویے کی بنیاد ہم اس کلیے کو بنا سکتے ہیں۔ درحقیقت اگر انیسویں صدی کے اختتام پر ''کسی خاص دور کی بنیاد خصوصیات'' کو نکتۂ آغاز بنایا جائے تو تواریخی ترقی کے پیمانے کی حیثیت سے اس صنعتی انقلاب سے زیادہ کوئی چیز مناسب نہیں ہو سکتی جس میں پیداوار حاصل کرنے کے لئے جسمانی محنت کے بجائے رفتہ رفتہ مشینوں کے استعمال کا آغاز ہوا۔ ساتھ ہی اگر ہم، لینن کے مطابق عالمی کی صنعتی انقلاب کی کسی مخصوص ملک کے اندر رونما ہونے والے سماجی و معاشی عوامل کی ''زیادہ مخصوص خصوصیات کو ملحوظ رکھنے کی'' بنیاد کی حیثیت سے جانچ پڑتال کریں تو ہندستان پر برطانوی سرمایہ داری کے اثر کا ہمارا تخمینہ زیادہ درست اور بالواسطہ ہوگا۔

سرمایہ دارنہ تشکیل کثیر تشکیلی معیشت کے جزو کی حیثیت سے

لینن نے اس بات پر زور دیا تھا کہ سرمایہ داری کی ابتدا کا مطالعہ کرنے میں خاص فریضہ اس بات کو

متعین کرنے کا ہے کہ یہ کہاں اور کیسے عالم وجود میں آئی۔19 اس لئے ہندستان میں سرمایہ داری سے پہلے کی تشکیلوں کے بارے میں تحقیق کرنے کے سلسلے میں ہمیں یہ دریافت کرنے پر اپنی توجہ مرکوز کرنی پڑے گی کہ وہ پیداواری تعلقات کے جس نظام کی نمائندگی کرتی تھیں وہ آیا ''ایشیائی'' تھا، جاگیردارانہ یا کوئی اور۔ ہم ان لوگوں سے متفق ہیں جو ''ایشیائی'' طریقہ پیداوار کی تاویل یہ کرتے ہیں کہ وہ جاگیردارانہ طریقہ پیداوار کی نہایت ہی مخصوص علاقائی شکل ہے۔ اس کے ساتھ، بقول مارکس، اس طریقہ پیداوار کی سرمایہ داری سے پہلے کے دیگر طریقہ ہائے پیداوار کے مجموعے میں تحقیق کرنا چاہئے۔

اسی طرح جدید اور ہم عصر زمانوں میں معاشی اعتبار سے پسماندہ ملکوں کا مطالعہ کرنے والے عالم کو چاہئے کہ سرمایہ داری کا کثیر تشکیلی سماج کے جزو کی حیثیت سے مطالعہ کرنے کے لینن کے طریقوں سے استفادہ کرے۔ صرف یہ رویہ اختیار کر کے ہی مشرق کے ملکوں میں دوسری تشکیلوں سے الگ تھلگ ہو کر صرف سرمایہ دارانہ تشکیلوں کے متعلق تحقیق کرنے کے طریق کار کی غلطی سے بچنے کی توقع کی جاسکتی ہے۔ وہ غلطی سرمایہ دارانہ تعلقات کو غیر ضروری طور پر بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی جانب لامحالہ لے جائیگی۔ تحقیق کرنے والے کو سب سے پہلے سرمایہ دارانہ تشکیل اور دوسری تشکیلوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت کا تقرر کرنا ہے اور اس کا آغاز ان تعلقات سے کرنا ہے جو سرمایہ داری سے پہلے کی تشکیلوں اور سرمایہ داری کے فرداً فرداً مرکزوں کے درمیان قائم تھے۔

سرمایہ دارانہ تشکیل اور سرمایہ داری سے پہلے کی تشکیلوں کے درمیان تعلقات کا ایک اہم خط جمع کے حلقے سے ہو کر گزرتا ہے جو ابتدائی مرحلے پر نوخیز سرمایہ دارانہ تشکیل کے لئے اہم ترین مسئلے کی حیثیت رکھتی ہے۔ کسان معیشت سے جنس تجارت کے تبادلے کے ذریعے چھوٹے پیمانے کی سرمایہ دارانہ اور کارخانہ داری کی صنعت میں جمع صرف اس مرحلے میں ہی کیا جاسکتا ہے جب کہ صنعت میں سرمایہ دارانہ پیداوار محنت کی کارگزاری کے اعتبار سے زراعت کی بہ نسبت زیادہ ہونے لگے۔ اور اسی مرحلے پر غیر مساوی تبادلے کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے جس کی اکثر خالص خارجی معاشی تعلقات کے ایک پہلو کی حیثیت سے تاویل کی جاتی ہے۔ درحقیقت یہ محنت کی کارگزاری کی مختلف سطحوں والی تشکیلوں کے درمیان تبادلے کے مسئلے کی حیثیت سے یعنی یہ کہ قومی، طبقاتی تضاد کی حیثیت سے اٹھا تھا۔

اس مسئلے کے مطالعے کے لئے ہندستانی دیہاتی برادری، ہندستان میں سماجی تقسیم محنت میں زراعتی

پیداوار کی از سرِ نو تقسیم پر مارکس کے خیالات خاص قدر و قیمت کے حامل ہیں۔ ایک زمانے میں یہ خیال عام ہو گیا تھا کہ ٹھوس واقعاتی مواد ان حدود سے کہیں تجاوز کر جاتا ہے جو مارکس نے ہندستان کے خاص سماجی و معاشی مظاہر کے لئے متعین کی تھیں۔ اس کا ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ اول تو، ہندستان کے متعلق مارکس کے خیالات جامد نہیں رہے بلکہ نشو و نما پا کر صحت کی اعلیٰ سطح تک پہنچے (مثلاً انہوں نے اپنے اس تخمینے پر نظر ثانی کی تھی کہ برطانوی سرمائے نے ہندستانی منڈی پر کتنی جلدی قبضہ کر لیا)؛ دوسرے، مارکس کے مقولات میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا تھا کہ ہندستان کے سماجی و معاشی مظاہر کی ان میں مکمل خصوصیات واضح کر دی گئی ہیں بلکہ تواریخی ارتقا پر حاوی عام قوانین کی روشنی میں ان مظاہر کی مخصوص نوعیت کی جانب اشارہ کیا گیا تھا۔

ان ملاحظات پر زور دینے کے لئے ہم یاد دلانا چاہتے ہیں کہ 1853 میں مارکس نے ''مخصوص سماجی نظام، نام نہاد دیہی نظام'' کا ذکر کیا تھا ''جو ان چھوٹی چھوٹی برادریوں میں سے ہر ایک کو آزاد تنظیم اور علیحدہ زندگی دیتا تھا.... اب پدری نظام کی جفاکش اور پرامن ہزارہا سماجی تنظیموں کو درہم برہم ہونے اور اپنی اکائیوں میں ان کی تحلیل ہونے، مصیبتوں کے سمندر میں غوطے لگاتے دیکھنے اور اس کے ساتھ ان کے الگ الگ اراکین کے قدیم تہذیبی شکلوں سے اور گزارے کے اپنے موروثی سرچشموں سے محروم ہونے سے انسانی جذبات کو خواہ کتنی ہی ٹھیس کیوں نہ پہنچتی ہو، ہمیں یہ بات ہرگز فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ دلفریب مناظر کے دیہات کی وہ برادریاں، چاہے بظاہر بے ضرر کیوں نہ معلوم ہوتی ہوں، مشرقی مطلق العنانیت کی ہمیشہ ٹھوس بنیاد رہی ہیں، یہ کہ انہوں نے ذہن انسانی کو توہمات کا بے مزاحمت آلہ کار بناتے ہوئے، روایتی قواعد و ضوابط کا غلام بناتے ہوئے، تمام عظمتوں اور تواریخی توانائیوں سے محروم کرتے ہوئے اسے مختصر ترین حلقے میں مقید رکھا۔''20

چنانچہ، بقول مارکس، دیہی برادری کے روایتی ادارے سے متنوع اور کثیر سمتی لہریں پیدا ہوتی ہیں، جو، پھر بھی، یکساں تحفظی اثر ڈالتی ہیں۔ بعض، ''اترتی ہوئی لہروں'' نے تواریخی اعتبار سے ٹھوس فرد کو شکل دی جو کسی تخلیقی صلاحیت سے محروم تھا اور دوسری ''چڑھتی ہوئی لہروں'' نے نظام ترکیب کبیر ــ مشرقی مطلق العنانیت کو سہارا دیا۔ اینگلز نے مشرقی مطلق العنانیت کے حالات میں سرمایہ دارانہ جمع کے ناممکن ہونے کے بارے میں جو کچھ لکھا تھا اس کو اگر ہم ذہن میں رکھیں تو ایشیائی سماج کے ٹھیراؤ اور پسماندگی کے

مسئلے کی جانب مارکسزم کے بانیوں کا جامع رویہ ہمیں صاف نظر آجائے گا۔

ہندستانی سماج کی سماجی ومعاشی تشکیل کے استحکام کے متعلق بحیثیت مجموعی مارکس کا جونظریہ تھا نظام بندی کی نوعیت کے نئے ثبوت سے اس کی تصدیق ہورہی ہے۔قومی آزادی کے حالات میں اس تشکیل کے ٹھیراؤ کو سماج کے اس حصے نے بلاشبہ ختم کردیا ہوتا جو بیدار ہوجاتا اور ٹھیراؤ سے نکل آنے کے لئے اس نے کوئی بنیادی سبیل پیدا کرنے کی ضرورت کو تسلیم کرلیا ہوتا۔

جاگیردارانہ ہندستان میں زرعی اشیأ کی پیداوار اور ازسرِنو تقسیم

نظام جاگیرداری کے کسی ملک میں زمین کی ملکیت اور زمین کے استعمال کی صورتیں کسانوں اور دستکاروں کے درمیان پیداوار کے تبادلے کے پیمانے اور شرائط پر فیصلہ کن اثر ڈالتی ہیں۔یہ صورتیں ہی زرعی پیداوار کے جس پر جاگیردارانہ سماج میں قومی پیداوار کا بڑا حصہ مشتمل ہوتا ہے، نکاس اور ازسرِنو تقسیم کی مشینری کا تعین کرتی ہیں۔پھر یہ مشینری دستکار اور کسان کے درمیان (خود کفیل یا جنس تجارت کی شکل میں) پیداوار کے براہ راست تبادلے کے اور جنس وزر کے ذریعے کسان سے حاصل کی ہوئی زرعی پیداوار کی ازسرِنو تقسیم سے ہونے والے کے درمیان تعلق متعین کرتی ہے۔

زرعی پیداوار کے نکاس کی شرح کی صحیح تصویر سامنے لانے کے لئے مقررہ ریاستی محصول کی شرح کو اتنا نہیں جتنا محصول ادا کرنے والے کی فصل سے اصل نکاس کو نقطۂ آغاز بنانا چاہئے۔بنجمن ہین نے اس صورت حال کا مطالعہ کیا ہے جو پچھلی صدی کے پہلے عشرے میں جنوبی ہندستان میں پائی جاتی تھی۔[21] ان کے بیان کے بموجب محصول فصل کے 35 فیصدی حصے پر مشتمل ہوتا تھا، انتظامیہ عملے اور ہتھیار بند لوگوں کی تنخواہیں 12.5 فیصدی پر، مذہبی عبادت گاہوں کے لوگوں کی 2.5 فیصدی سے زیادہ پر، ملازموں کی (جو زراعت پیشہ نہیں تھے) اور دستکاروں کی تنخواہیں 2.5 فیصدی پر۔اس طرح (اوسط سال میں) کل فصل میں سے صرف تقریباً آدھی دیہی آبادی کے اس حصے کے پاس جو کام کرتا تھا، (رعیت، پاریا، ملازم اور دستکار) باقی رہ جاتی تھی۔

ہمارا خیال ہے کہ ہندستان کے سماج میں ان دنوں سرمایہ داری کے نظام کی جانب جست کرنے کے معروضی حالات موجود نہیں تھے۔جاگیرداری لگان زیادہ تھا اور زمین سے حاصل ہونے والی پیداوار کی

بڑی مقدار کو جاگیردار ہتھیا لیتے تھے۔ اسے حکمراں حلقے اور ان کے خدمت گاروں کی پوری ایک فوج صرف کر ڈالتی تھی۔ اس سے ملک کی سماجی و معاشی تشکیل میں ٹھیراؤ کی کیفیت مستقل صورت اختیار کرنے کی جانب مائل نظر آتی تھی۔ اس تشکیل کا دارومدار ہی اس بات پر تھا کہ غیر معمولی طور پر زیادہ آبادی زائد زرعی پیداوار پر گزارہ کرے۔ اس کے ساتھ ہی ہندستان کی معیشت کی خودکفیل اور خالص معاشی تعلقات کی کم ترقی یافتہ نوعیت اور ان طبقوں اور حصوں کے غیر مشترک مفادات انتظام وانصرام اور جبر وتشدد کی سماجی اعتبار سے یکساں مشینری کے قیام میں مانع ہوئے جو پوری مغل مطلق العنان ریاست میں بیرونی سلامتی اور اندرونی سیاسی استحکام کی حفاظت کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

زرعی محصول عائد کرنے کے مغل نظام نے جس حد تک اس کے اصولوں کا اطلاق کیا گیا تھا اس حد تک) جاگیرداروں کے نچلے اور متوسط حلقوں کو نسبتاً زیادہ جکڑ دیا تھا اور بالائی حلقے کو بڑی مراعات حاصل تھیں۔ عرفان حبیب نے جو حساب لگایا ہے اس کے مطابق مقامی سرکاری عہدیداروں، فوجیوں اور دوسری وضع کے لگان وصول کرنے والوں کی مال کی وصولیوں کے بعد کسانوں کی حاصل کی ہوئی کل پیداوار میں سے چوتھائی سے آدھی تک چھین لی جایا کرتی تھی۔ 22

شہر اور گاؤں کے درمیان جنس تجارت کے تبادلے کے ارتقا میں گاؤں کی برادری کی معاشی علیحدگی سے اور اس حقیقت سے بڑی رکاوٹ پڑی کہ زائد زرعی پیداوار کا کافی بڑا حصہ خودکفیل وضع کے لگان محصول کی شکل میں لے لیا جاتا تھا۔ شہر اور دیہات کے درمیان معاشی تعلقات میں زرعی پیداوار کا شہر کی طرف یک طرفہ بہاؤ غالب تھا جو جاگیردارانہ ریاست اور انفرادی طور پر جاگیردار کسانوں سے وصول کرتے تھے۔

ہمیں اس الجھن پر بھی توجہ دینی چاہئے جواب بھی اصل میں دو مختلف زمروں کے سلسلے میں، زرعی پیداوار کو تجارتی بنانے اور زراعت کی جنس تجارت کی نوعیت یعنی محنت انسانی اور آلات زراعت کو جنس تجارت میں تبدیل کرنے کے سلسلے میں عام ہے۔ ہندستانی کاشتکاری میں زائد پیداوار کی نسبتاً اعلیٰ شرح اور محصول اور دیگر ادائیگیوں کی صورت میں اس کی وصولی کے باعث زمین کی پیداوار کے خاصے حصے کو رسمی طور پر لگان وصول کرنے والا یا تھوک خریدار کاشتکار (رعیت) کے فروخت کئے بغیر جنس تجارت میں تبدیل کر سکتا تھا۔ ان صورتوں میں جب زمین کا محصول تھوک خریدار اور ان کے کارندے جمع کرتے تو مہاجن کا

سود جو کسان ادا کرتا تھا اپنی خاصیت میں لگان محصول سے زیادہ نزدیک ہوتا اور ایک حد تک اس کی تبدیل شدہ شکل کو ظاہر کرتا (جب کہ وہ اپنے علیحدہ وجود کی جانب میلان کو ظاہر کرتا تھا جو بعد میں برطانوی حکمرانی کے تحت نمایاں ہو گیا)۔ لگان اور مہاجن کے سود کے ذریعہ زمین کی پیداوار کو تجارتی بنانے کے عمل کا ٹکراؤ زراعت میں تجدید پیداوار کو تجارتی بنانے کے عمل سے ہوتا تھا کیونکہ اس سے پیداوار حاصل کرنے والا زائد پیداوار کے اس حصے سے محروم ہو جاتا تھا جس کا، بازار میں فروخت ہو جانے کے بعد وہ ذرائع پیداوار سے تبادلہ کر سکتا تھا۔

ان مخصوص رابطوں سے قطع نظر جن کے اندر زرعی پیداوار تجارتی بنائی گئی تھی، مشرقی مطلق العنانیت کے تحت قومی پیمانے پر پیداوار کو اخیر تجارتی بنانے کی سطح ایک حد تک خود کسان کی پیداوار کو تجارتی بنانے سے معکوس تناسب میں ہو سکتی تھی۔ بقول ڈی۔ آر۔ گاڈگل ''پیداوار کی فروخت یا برآمد نے اس محصول کی ادائیگی میں مدد کی جو کاشتکار پر ریاست یا زمیندار کی جانب سے واجب تھا، لیکن بدلے میں عموماً اسے وہ ذرائع نہیں دئے گئے جن سے وہ شہری صنعت کی پیدا کی ہوئی چیزیں کسی بڑی مقدار میں خرید سکتا۔''23

یہاں تک کہ اٹھارویں صدی اور انیسویں صدی کے شروع میں بھی گجرات، میسور اور راجستھان، یعنی ان علاقوں میں جہاں جنس تجارت اور زر کے تعلقات نسبتاً ترقی یافتہ تھے، کاشتکار عام طور سے اپنے زمین کا لگان براہ راست تھوک خریدار کو یا تو جنس تجارت کی صورت میں ادا کرتے تھے یا مہاجن سے قرض لے کر نقد دیتے تھے جسے بعد میں وہ اپنی فصل کا ایک حصہ دیا کرتے تھے۔24 کسی بھی صورت میں کاشتکاروں کو نقد لگان ادا کرنے کے لئے منڈی میں نہیں جانا پڑتا تھا یا خود مختار جنس تجارت پیدا کرنے والا نہیں بننا پڑتا تھا۔

زراعت اور دستکاریوں کے درمیان سماجی تقسیم محنت

خود اس مسئلے پر غور کرنے سے پہلے یہ بات دھیان میں رکھنی ضروری ہے کہ لگان وصول کرنے والے الگ الگ افراد کے زمین پر مالکانہ حقوق کے استحکام کا نتیجہ یہ نہیں نکلا کہ زراعت کی خود کفیل نوعیت ختم ہو گئی یا اس کی ٹکنیکی بنیاد میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ کاشتکاروں میں املاک کی درجہ بندی نے

پیداواری مانگ کی تشکیل کو بدلے بغیر، خاصیتی اعتبار سے دستکار کی پیدا کی ہوئی اشیا کی صِرف صارفانہ مانگ کومتاثر کیا۔اس لئے گاؤں کی برادری کی ابتدائی صورتوں کوختم کرنے میں اور برادری کی خودکفیل، محصورنوعیت کے ابتدائی کٹاؤ میں زمین کی ذاتی ملکیت کے کردار پرتوجہ دیتے ہوئے کسی کو یہ نہیں چاہئے کہ خودکفیل معیشت کی بنیاد پرونما ہونے والے ان عوامل کی وسعت اور گہرائی حد سے زیادہ آنکے۔

بڑے پیمانے کی زمینداری کے نمودار ہونے سے خاص طور پر بطور خود سماجی تقسیم محنت کے موجودہ نظام میں بنیادی تبدیلیاں رائج نہیں ہوگئیں۔جب زمین کی ریاستی ملکیت اور برادریوں کی تنظیم کا غلبہ تھا تو زائداشیا زیادہ تر لگان محصول کے وسیلے سے تجارتی بنالی جاتی تھیں۔لیکن حقوق زمینداری کے استحکام کے ساتھ فاضل زراعتی پیداوار کا ایک حصہ قدرتی شکل میں خراج یا زمین کے لگان کے طور پر بڑے بڑے جاگیردار براہ راست مصرف میں لے آتے تھے۔اس کا دوسرا حصہ سامان عیش وعشرت کے تبادلے پر یا صرفے کی دوسری شکلوں پرخرچ ہوجاتا تھااور باقی جو بچتا وہ دستکاروں کے مصارف برداشت کرنے کے لئے استعمال ہوتا تھا۔اس طرح مقامی زمینداروں کے زمین کے لگان کے حصے میں اضافے سے معیشت کی خودکفالتی بنیادکوختم کرنے میں خود بخود کچھ نہیں ہوا۔اس کے ساتھ لگان کے زائد حصے نے جو مقامی زمیندار ہتھیاتے تھے اس لگان کی تقسیم اور صرفے کو اس مقام پر محدود کر دیا جہاں زمین کی زائد پیداوار حاصل ہوتی تھی اور مقامی دستکاروں اور کاریگروں سے لین دین کے لئے تبادلے کے فنڈ کی تشکیل کی گئی۔

زمین کی ملکیت کے حقوق کی تقویت کے ساتھ ساتھ نہ صرف زائد پیداوار کے حصے پر بلکہ زمین کی ضروری پیداوار پر بھی تقسیم کے برادری کے حقوق رفتہ رفتہ کم ہوگئے۔برادری کے اندر پیداوار کی تقسیم کے طریقوں پر بڑھتے ہوئے زمیندارانہ رواج کے اثر کے بارے میں دلچسپ معلومات جیمس فوربیس کی تحریر سے حاصل ہوتی ہیں جو گجراتی برادری کے بارے میں ہے:''ہر گاؤں میں کچھ خاص کھیت جو پائسیتہ اور واجیہ کہلاتے ہیں ضرورت عامہ کے لئے الگ کر دئے جاتے ہیں...ان زمینوں کی پیداوار اکثر برہمنوں، قاضیوں، دھوبیوں، لوہاروں، حجاموں اور اپاہجوں، اندھوں اور محتاجوں کے گزارے کے لئے صرف کی جاتی ہے۔کئی ورتنیوں یعنی گاؤں کی حفاظت کرنے کے لئے رکھے جانے والے ہتھیار بند لوگوں کے اخراجات بھی اسی سے پورے کئے جاتے ہیں۔''25

بقول فوربیس یہی وجہ ہے کہ گجرات کے کسانوں کو اس بات سے شدید نقصان پہنچا کہ زمینداروں نے پائسیتہ فصل پر قبضہ کرلیا جو برہمنوں اور دستکاروں کو ملتی تھی۔ 26

10 جون 1815 کی روئدادِ محصول میں جو فوربیس نے تیار کی تھی ہمیں پائسیتہ کی زیادہ وضاحت ملتی ہے کہ یہ ایسی زمینیں ہوتی ہیں جو ''ہر گاؤں کے مختلف قسم کے اہل حرفہ کے گزارے کے لئے'' مہیا کی جاتی ہیں۔ یہ زمین عبادت گاہوں کے عملے، برادری کے خدمت گاروں کے اور ضلع کی انتظامیہ کے عملے کو بھی دی جاتی تھیں۔ ضلع میں ان زمینوں کا مجموعی رقبہ 36563 بیگھے تھا، جس میں سے صرف 5190 بیگھے '' گاؤں کے اہل حرفہ مثلاً بڑھئیوں، لوہاروں کمہاروں، درزیوں، دھوبیوں، حجاموں، موچیوں اور دباغوں،، کی ملکیت تھے۔ اندازاً 14380 بیگھے زمین برادری کے خدمت گاروں (بھیلوں، جائیروں، وغیرہ) کی ملکیت تھی اور اس میں سے باقی زمین انتظامیہ کے عملے اور مندروں اور مسجدوں کے پجاریوں اور ملاؤں وغیرہ کے پاس تھی۔ یہ الفاظ دگر زمین کا یہ حصہ محصولات سے آزاد جاگیردارانہ جائداد ہوتا تھا۔ 27 صاف ظاہر ہے کہ اہل حرفہ کی ملکیت کی زمین نجی ملکیت کی زمین کے اس زمرے کا بھی نہایت قلیل حصہ تھی۔

گاؤں کی برادری کے اندر زمین کی ملکیت کے حلقے میں تبدیلیوں اور پیداوار کی تقسیم کے درمیان تعلق کا مطالعہ کرتے ہوئے زراعت اور دستکاروں کے درمیان جنس تجارت اور زر کے تعلقات کے پیمانے کے بارے میں اچانک کوئی نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہئے۔ پہلے ہندستان کے بعض سوویت ماہروں نے ہندستانی سماج میں رونما ہونے والے نئے اور ترقی پسند مظاہر پر اپنی توجہ مرکوز کی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ انہوں نے ناپختہ اور قدرے یک طرفہ نتائج اور تصورات اخذ کر لئے تھے۔ مثلاً ایک زمانے میں ان مصنفوں نے قدرے مصنوعی سادگی سے یہ کلیہ پیش کیا تھا جس کے مطابق ہندستان میں ''وہ پرانا طریقہ جس کے مطابق اہل حرفہ کو برادری بصورت جنس معاوضہ، یعنی انہیں فصل کا حصہ یا قطعہ اراضی دے کر ادا کرتی تھی، دستکار اور صارف یا گاہک کے درمیان جنس تجارت اور زر کے تعلقات کو جگہ دینے کا آغاز تھا۔'' 28

جلاہوں، دھنیوں اور تیلیوں کی علیحدگی کے باعث برادری پر ''تخریبی'' اثر کے متعلق ل_ الائیف اور و_ پاولوف نے اپنی پہلے کی تخلیقات میں جو نظریات پیش کئے ہیں ان پر پروفیسر عرفان حبیب نے

بجاطور پر تنقید کی ہے۔ پروفیسر حبیب نے بتایا کہ جب تک ان اہل حرفہ کے گاؤں والوں سے تعلقات کا تعین رسم ورواج سے ہوتا تھا اس وقت تک ٹھیک ٹھیک یہ سمجھنا مشکل ہے کہ گاؤں کی برادری کی تخریب کس طرح ہوسکتی تھی۔ 29 اس معاملے میں آج ہماری رائے اس اصول کے قریب ہے جو پروفیسر حبیب نے اپنایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ہر انفرادی معاملے میں یہ بات ٹھیک ٹھیک واضع ہونی چاہئے کہ کن رواجوں اوران کے مطابق کس قسم کے تعلقات کا حوالہ دیا جارہا ہے۔

کاشتکاری کی پیداواری ضرورتیں برادری کی جانب سے معاوضے کی بصورت جنس (زمینیں دے کراور فصل کا حصہ دے کر) ادئیگی کے روایتی نظام سے پوری کی جاتی تھیں جب کہ فرداً فرداً کاشتکاراور اس کے بال بچوں کی صارفانہ ضرورتیں وہ اہل حرفہ پوری کرتے تھے جوخودمختارانہ پیداوارکرنے والے کی حیثیت سے دوسرے پیداوارکرنے والوں (زمین والا کاشتکار) سے خودکفیل تبادلے یا جنس تجارت اورزر کے تعلقات قائم کرتے تھے۔ یہ تعلقات برادری کے دائرے سے علیحدہ قائم تھے۔اس حقیقت کا کہ اہل حرفہ اور کاشتکاروں کے درمیان برادری کے دائرے سے علیحدہ تعلقات اہل حرفہ کی بنائی ہوئی روزمرہ استعمال کی چیزوں کے سلسلے میں آلات محنت کے سلسلے میں ایسے تعلقات سے پہلے قائم ہوئے،اس طرح بھی اظہار ہوتا ہے کہ پارچہ بافی برادری کے دائرے سے مدتوں پہلے علیحدہ ہوچکی تھی۔ پارچہ بافی سب سے بڑی صنعت تھی جوصرف نجی مصرف کی چیزیں پیدا کرتی تھی۔

اہل حرفہ سے انفرادی لین دین کے ذریعہ برادری کے اراکین کی صارفانہ ضرورتوں کی تسکین کی وضاحت ہمارے خیال میں اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ ہندستان برادری مساوات پرمبنی نہیں تھی۔گاؤں کی برادری کے اندر غلامی اور نچلی ذات والوں کے درجہ محکومی کی خامی موجود ہونے سے ہی اس کے اراکین اہل حرفہ اور دستکاروں کی بنائی ہوئی چیزوں میں ان لوگوں کے حصے کی برابری کے دعوے کے حق سے محروم ہوگئے جواس کے مکمل حقوق والے اراکین تھے۔ چونکہ جائداد کی درجہ بندی گاؤں کی برابری کے پکے اراکین کے درمیان بھی موجود رہی اس لئے کاشتکاروں کی فصل میں مقررہ حصے کے ذریعے اہل حرفہ کولاشخصی معاوضہ ملنے پر درحقیقت اہل حرفہ اوران کے گاہکوں کے درمیان معینہ تعلقات میں مطابقت ختم ہونے لگی جنہوں نے اس سے ذاتی فرمائشیں کیں۔

زرعی آلات کی پیداوار کے معاملے میں صورت حال مختلف تھی۔سب سے پہلے تو گاؤں کی برادری

کے ارکین کی جائداد کے اعتبار سے درجہ بندی اور کاشتکاروں میں مالدار طبقہ ظہور میں آجانے سے زرعی آلات کی مانگ میں کوئی کیفیتی تبدیلی رونما نہیں ہوئی کیونکہ عام اراکین اور مالدار طبقے کی ملکیت کی زمینوں پر کام ایک جیسے آلات زراعت سے ہی کیا جاتا تھا۔ درحقیقت بڑے رقبے پر کاشت کے لئے زیادہ آلات کی ضرورت ہوتی تھی۔ یہی جہ ہے کہ اگر گاؤں کی برادری کے اہل حرفہ کو ہر کاشتکار سے برابر کا معاوضہ ملتا تو یہ معاوضہ آلات زراعت کی اصل انفرادی ضرورتوں کی مقدار کے مطابق نہ رہ جاتا۔ لیکن ہندستان کی دیہی برادری میں آلات سازی کا معاوضہ دینے کا ایک نظام رائج تھا جس کے بموجب یہ آلات تیار کرنے والوں کو ایک حد تک کچھ فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ فرمائشیں بڑے کاشتکار کی پوری کرتے تھے یا چھوٹے کاشتکار کی کیونکہ ان کو اجرت یا تو کھیت کے رقبے کے مطابق ملتی تھی یا آلات زراعت کی تعداد کے مطابق۔

پی-این- گوڈائن کی ایک رپورٹ سے جس پر 10 اکتوبر 1845 کی تاریخ درج ہے، اندازہ ہوتا ہے کہ یہ نظام کس طرح بروئے عمل آتا تھا۔ اس رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ گاؤں کے اہل حرفہ اور خدمت گار تین اولیوں (یا مسلمانوں کی اصطلاح، خاصوں) میں معاوضے کی مقدار کے اعتبار سے تقسیم تھے۔ پہلا گروہ ستار (بڑھئی)، لوہار اور چمار پر مشتمل ہوتا تھا۔ دوسرے میں کمہار شامل تھا۔ پہلے گروہ کے لوگوں کو مزروعہ زمین کی ایک اکائی سے پیداوار کی 30 اکائیوں کا معاوضہ ملتا تھا۔ دوسرے گروہ کے لوگوں کو 25 اکائیوں کی بنیاد پر اور تیسرے گروہ کے لوگوں کو 20 اکائیوں کی بنیاد پر۔ یہ مقدار ''دوسرے فریق (یعنی اہل حرفہ یا گاؤں کی برادری کے خدمت گار_ مصنف) کی درخواست پر کاشتکار کے کھلیان سے پٹیل دیتا تھا۔''30

پی-این- گوڈائن نے فرداً فرداً اہل حرفہ کے فرائض اور حقوق معاوضہ کی مندرجہ ذیل تفصیل بیان کی ہے:

''ستار_ بڑھئی اہل حرفہ کا سردار ہوتا ہے، اس کی خدمات سب سے زیادہ درکار ہوتی ہیں: کھیتی باڑی کے کام کے لئے وہ تمام چوبی آلات بناتا اور ان کی مرمت کرتا ہے، سامان مالک مہیا کرتا ہے۔ لیکن کسی اور کام کی جیسے مکان بنانے یا زرعی کام کے علاوہ استعمال ہونے والی گاڑی بنانے کی اسے اجرت دی جاتی ہے۔ اوسطاً اسے فی پائین 6 پائیاں معاوضہ ملتا ہے۔

''لوہار_ آلات زراعت کے لئے لوہے کی چیزیں بناتا اوران کی مرمت کرتا ہے، سامان مالک مہیا کرتا ہے۔لیکن ان چیزوں کے علاوہ دوسری چیزیں مثلاً زراعت کے علاوہ کام آنے والی گاڑیاں وغیرہ بنانے کی اس کو علیحدہ اجرت دی جاتی ہے۔اجرت فی پائین ساڑے پانچ پائیلیاں۔

''چمار_ چمار کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ زرعت میں استعمال ہونے والے چمڑے کے تمام فیتے، چابک، رسے اور پٹے بنائے، چمڑا مالک فراہم کرے۔لیکن مرمت کے سارے کام کے لئے چمڑا اسی کو فراہم کرنا ہوگا۔لیکن اسے ضلع کے دیش مکھ اور دیش پانڈے کو اور گاؤں کے پٹیل اور کلکرنی کو سال میں جوتے کا ایک نیا جوڑا مفت دینا پڑے گا۔اس کی اوسط اجرت فی پائین ساڑے پانچ پائیلیاں (ایک پائین میں تیس بیگھے ہوتے تھے یعنی کوئی چار ہیکٹر ___ مصنف)۔

''گاؤں کے یہ تین خاص دستکار ہوتے ہیں اورانہیں دوسروں کی بہ نسبت کئی رعائتیں حاصل ہوتی ہیں ان میں ایک اس کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ اسے ہر کاشتکار کے کھیت میں زمین کی ایک پٹی پر بونے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ ہر پٹی چار ہلائیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔دستکاروں میں سے ہر ایک اناج کی اپنی اپنی ٹوکری لے کر پہنچاتا، کاشتکار زمین جوتتا اور بوتا ہے اور فصل تیار ہونے پر اناج کاٹ لاتا ہے۔''31

ہمارا اندازہ یہ ہے کہ حقداروں کو فصل کا سات آٹھ فیصدی حصہ مل جاتا تھا جب کہ دستکاروں کو پیداوار سے متعلق کاشتکاروں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے سلسلے میں اپنی خدمات کا معاوضہ کل زمین کی پیداوار کی کوئی 3 فیصدی کے برابر ملتا تھا۔ یہ تھے وہ اخراجات جو ہندستانی کاشتکار کو اپنے آلات پیداوار بنوانے کے لئے برداشت کرنے پڑتے تھے۔اہل حرفہ کے لئے برادری کی طرف سے معاوضہ فراہم کرنے کا نظام ان کی مختصر ضرورتیں پوری کر دیتا تھا اور انیسویں صدی کے وسط میں شہری اہل حرفہ کی بہ نسبت ان کی حیثیت میں زیادہ استحکام کی ضمانت دیتا تھا۔اس کے علاوہ گاؤں کی سرحدیں گاؤں کی برادری کے اہل حرفہ کو ابھی برطانیہ کی مشینی صنعت کی اشیاء کے درآنے سے محفوظ رکھتی تھیں۔

روزمرہ استعمال کی چیزوں کی مانگ گاہکوں کے بدلتے ہوئے ذوق اور امکانات سے مرتب ہوتی تھی۔اس مانگ کی تفصیل کا اندازہ کنبی ذات کے ایک مالدار مرہٹہ کسان کے گھر کے سامان اور چھوٹی موٹی چیزوں کی سیدھی سادی فہرست سے ہوسکتا ہے۔ یہ فہرست ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک ملازم کوٹس نے مرتب کی تھی اور اس پر 1819 کی تاریخ درج ہے۔اس میں ایک چکی، دہ چوبی کولہو، جن کے سروں پر

لوہے کی پتیاں جڑی ہوئی تھیں، تانبے کا ایک بڑا کلسہ ، پانی پینے کی تانبے کی دو یا تین کٹوریاں، تانبے کی دو یا تین تھالیاں اور گھر کا دوسرا سامان۔

ان برتنوں اور گھر کی چھوٹی موٹی چیزوں کی مجموعی قیمت مہاراشٹر میں بھی آلات زراعت کے ایک جوڑ کی قیمت سے زیادہ تھی جہاں یہ آلات مثلاً بنگال کی بہ نسبت بناوٹ میں زیادہ پر پیچ اور مہنگے ہوتے تھے۔لیکن آلات زراعت کے مقابلے میں برتنوں اور گھر کی چھوٹی موٹی چیزوں کو مرمت کی ضرورت نہیں ہوتی تھی اور ان کو قابل استعمال رکھنے کے لئے اہل حرفہ کی خدمات کم درکار ہوتی تھیں۔

کسان کنبے کی زائد پیداوار جو زمیندار اپنے پاس رکھ لیتا تھا، قلیل استثنا کے ساتھ اناشیا اور مصنوعات میں تبدیل کر لی جاتی تھی جو خود زمیندار، ان کے ملازم اور خدمت گار اور ملک کے دو بڑے مذہبوں کے پجاری اور امام مصرف میں لے آتے تھے۔لگان پانے والوں اور ان کے گاہکوں کی صارفانہ خواہشات، اور صرف کی جانے والی اشیا کی کیفیت تصرف شدہ ذرائع کی مقدار کے مطابق بدلتی رہتی تھیں۔اس طرح معمولی ضرورتیں مقامی اہل حرفہ پوری کر دیتے تھے۔اور اعلی ذوق درآمد شدہ مال سے پورے کئے جاتے تھے۔لیکن دونوں صورتوں میں زیادہ تر مانگ صارفانہ نوعیت کی ہوتی تھی اور آلات پیداوار کی شکل میں لگان کی استعمال کا دائرہ محدود ہوتا تھا۔

گرانٹ کے پیش کئے ہوئے تخمینے (ایک بیگھا زمین کی پیداوار کی قیمت چھ روپے) کی بنیاد پر پتہ چلتا ہے کہ بنگال میں ''بڑی رعیت'' کے پاس زمین کے محصول ادا کرنے کے بعد 600 روپے تک بچ رہتے تھے جب کہ چھوٹی رعیت کے پاس تقریباً 50 روپے ۔جاگیرداری کے زمانے میں اور برطانوی راج قائم ہونے کے بعد بھی دیہی امرا محصولوں کا ایک بڑا حصہ دینے سے بچ جاتے تھے اور ان کی مجموعی آمدنی آدھی فصل سے بھی زیادہ کے برابر ہوتی تھی۔اس لئے ان مالکان زمین اور دیہات کے اہل حرفہ کے درمیان تعلقات تبادلے پر مبنی نہیں ہو سکتے تھے جیسے کہ خود مختارانہ پیداوار حاصل کرنے والوں کے درمیان ہوتے ہیں۔بنگال میں ذات پات کی تابعداری نہ صرف گاؤں کی برادری کے ملازموں کو بلکہ لوہار جیسے معزز اہل حرفہ کو بھی مقسوم تھی۔

جہاں تک نیچے کے درجے کی رعیت کا تعلق ہے ان کی آمدنی محصولوں اور پیداوار کے اخراجات گھٹانے کے بعد اتنی ہوتی تھی کہ وہ (دیگر ذرائع سے کچھ حاصل کر کے) تین چار روپے ماہوار پر اپنے

کنبوں کا معیار زندگی برقرار رکھ سکیں۔ یہ معیار اوسط آدمی والے محنت کش ہندستانیوں کی عام سطح کے برابر ہوتا تھا۔ آمدنی کی اس سطح پر ظاہر ہے کہ نہ تو زمین کے رقبے میں اضافے کی بات سوچی جاسکتی تھی، نہ گھر بار بڑھانے کی۔ چھوٹی رعیت کو اپنے آلات زراعت اور کھیتی باڑی کے مویشی درست حالت میں رکھنے میں دقت کا سامنا ہوتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ مالدار رعیت اپنے آلات اور کھیتی باڑی کے مویشی ادھار دے دیتی تھی اور اس کے بدلے میں خود اپنے گھر بار کا کام ان سے کراتی تھی۔

فرض کیا جاسکتا ہے کہ بنگال اور بہار کے دیہی مالکان زمین کی گہری درجہ بندی سے برادری کے وہ باہمی تعلقات رفتہ رفتہ ختم ہوگئے جو کاشتکاروں اور ان کی ضرورت کے آلات زراعت تیار کرنے والے اہل حرفہ کے درمیان موجود تھے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ زیادہ وسیع وضع کے ان کے درمیان روایتی براہ راست مبادلے کا بعض علاقوں میں رواج باقی رہ گیا تھا۔

بحیثیت مجموعی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بنگال میں اور کافی بڑی حد تک بہار میں (بہر حال انیسویں صدی کے آغاز تک اور ممکن ہے اس سے پہلے ہی) گاؤں کی برادری کاشتکاروں اور اہل حرفہ کے درمیان مبادلے کے تعلقات میں باقاعدگی پیدا کرنے کے وسیلے کی حیثیت سے اپنے فرائض سے محروم ہوچکی تھی اور اس نے زیادہ تر مالیاتی ادارے کی حیثیت اختیار کرلی تھی۔ ان علاقوں میں جہاں اس قسم کے تعلقات برقرار تھے وہاں وہ کاشتکار اور اس کے آلات پیدا کرنے والے کے باہمی تعلقات پر مبنی تھے یعنی ان تعلقات پر جو دیہی انتظامیہ کے کسی طرح تابع نہیں تھے۔ زراعت میں مستحکم درجہ بندی کے حاوی ہونے کی حالت میں ان تعلقات کی خالص انفرادی نوعیت نے اہل حرفہ کو معاوضہ دینے میں مساوات کو، جو فصل میں حصے پر مبنی تھی، لازمی طور پر الٹ پلٹ کر دیا اور الگ الگ فرمائشوں کے نظام کی جانب عبور میں سہولت کر دی جہاں اجرت کام کی مقدار اور پیچیدگی پر مبنی تھی۔ اس کے ساتھ ہی ایسا لگتا ہے اگر کوئی وادی گنگا میں شمال مغرب کی طرف سفر کرے تو کاشتکاروں اور اہل حرفہ کے درمیان روایتی تعلقات کو بڑی حد تک جوں کو توں پائے گا۔ مغربی بہار کے شاہ آباد ضلع میں فرانسس بیوکینین کے قول کے بموجب ''فصل کاٹنے والے کو، بڑھئی، لوہار، موچی، گاؤں کے برہمن اور اناج تولنے والے کو فصل کی تقسیم کے اناج سے اجرت دی جاتی تھی۔ فصل کی مقدار کا تصفیہ جائزے سے کیا جاتا تھا اور اس میں سے مذکورہ بالا حصوں کی منہائی کے بعد زمیندار کا حصہ عموماً کا حصہ عموماً بصورت جنس ادا کر دیا جاتا تھا لیکن بعض اوقات نقد بھی ادا

کیا جاتا تھا۔'' 32 روایتی منہائیوں کے تحت مالکان زمین اور لگان کی وصولی کرنے والوں کے درمیان پوری فصل نہیں بلکہ اس کا وہ حصہ جو منہائیوں کے بعد بچ رہتا تھا موزوں تناسب میں تقسیم کرلیا جاتا تھا۔

تو اس طرح گاؤں کی برادری یا کسی اور دیہی کے اندر محنت کی تقسیم ہندستان میں سماجی تقسیم محنت کی بنیاد تھی۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ جب سرمایہ داری کی ابتدا کے لوازمات کا کوئی تجزیہ کرتا ہے تو دیہی پیداوار کے اس حصے کی نقل وحرکت اور تبدیلی پر توجہ دینی چاہئے جو شہر کو بھیج دیا جاتا تھا۔ اس مسئلے پر اپنے مطالعے میں پروفیسر عرفان حبیب نے دو امکانی صورتوں کا ذکر کیا ہے۔ پہلی تو یہ کہ جو فاضل پیداوار کاشتکاری سے لے لی جاتی تھی وہ زمین کی پیداوار کے اس حصے کے برابر ہوتی تھی جو دیہات میں رہ جاتا تھا۔ اس مفروضے کی بنیاد پر زرعی اور غیر زرعی حلقوں میں مصروف عمل آبادی کا تناسب زمین کی فاضل (یا زیادہ درست یہ ہوگا کہ حاصل کی ہوئی) اور گزارے کی پیداوار میں تقسیم کے قریب قریب برابر تھا۔ اس صورت میں غیر زرعی حلقے میں آبادی کی اکثریت ان افراد پر مشتمل ہوگی جو غیر پیداواری محنت میں مصروف تھے۔ 33

دوسری امکانی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ فاضل پیداوار بڑی حد تک ''منڈی کی فصلوں'' پر مشتمل تھی جن سے مزروعہ رقبے کی فی اکائی پر نسبتاً زیادہ آمدنی ہوتی تھی۔ اس صورت میں غیر زرعی حلقوں کی آبادی کا حصہ حاصل شدہ فاضل پیداوار کے متعلقہ حصے سے کم تھا۔ لیکن اس آبادی میں اہل حرفہ کی تعداد زیادہ تھی جب کہ غیر زرعی حلقے کی آبادی بڑی حد تک شہروں میں مجتمع تھی۔ پروفیسر حبیب کے خیال کے بموجب اس دوسری صورت میں سرمایہ داری کے آغاز کے بعض لوازمات پیدا ہوتے نظر آتے ہیں۔ یہ ایسی چیز ہے جو شہروں میں غیر زرعی حلقے کی محنت انسانی کے کم از کم ارتکاز کے بغیر ممکن نہ ہوتی 34 (موخرالذکر دعویٰ مشکوک معلوم ہوتا ہے کیونکہ ابتدائی زمانے کے سرمایہ دار اپنی صنعتی اکائیاں دیہی علاقوں میں ہی قائم کرنے کو ترجیح دیا کرتے تھے)۔

پروفیسر حبیب کے تخمینوں کی بنیاد پر سادہ حساب لگانے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ راستہ بالکل ٹھیک ہے۔ درحقیقت پتہ یہ چلتا ہے کہ پہلی امکانی صورت میں شہری آبادی اپنی سماجی اور پیشہ ورانہ ترکیب کے خاصیتی بگاڑ کے نتیجے ہی میں بڑھی جب کہ دوسری امکانی صورت میں شہری آبادی قطعی اور نسبتی ہر دو اعتبار سے کم ہونے لگی، لیکن اس کے ساتھ ہی ___ اور یہ بہت اہم بات ہے _ آبادی کے اس حلقے کے اندر

پیداواری عنصر کے حق میں خاصیتی تبدیلی رونما ہوگی۔

آگے چل کر پروفیسر حبیب نے تسلیم کیا ہے کہ ان دونوں صورتوں میں سے کسی کی بھی ہندستانی تواریخی حقیقت کی حیثیت سے تصدیق کرنے کے لئے ان کے پاس اعداد و شمار خاصی بڑی تعداد میں موجود نہیں ہیں اور اس مسئلے پر وہ بالواسطہ طریقے سے غور کرتے ہیں یعنی فاضل پیداوار (مثلاً لگان) کی اس کے صارفوں میں تقسیم کی نوعیت کا مطالعہ کرتے ہیں۔ پروفیسر حبیب یاد دلاتے ہیں کہ دیہی معیشت کا (دیہی اور مقامی لگان وصول کرنے والوں کے حق میں منہائیاں کرنے کے بعد) زرعی پیداوار کا چوتھائی سے آدھے تک حصہ کم تعداد حکمراں اعلیٰ حلقوں کے پاس جا کر ضائع ہو جاتا تھا۔ 1647 میں کل آٹھ ہزار منصبداروں میں سے محض 445 نے مغل ریاست کی کل آمدنی میں سے 61.5 فیصدی ہتھیالی تھی (برسبیل تذکرہ بھی واضح کر دینا چاہئے کہ اس میں خاندان مغلیہ کی ملکیت کی زمینوں سے ہونی والی آمدنی شامل نہیں ہے)۔

پروفیسر حبیب کے اندازے کے مطابق سب سے بڑے منصبداروں کی دو تہائی آمدنیاں مسلح فوجوں پر، خاص طور سے سواروں کی فوج پر خرچ کی جاتی تھیں۔ پروفیسر حبیب کا اندازہ ہے کہ مغلیہ ہندستان میں مسلح فوجوں پر ہونے والے اخراجات مجموعی طور پر نہ صرف خود فوج کے سپاہیوں، ان کے بال بچوں اور ملازموں کی بلکہ تاجروں اور اہل حرفہ کی روزی بھی فراہم کرتے تھے۔ ان سب لوگوں کی مجموعی تعداد تقریباً 50 لاکھ تک پہنچتی تھی۔ مثلاً فولاد اور اسلحات (کم از کم 25 ہزار توپوں) کی پیداوار بہت سے دستکاروں اہل حرفہ کو روزی مہیا کرتی تھی۔ زیر غور دو تہائی کے علاوہ مجموعی آمدنی کا مزید چوتھا حصہ امرا اپنے ذاتی مصارف پر خرچ کرتے تھے اور کوئی دسواں حصہ پجاریوں، ملاؤں، عالموں، طبیبوں، شاعروں، مصوروں، موسیقاروں اور رقص و سرود کے طائفوں کے گزارے کے لئے صرف کیا جاتا تھا۔

غیر پیداواری قوت محنت اور دستکاریوں کے اخراجات پورے کرنے کے لئے زمینی محصول کا جو حصہ صرف کیا جاتا تھا اس کی مقدار پر اپنی بحث ختم کرتے ہوئے پروفیسر حبیب تسلیم کرتے ہیں کہ ان کے پاس کافی معلومات نہیں ہیں کہ وہ دونوں میں سے کسی ایک امکانی صورت کے حق میں کوئی قطعی نتیجہ اخذ کر سکیں۔ ان کا خیال ہے کہ تقسیم کی دونوں امکانی صورتیں خاصی عام رہی ہوں گی۔ انہوں نے یہ بھی فرض کر لیا ہے کہ اگرچہ ہندستانی سماج میں تقسیم کی پہلی امکانی صورت نے مستحکم مقام حاصل کر لیا تھا مگر کسی حد تک

وہ دوسری امکانی صورت کے پہلو بہ پہلو باقی رہی ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ مجموعی آبادی میں شہر کے لوگ پانچویں حصے سے کچھ کم تھے، تہائی یا چوتھائی نہیں (یہ اس صورت میں ہوتا جب کہ وصول کی ہوئی اور محفوظ کی ہوئی پیداوار کی تشکیلیں برابر کی ہوتیں۔35

زمین کی فاضل پیداوار کی ازسرنو تقسیم کی اور اس کی تشکیل کی جانب، نہایت عمومی طور پر، پروفیسر حبیب کا اختیار کیا ہوا راستہ کافی نتیجہ خیز اور بنیادی طور پر درست معلوم ہوا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی پروفیسر حبیب کے نظریے کے مطابق پیداوار ضبط کرنے اور بعد میں اس کی ازسرنو تقسیم کے وسائل محصول حاصل کرنے کے وسیلے اور اسے منتقل کرنے کے سلسلوں اور شہری پیداوار حاصل کرنے والوں اور صارفوں میں ان کے شاخ در شاخ تقسیم تک ہی محدود ہیں۔ حقیقت میں زمین کی وصول کی ہوئی پیداوار کی تقسیم کے سلسلے کی آگے چل کر جو تشکیل ہوئی اس نے کہیں زیادہ پیچیدہ راستہ اختیار کیا۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ کچے مال کا غیر غذائی حصہ بہت سے علاقوں میں پیدا ہی نہیں ہوتا تھا (مثلاً مغربی مہاراشٹر اور بنگال میں کپاس کی مقامی پیداوار نہایت ہی قلیل تھی)۔ اس کے علاوہ فصل کی تقسیم کی جتنی بھی تفصیلات کا علم ہے وہ اناج کی فصل کے حصے لگانے کے قصے تک محدود ہیں۔ ان میں کسی صنعتی فصل کا ذکر نہیں ہے (جو صرف انتہائی موافق حالات میں کسان کنبوں کی بنیادی پیداوار ہو سکتی تھی)۔

اس لئے یہ فرض کر لینا معقول معلوم ہوتا ہے کہ صنعتی خام اشیاً اور ایسی اشیائے خوردنی جو اناج کی نہیں ہوتیں مثلاً دودھ دہی وغیرہ اور شکر کی قسم کی چیزیں شہروں کو منڈی کے ذریعے مہیا ہوتی تھیں۔ یہ اور بات ہے کہ کسان اپنی زمین کا محصول ادا کرنے کے لئے یہ چیزیں فروخت کر سکتا تھا۔ لیکن اس صورت میں سوداگری سرمایہ ابتدائی مرحلوں ہی میں زرعی پیداوار کی ازسرنو تقسیم میں حصہ لیتا تھا۔ آخر میں یہ کہ شہری دستکار اور اہل حرفہ صرف زرعی پیداوار سے ہی سامان تیار نہیں کرتے تھے بلکہ دھاتوں، جواہرات، لکڑی، مٹی اور دوسرے غیر زرعی خام مال اور نیم تیار شدہ مال سے بھی چیزیں تیار کرتے تھے۔

اس خام مال کو اس جگہ پہنچانے میں جہاں اس سے چیزیں تیار کی جاتی تھیں سوداگری سرمائے کے برسرکار آنے کی ضرورت درپیش ہوتی تھی اور زمین کی فاضل پیداوار کو نئی چیزوں میں تبدیل کرنے کا عمل یہاں زیادہ پر پیچ اور بالواسطہ نوعیت کا ہو گیا تھا۔

جاگیردارانہ ہندستان میں سوداگری اور مہاجنی سرمایہ

سوداگری اور مہاجنی سرمائے کی تشکیل وترکیب اور وظائف کا تعین سماجی تقسیم محنت کی نوعیت اور پیمانے سے، پیداوار اور تصرف کے انفرادی حلقوں کے درمیان رشتوں سے اور فاضل پیداوار کی وصولی اور از سرنو تقسیم کے طریقوں نیز تجدید پیداوار کے عوامل کی خصوصیات سے ہوتا تھا۔ ہندستانی جاگیردارانہ سماج میں ذاتوں اور مذہبی برادری کے نظام نے اس سرمائے کی سماجی تنظیم اور ذاتی ملکیت پر گہرا اثر چھوڑا۔

بحیثیت مجموعی سوداگری اور مہاجنی سرمایہ مکمل وظائفی نظام پر مشتمل تھا جو سماجی اعتبار سے مناسب سمت میں جنس تجارت اور زر کی نقل وحرکت میں باقاعدگی پیدا کرتا تھا۔

سوداگری اور مہاجنی سرمائے کے وظائفی نظام کا عکس بحیثیت مجموعی ہندستانی سوداگری سرمائے کی تنظیمی تشکیل وترتیب میں اور بڑی ذاتوں اور برادریوں کے نظام مراتب کی ساخت میں نظر آتا ہے۔ مختلف حیثیت کے تاجروں کے اتحاد اور باہم کاروبار نے علاقہ صغیر میں بنیادی ڈھانچہ فراہم کیا اور ان دونوں کو مخصوص ذات یا تاجروں کی برادری کے نمائندے عملی جامہ پہنا سکتے تھے۔ سوداگری سرمائے کے کاروبار کا خطہ جتنا بڑا ہوتا تھا اتنا ہی زیادہ لازم ہو جاتا تھا کہ پورے حلقے میں مختلف ذاتیں اور برادریاں شامل ہو جائیں۔36

جاگیرداری کے زمانے میں گجرات، مارواڑ اور دوسرے خطوں میں تجارت پیشہ اور روپے کا لین دین کرنے والی ذات کے لوگ جاگیرداورں کی خدمت انجام دیتے تھے۔ وہ پٹے داروں کی حیثیت سے کام کرتے تھے (خاص طور سے زمین کا محصول)، جاگیرداروں کے لئے سامان فراہم کرتے، انہیں قرض دیتے، فوج کو رسد مہیا کرتے اور روپے کا بدل کرتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ کسانوں اور اہل حرفہ میں سود پر قرض دیتے، بیوپار کرتے اور پیداوار کے تبادلے میں بچولئے کی خدمت انجام دیتے تھے۔ ایک طرف مارواڑی اور گجراتی تاجروں اور مہاجنوں اور دوسری جاگیرداروں کے مابین قریبی تعلقات کا سب سے بڑا سبب تاجر پیشہ اور روپے کا لین دین کرنے والی ذاتوں کے اس اہم رول کو قرار دیا جاسکتا ہے جو وہ جاگیرداروں کی زمینوں کا محصول وصول کرنے میں ادا کرتے تھے۔ یہ مغل ہندستان میں یعنی کسانوں کے جاگیردارانہ استحصال کے نظام میں براہ راست پیدا کرنے والوں سے فاضل پیداوار حاصل کرنے کی

بنیادی شکل تھی۔

پروفیسر عرفان حبیب کی بحث یہ ہے کہ سوداگر کی تجارت کی خاص چیز اناج ہوتا تھا کیونکہ سلطنت مغلیہ میں زرعی استحصال اناج اور دوسری زرعی اشیا کو دیہات سے شہروں میں بڑی مقدار میں لے جانے پر مشتمل ہوتا تھا۔ انہوں نے واضح کیا ہے کہ کسان اپنا اناج چاہے اپنے گاؤں میں فروخت کرتا، چاہے قریب ترین مقام کے میلے میں یا چاہے شہر کی منڈی میں، عموماً سوداگر اس عمل میں حصہ لیتا تھا۔ 37 اس لئے زرعی پیداوار کی فروخت میں سوداگری سرمائے کی شرکت اہل حرفہ کی تیار کی ہوئی چیزوں کی فروخت کی بہ نسبت زیادہ شدید ہوتی تھی کیونکہ بیشتر صورتوں میں اہل حرفہ صارفوں کی براہ راست فرمائش پر کام کرتے تھے۔

جنس کی صورت میں کسانوں کی ادائیگیوں کو نقد محصول میں بدلنا مہاجنوں کا وسیع معمول تھا اور اس کا عام رواج تھا حالانکہ محصول میں دی جانے والی فاضل پیداوار کو نقدی میں تبدیل کرنے کا کام مندرجہ ذیل تین افراد سے کوئی بھی کرسکتا تھا___ رعیت (محصول ادا کرنے والا)، پٹیل (گاؤں کا بزرگ) یا ساہوکار (روپیہ ادھار دینے کا کاروبار کرنے والا)۔ لیکن یہ حقیقت کہ اناج رکھ کر ساہوکار پٹیلوں کو قرض دیتے تھے اور یہ کہ ساہوکار اناج کی سٹے بازی کرتے تھے، واضح کرتی ہے کہ کسی خاص مرحلے میں اناج کا بیشتر حصہ (جو خاص زرعی پیداوار کی حیثیت رکھتا تھا) آخر میں مہاجنوں ہی کے ہاتھوں میں پہنچ جاتا تھا۔ آخری بات یہ کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرضوں کی عدم ادائیگی کی صورت میں رعیت کی زمین پر قبضہ کرنے کا کام زیادہ تر یا یہاں تک کہ صرف پٹیل ہی انجام دیا کرتے تھے۔ زمین کی ملکیت کے روایتی ذات پات کے اصول ساہوکار کو اس فعل سے باز رکھتے تھے۔

محصول جمع کرنے میں، حکمرانوں کو روپیہ پیسہ فراہم کرنے میں، فوج کو رسد مہیا کرنے میں اور تجارت میں ساہوکاری کرنے والی اور تجارت کرنے والی ذاتیں بڑا حصہ ادا کرتی تھیں۔ ان سب باتوں اس کے ساتھ ہی ان ذات پاتوں کے لوگوں کی انفرادی کاروباری فہم وفراست نے حکومت میں خاص طور پر محصولات کے شعبے میں ان کے گھس آنے میں سہولت پیدا کر دی۔ اٹھارویں صدی کے شروع ہوتے ہوتے بڑے بڑے تاجروں اور مہاجنوں نے خاص طور پر بڑا اثر ورسوخ حاصل کرلیا تھا جب کہ سلطنت مغلیہ کی مالیاتی سرگرمیوں پر انہوں پورا اختیار حاصل کرلیا تھا۔

پیشوا ریاست میں بھی، اس کے وجود کے کم از کم آخری دور میں تو ضرور ہی، رعیت کے ادا کئے ہوئے جنس کے محصولوں کو مہاجنوں کا نقد محصول میں تبدیل کرنے کا رواج بہت ہی عام ہو گیا تھا۔ برطانیہ کے شاہی افسروں نے مہاراشٹر فتح کرنے کے فوراً ہی بعد (1821 میں) جو مطالعہ کیا تھا اس کے مطابق کہا جاتا ہے کہ ''نقد لگان جب ادا کیا جاتا ہے تو وہ اناج کی صورت میں لگان پر مبنی ہوتا ہے۔ اور تبادلہ بازار کے بھاؤ کے ساتویں حصے کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔''38 اس طرح مہاجن کا منافع اتنا زیادہ ہوتا تھا کہ اسے مالدار بننے کے کافی مواقع فراہم تھے۔ لیکن وہ وہیں نہ رکا۔ وہ ''عام طور پر ضلع معاملت دار یا پٹے دار سے کسی نہ کسی طرح تعلق قائم کر لیتا تھا اور اس کے پاس موخر الذکر کے مطالبات کی تسکین کے بعد ہمیشہ ایسے ذرائع ہوتے تھے کہ کاشتکار کو زیادہ سے زیادہ امکانی حد تک ادا کرنے کے لئے مجبور کر سکے۔ بہت سی صورتوں میں مہاجن براہ راست معاملت دار کے ہاتھ میں نقد رقم دے دیتا تھا اور کاشتکار سے پچاس فیصدی سے لے کر سو فیصدی تک کے اقرار نامے لے لیتا تھا کہ نئی فصل سے بصورت جنس ادا کر دے گا۔ نقد لین دین سے متعلق رعیت کے معاملات عموماً یہ مہاجن اپنے ہاتھ میں لے لیتے تھے، اناج کی قیمت قائم رکھتے تھے۔ بارہا ایسا ہوتا تھا کہ سال کے آخر میں رعیت کو وہی اناج جو اس نے ساھوکار کو پچھلے سال کا بقایا ختم کرنے کے لئے کم داموں پر دے دیا تھا واپس بڑھے ہوئے داموں پر مل جاتا تھا۔''39 مہاراشٹر کی رعیت کی بھاری قرضداری کی دیگر مثالیں بھی ہیں جو ''نائب پٹے داروں کے تشدد'' سے نمایاں ہوتی ہیں۔ پرانا قرض سود در سود کے حساب سے جمع ہوتے ہوتے یہاں تک پہنچ جاتا کہ اسے ادا کرنا رعیت کے بس کی بات نہیں رہتی تھی۔40

ممکن ہے کہ انگریز افسروں نے خود اپنے محصولاتی نظام کو نسبتاً ہلکا ظاہر کرنے کے لئے جان بوجھ کر تصویر کا تاریک رخ پیش کیا ہو۔ لیکن ایک بات یقینی ہے مہاراشٹر میں نقد محصول جمع کرنے کا کام اس طرح جاری کیا گیا کہ کاشتکاروں کی معیشت کے اندر، جو سوداگری اور مہاجنی سرمائے سے براہ راست اور آزاد تعلقات سے علیحدہ تھی، تجدید پیداوار کی خود کفالتی علیحدگی میں کوئی فرق نہ آئے۔ معمول یہ تھا کہ رعیت اپنا واجب الادا محصول ادا کرنے کا اقرار نامہ اپنے مہاجن کو دے دیتی۔ پھر مہاجن پٹیل کو نقد محصول ادا کر دیتا۔ پھر موخر الذکر ان محصولوں کو ضلع کے مالیاتی دفاتر میں داخل کر دیتا تھا اور اپنی باری میں دستخط شدہ اقرار نامہ (حوالہ) کسی بڑے مہاجن کے ہاں داخل کر دیتا جو پھر نقد محصول ادا کر دیتا۔ اس طریقے کا اتنا

رواج تھا کہ صرف 25 فیصدی محصول رعیت نقد ادا کرتی تھی۔ منڈی میں محصولات ادا کرنے کے لئے اناج کی فروخت کا مطالبہ تھا کہ مہاراشٹر میں بھی عمودی قرض تجارت کا نظام قائم ہو۔ نقد محصول یا تو پونا کے بینکوں میں بذریعہ ہنڈی منتقل کر دیا جاتا یا نقد کی شکل میں ادا کیا جاتا تھا۔

ہندستان میں سترہویں اور اٹھارویں صدیوں میں سوداگری اور مہاجنی سرمائے کے پاس جمع کی ہوئی بڑی رقمیں موجود تھیں جو کسانوں کے جاگیردارانہ استحصال اور دستکاروں پر جور وستم سے اکٹھی ہوئی تھیں۔ لیکن سرمائے کی اگلی، اعلیٰ تر شکل کی نمو میں جو بعد میں نمودار ہوئی، اس زمانے میں موجود ریاستی ساخت کی نوعیت نے بڑی رکاوٹ ڈالی، کیونکہ مشرقی مطلق العنانیت اور سرمایہ دارانہ نظام کا آپس میں کوئی میل نہیں تھا۔ اس بات کی ضمانت نہیں تھی کہ وصول شدہ قدر زائد پر صوبہ داروں اور پاشاؤں کی دست درازیاں نہیں ہوں گی۔ اور بورژوا ملکیت کی یہ اولین اور بنیادی شرط ہی پوری نہیں ہوتی تھی کہ سوداگر اور اس کا مال ومتاع محفوظ نہیں تھے۔ جاگیرداروں سے سوداگر کی املاک کو متواتر خطرہ رہنے سے نہ صرف سرمایہ جمع ہونے کی رفتار سست پڑ گئی بلکہ سب سے اہم بات یہ کہ سرمایہ نقدی کی شکل سے پیداواری شکل یعنی ذرائع پیداوار کی شکل میں تبدیل نہیں ہوا۔

لیکن برطانوی راج شروع ہونے سے فوراً قبل ہندستانی سوداگر کے قانونی اور حقیقی رتبے کے متعلق غیر امتیازی رویہ اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ اس نہایت سادہ سا سبب یہ ہے کہ الگ الگ ریاستوں میں یہ رتبہ مختلف تھا اور ایک ہی ریاست کے اندر حکمرانوں کی ضروریات اور مزاج کے مطابق وقت کے اعتبار سے یہ بھی مختلف ہوتا تھا۔ یہ واضح ہے کہ سکھ اور مرہٹہ ریاستیں جو سلطنت مغلیہ کے کھنڈروں پر تعمیر ہوئی تھیں مقامی سوداگروں اور اہل حرفہ کی ہر طرح ہمت افزائی کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔

جاگیردارانہ لگان کی شکل میں ہندستانی حکمرانی کے پاس ڈھیروں فاضل پیداوار جمع ہو جانے کو سرمایہ دارانہ جمع کے مترادف تصور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ سب جاگیردارانہ تعلقات کی فرسودہ نوعیت کو ثبوت فراہم کرتا ہے۔ دیکھا جائے تو سوداگری سرمایہ اور جاگیرداروں کی جمع کی ہوئی دولت آپس میں اس وقت تک اصل میں نہیں ملے جب تک کہ جاگیرداری اپنی اگلی منزل میں نہیں پہنچ گئی جب جاگیرداری کا شیرازہ منتشر ہونا شروع ہو گیا اور جب سوداگر اور جاگیردار دونوں ہی کھنچ کر سرمایہ دارانہ پیداوار کے چکر میں آ گئے۔ برطانوی راج قائم ہونے سے پہلے ہندستان میں یہ عمل ایک نادر مظہر تھا۔

بے برادری اہل حرفہ اور دستکار اور جاگیردارانہ ہندستان میں سماجی تقسیم محنت اہل حرفہ کی پیداوار کی درجہ بندی

دیہی اور شہری زمروں میں اہل حرفہ کی تقسیم جس سے جاگیردارانہ سماج کی نشاندہی ہوتی ہے، ہندستان کے حقیقی حالات پر پوری طرح صادق نہیں آتی۔ جیسا کہ ہم پہلے دکھا چکے ہیں، زراعت پیشہ آبادی سے اور سب سے پہلے مالکان زمین سے دیہی اہل حرفہ کے تعلقات کی بنیادی طور پر دو مختلف قسمیں تھیں۔ پوری سماجی تقسیم محنت کے دائرے میں اہل حرفہ کی حیثیت متعین کرنے کی کسوٹی کی حیثیت سے اگر ہم برادری کے اندر تقسیم محنت میں ان کے مقام سے سلسلہ شروع کریں تو دیکھیں گے کہ وہ دیہی اہل حرفہ جو اس تقسیم کی زد میں نہیں آتے تھے (مثلاً جلاہے اور تیلی) وہ گاؤں کی برادری کے اپنے پڑوسیوں کی بہ نسبت شہر کے اہل حرفہ اور دستکاروں سے زیادہ قریب تھے۔ علاوہ ازیں، یورپ کے حالات کے برعکس، ہندستان میں شہری اور دیہی اہل حرفہ کے درمیان سماجی و آئینی اور معاشی امتیازات موجود نہیں تھے کیونکہ مراعات یا حقوق کے اعتبار سے شہری اہل حرفہ کو دیہی اہل حرفہ پر کوئی واضح سیاسی فوقیت حاصل نہیں تھی۔ اور اس حالت کو الٹ کر دیکھیں تو، ہندستان میں دیہی اہل حرفہ کو شہری اہل حرفہ پر کوئی خاص معاشی فوقیت حاصل نہیں تھی یعنی وہ پیداواری نظام کی بندشوں اور پابندیوں سے آزاد نہیں تھے کیونکہ ذات پات کا نظام جو ان بندشوں اور پابندیوں کا وسیلہ تھا، دیہی اور شہری دونوں اہل حرفہ سے یکساں سلوک کرتا تھا (یورپ میں ہم پیشہ انجمنوں کے نظام کا عموماً دیہی اہل حرفہ پر اطلاق نہیں ہوتا تھا)۔

مندرجہ بالا ملاحظات کے پیش نظر ہمیں ہندستان کے اہل حرفہ کی پیداوار کو سب سے پہلے برادری کے اندر کی اور برادری کے باہر کی پیداوار کے زمروں میں تقسیم کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اس تقسیم کو جامد تصور نہیں کرنا چاہئے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، بعض دیہی اہل حرفہ (مثلاً چماروں اور کمہاروں) کی پیداوار صارف سے ان کے تعلقات کی نوعیت کے باعث ان دو پیداواری زمروں کی حد پر آجاتی تھی۔ برادری کی روایتی شاخوں کے اندر بھی (لوہاروں اور بڑھئیوں کے تعلق سے)، خصوصاً بنگال میں، اہل حرفہ اور ان کے گاہکوں کے درمیان نمایاں طور پر انفرادی تعلقات پیدا ہو گئے تھے۔

اپنے نہایت دلچسپ اور جامع جائزے میں پروفیسر حبیب نے، بدقسمتی سے سرمایہ داری کی

پیدائش کے اس امکان کا خصوصی تجزیہ نہیں کیا جو کسانوں اور دیہی برادریوں کی ضرورتیں پوری کرنے والی اہل حرفہ کی صنعتوں میں موجود تھا۔ پروفیسر حبیب نے انہیں سرمایہ دارانہ تعلقات پیدا ہونے کا وسیلہ تصور کرنے سے اس لئے خارج از بحث قرار دینا ممکن سمجھا کہ ان کی دلیل یہ تھی کہ ان میں سے کسی صنعت میں بھی ''اصلی جنس تجارت کی پیداوار نہیں ہوئی ہوتی۔''41

ہم سمجھتے ہیں کہ جنس تجارت کی (اور اس لئے امکانی سرمائی دارانہ) پیداوار کے زمرے سے کپڑا، تیل اور شکر، یہاں تک کہ اندرون برادری کی روایتی دستکاریوں کی پیداوار کو خارج کرنا غلط ہے کیونکہ ان شعبوں نے کسانوں سے جنسِ تجارت وزر کے تعلقات کی جانب عبور کی علامتوں کو ظاہر کیا۔ علاوہ ازیں اہم بات یہ ہے کہ زراعت اور کسانوں سے ایسے تعلقات کا ارتقا ہی علاقائی اور قومی پیمانے پر سماجی تقسیم محنت کی بنیاد پر اہل حرفہ کو بعد کے سرمایہ دارانہ تعلقات کے ارتقا کے لئے تواریخی امکانات کی ضمانت دے سکتا تھا۔

اندرون برادری دیہی اہل حرفہ کی صنعتوں کے الگ تھلگ رہنے کی حالت جب رفتہ رفتہ ختم ہونے لگی تو اس سے سماجی تقسیم محنت میں شدت آئی اور پیداواری تعلقات کی نئی شکلیں نمودار ہوئیں۔ گاؤں کی برادری میں اہل حرفہ کے رتبے نے نئے تعلقات پیدا ہونے کا امکان ختم کر دیا۔ اس لئے ان پرانے تعلقات کو توڑ کر ہی اہل حرفہ کی پیداوار تواریخی اعتبار سے سرگرم عمل ہو سکتی اور پہلے چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت اور پھر ابتدائی سرمایہ دارانہ تعلقات پیدا کر سکتی تھی۔

برادری سے باہر کے دستکاروں کو جو سماجی اور معاشی مرتبہ حاصل تھا اس کا تعین سماجی تقسیم محنت میں ان کی پیداوار اور اشیائے کے مقام اور اہمیت سے ہوتا تھا۔ قومی پیمانے پر کسی نمایاں سماجی تقسیم محنت کی غیر موجودگی اور انفرادی علاقوں کے اندر اس کی ناپختگی کو اور باتوں کے علاوہ اس حقیقت سے منسوب کیا جا سکتا ہے کہ برادری سے باہر (غالباً دھات کے سامان کے علاوہ) اہل حرفہ کی پیداوار کے بحیثیت مجموعی زراعت میں تجدید پیداوار سے کمزور تعلقات تھے۔ لیکن دیہات میں اشیائے صرف کے ایک حصے کی مانگ بھی وہ اہل حرفہ پوری کرتے تھے جنہوں نے گاؤں کی برادری سے اپنے رشتے توڑے تھے (کمہار، چمار اور سنار)۔ برادری سے باہر کے دستکاروں میں جلاہوں کا ہی سب سے بڑا گروہ تھا جن پر گاؤں کی برادری کا اہم انحصار تھا (اور یہ ایسی صورت حال تھی جس نے انہیں نسبتاً زیادہ مراعاتی حیثیت دلانے میں

بڑی حد تک اثر ڈالا)۔

جلا ہے اور دوسرے اہل حرفہ اپنے آلات محنت کا ایک حصہ خود ہی بنا لیتے تھے اور اس لئے برادری کے وہ دستکار جو یہ اوزار بنا سکتے تھے دیہی اور شہری دونوں حرفتوں میں تجدید پیداوار میں قدرے محدود پیمانے پر حصے لے سکتے تھے۔ اس سے حرفتی پیداوار کے اندر صنعتوں کے درمیان تقسیم محنت میں اسی مناسبت سے کمی واقع ہوگئی۔ برادری سے باہر کی صنعتوں میں پیداواری، بلکہ ٹھیک ٹھیک کہیں تو نقل وحمل کا رتبہ تھا اور وہ سب سے پہلے جہاز اور گاڑیاں بنانے کے کام میں مرکوز تھیں۔

ہندستان میں اہل حرفہ کے آلات اور اوزاروں کی اصلاح کی نسبتاً سست رفتار کے اسباب پر غور کرتے ہوئے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اہل حرفہ کی اجرتوں کا معیار نیچا ہونے، خاص طور پر ہنرمند اہل حرفہ اور عام کاریگروں کی اجرتوں میں بہت تھوڑا فرق ہونے کی وجہ سے ٹکنیکی ترقی کی رفتار میں سستی آئی کیونکہ اس سے بہتر اور زیادہ مہنگے آلات محنت کی تیاری پر اخراجات سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا تھا۔ دوسری طرف اہل حرفہ کی محنت کی سستی ہونے کا باعث یہ بھی ہوسکتا تھا کہ جو اشیا (خصوصاً اشیائے خوردنی) وہ اپنے مصرف میں لاتے تھے وہ سستی ہوتی تھیں اور کپڑوں اور مکانوں کے سلسلے میں ان کی ضرورتیں بہت ہی معمولی تھیں۔ پہننے اوڑھنے اور رہنے سہنے میں سادگی کچھ تو قدرتی حالات نے پیدا کی اور کچھ تواریخی اعتبار سے تشکیل پائی ہوئی معمولی خواہشات زندگی اور سادہ عادات واطوار اس کا سبب بنے۔

ہندستانی اور یورپی محنت کش کی کارگزاری کا موازنہ کرنا دشوار ہے۔ چیزوں کی قسموں اور سجاوٹ اور کاریگری کے روایتی معیاروں میں بڑا فرق ہے جس سے یکساں قسم کی چیز پر کسی یورپی کاریگر اور ویسے ہی ہندستانی کاریگر کی صرف کی ہوئی محنت کا موازنہ کرنا عموماً ناممکن ہے۔ لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ اٹھارویں صدی کے وسط تک یورپ میں فیکٹریاں قائم ہونے سے پہلے کی صنعت میں، بہرصورت برطانوی صنعت میں، ہندستانی صنعت کی بہ نسبت کارگزاری کی سطح بلند تھی۔

ایک انگریز انجینیر کی شہادت کے بموجب 1770 کی دھائی میں انگریز لوہار زیادہ ترقی یافتہ اوزار استعمال کرکے کارگزاری کی اس سطح پر پہنچ گیا تھا جو ہندستانی لوہار کی کارگزاری کی بہ نسبت تگنی بلند تھی۔42

قرون وسطیٰ کے ہندستان کے اہل حرفہ اور دستکاروں میں پیداواری قوتوں کی سطح نیچی ہونے کا

بنیادی سبب پیداواری عمل میں خراب تقسیم محنت تھی۔ مال تیار کرنے والے کو اکثر شروع سے آخر تک پیداواری عمل میں سارا کام تن تنہا خود ہی کرنا پڑتا تھا۔ بقول بیوکینین ''ہندستان میں تقسیم محنت ایک غیر معمولی اور عجیب مظہر کی حیثیت رکھتی تھی۔''43 اپنی تصنیف ''بنگال میں کھیتی باڑی اور اندرونی تجارت کا بیان'' میں ایچ۔کول بروک نے اٹھارویں صدی کے آخر میں ہندستان کے اہل حرفہ کی پیداوار کی تنظیم کا حال یوں لکھا ہے: ''صنعت اور زراعت میں سرمائے کی قلت محنت کی تقسیم میں رکاوٹ ڈالتی ہے۔ ہر کاریگر، ہر دستکار، اپنے اخراجات پر کام کرتا، اپنی حرفت کے پورے عوامل، اپنے اوزار بنانے سے لے کر اپنی پیداوار کی فروخت تک سارے کام خود ہی انجام دیتا ہے''۔44

اورم نے لکھا تھا کہ ارباب اختیار کی من مانی حکمرانی نے ایک ہی ورکشاپ میں کئی مزدوروں کے ملازم ہونے میں رکاوٹ ڈالی اور اس طرح الگ الگ پرزوں کی تیاری پر مبنی یورپی طرز کی تقسیم محنت خارج از بحث ہوگئی۔ غالباً واحد استثنا پارچہ بافی تھی جہاں پیداوار کے سلسلے میں بعض کاموں میں جلاہے کی بیوی اور بچوں کے شامل ہوجانے سے تقسیم محنت ہوجاتی تھی۔45

مذکورہ بالا بیانات غالباً حد سے زیادہ قطعی معلوم ہوتے ہیں۔ سترہویں اور اٹھارویں صدیوں میں (صرف پارچہ بافی ہی نہیں بلکہ) اہل حرفہ کی کئی شاخوں میں ابتدائی تقسیم محنت موجود تھی جو انفرادی عوامل انجام دینے میں خصوصی مہارت پر مبنی تھی۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو پیداواری قوتوں کے ارتقا میں واضح پیش قدمیوں کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ لینن نے بتایا ہے کہ ''دستی پیداوار کی بنیاد پر تقسیم محنت کی صورت کے علاوہ ٹکنیک کی ترقی میں کوئی اور صورت ممکن نہیں تھی۔''46

سترہویں صدی کی چوتھی دھائی میں ہی جے۔اے۔ڈی مینڈلسلو نے کہا تھا کہ ''کسی چیز کو مکمل ہونے سے پہلے تین یا چار ہاتھوں سے گزرنا چاہئے۔''47 زیر نظر تصنیف میں آگے چل کر ہم واضح کریں گے کہ ہندستان میں انفرادی ورکشاپوں کے اندر محنت کی تقسیم نوع بنوع تھی۔

سرمایہ داری سے پہلے کے سماج کی کرداری خصوصیت صنعت کی بہ نسبت زراعت میں کارگزاری کی بلند تر سطح ہوتی ہے۔48 اس لحاظ سے ہندستان مستثنا نہیں تھا۔

اس سلسلے میں مارکس نے جو کہا ہے وہ ملاحظہ فرمائیے: ''بحیثیت مجموعی ہم یہ بات فرض کر سکتے ہیں کہ ابتدائی، سرمایہ داری سے پہلے کی طرز پیداوار کے تحت صنعت کی بہ نسبت زراعت زیادہ پیداوار دینے

والی ہوتی ہے، کیونکہ یہاں مشین اور جسم کی حیثیت سے قدرت مدد کرتی ہے جب کہ صنعت میں قدرت کی قوتوں کی تقریباً تمام جگہ انسانی عمل لے لیتا ہے (جیسے کہ دستکاری کی وضع کی صنعت وغیرہ میں)۔ سرمایہ دارانہ پیداوار کے طوفانی نمو کے دور میں زراعت کی بہ نسبت صنعت میں کارگزاری تیزی سے بڑھتی ہے۔ حالانکہ اس کا ارتقا پہلے سے فرض کر لیتا ہے کہ مستقل اور غیر مستقل سرمائے کے درمیان اہم تبدیلی زراعت میں رونما ہو چکی ہے، یعنی زمین سے بہت سارے لوگوں کو بھگایا جا چکا ہے۔''[49] صاف ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا اقتباس کے دوسرے حصے کا ہندستان کے زیر بحث دور پر یا انگریزوں کے زیر حکومت ہندستان پر اطلاق نہیں ہوتا کیونکہ بیسویں صدی کے وسط تک ہندستان کو سرمایہ دارانہ پیداوار میں طوفانی ارتقا کا تجربہ نہیں ہوا تھا، نہ ہی زراعت میں مستقل اور غیر مستقل سرمائے کے درمیان تناسب میں کوئی نمایاں تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ محنت کی کارگزاری کی شکل میں صنعت کا غلبہ مختلف طریقے سے کیا گیا تھا۔ سرمایہ داری سے پہلے کے دور میں زراعت کی ٹکنیکی فوقیت اس کے اندر پیداوار کا نسبتاً زیادہ ارتکاز تھی۔ کئی ''ھلوں'' (زراعتی آلات کے مجموعوں) کا استعمال اور باہر سے حاصل کئے ہوئے زرعی مزدوروں کو مناسب تعداد میں کام پر لگا لینے کا اہل حرفہ کے حلقے کے اندر اجرت پر مزدور رکھ لینے جیسی تعاون کی نہایت سادہ شکل تک کی بہ نسبت دیہات کے مالداروں میں کہیں زیادہ رواج تھا۔ اس لئے یہ فرض کر لینا معقول معلوم ہوتا ہے کہ کارگزاری کے اعتبار سے چھوٹے پیمانے کی جاگیردارانہ کاشتکاری اہل حرفہ کے حلقے پر سبقت لے گئی تھی۔

علاوہ ازیں یورپ کی بہ نسبت جہاں سال میں صرف ایک ہی فصل حاصل کی جا سکتی ہے ہندستان میں کاشتکاری کے بیشتر خطوں کی آب وہوا اور قدرتی حالات بہتر ہیں اور اس کے ساتھ وہاں زیادہ مشقت طلب فصلیں (جیسے کہ دھان، گنا، مونگ پھلی اور کپاس) سال میں دو یا تین ہو سکتی ہیں۔ اس وجہ سے ہندستانی کسان سال کے دوران میں زیادہ طویل مدت تک مصروف رہتا ہے اور اس کی کارگزاری میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ آبپاشی سے جس نے روزگار اور کارگزاری کو بڑھایا، اہل حرفہ کے حلقے پر ہندستانی زراعت کی فوقیتیں اور بھی بڑھ گئیں۔

اگر یہ صورت حال عرصہ دراز تک ارتقا کی معین سطح پر برقرار رہی ہوتی اور بیرونی عناصر دخل انداز نہ ہوئے ہوتے تو ہندستانی زراعت میں سرمایہ داری کی نشوونما کا امکان ہوتا۔ زراعت میں اور اہل حرفہ کے

حلقے میں محنت کی کارگزاری کی سطح قریب قریب ایک ہی ہونے کے باعث کوئی غیر مساوی تبادلہ نہ ہوتا۔ درحقیقت قرون وسطیٰ میں، جیسا کہ اینگلز نے بجا طور پر واضح کیا ہے، کسان اور اہل حرفہ اشیا کا تبادلہ قریب قریب اس محنت کی مقدار کی بنیاد پر کرتے تھے جس کی ان میں تجسیم ہوتی تھی۔ لیکن معیشت میں زر کے زیادہ گھسنے کے ساتھ قانونِ قدر سے مطابقت کی جانب رجحان میں مہاجنی سرمائے اور مالیاتی نظام کی مداخلت کے باعث روز افزوں انتشار پیدا ہوا۔ 51 ہندستانی تاریخ کی زیر تبصرہ مدت کے لئے یہ انتشار بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

کوئسنے کے علاوہ جنہوں نے اس موضوع پر اپنا شاندار نظریہ پیش کیا تھا اور جسے وہ مکمل نہ کر پائے، مارکس ہی نے سب سے پہلے زرعی پیداوار کو اہل حرفہ کی بنائی ہوئی چیزوں میں تبدیل کرنے کا سیاسی اور معاشی نمونہ بنایا تھا۔ انہوں نے بتایا ہے کہ انیسویں صدی کے وسط میں ہی برطانوی ہندستان کے پسماندہ صوبوں میں جاگیرداروں اور اہل حرفہ کے درمیاں تعلقات کی قدیم صورتیں باقی تھیں۔ ''...غیر زرعی مزدور براہ راست بڑے جاگیرداروں سے کام حاصل کرتے ہیں جنہیں باج یا لگان کی شکل میں زرعی فاضل پیداوار کا ایک حصہ آتا ہے۔ اس پیداوار کا ایک حصہ یہ بڑے جاگیردار قدرتی طور پر اپنے مصرف میں لے آتے ہیں، دوسرے حصے کو اجرتی مزدوران کے استعمال کی اشیائے عیش وعشرت اور ایسی ہی چیزوں میں دیتے ہیں۔ باقی جو بچتا ہے اس سے ان مزدوروں کی اجرتوں کی تشکیل ہوتی ہے جو اپنے آلات محنت کے مالک ہوتے ہیں۔'' 51

حقیقت یہ ہے کہ گذشتہ صدی کی پانچویں دہائی میں ہندستانی برصغیر کے بعض دور افتادہ خطوں میں اہل حرفہ جاگیرداروں کے براہ راست محکوم تھے۔ 1841 میں بندیل کھنڈ میں لفٹنٹ گورنر کے ایجنٹ ایس۔ فریزر نے مقامی مسلمان جلاہوں کی حالت کی تفصیل بیان کی ہے جو مشہور ''چندیری'' کپڑا تیار کرتے تھے (جس ضلع میں یہ کپڑا بنتا تھا وہ اسی کے نام سے موسوم تھا)۔ جلاہے زمین دوز ورکشاپوں میں اندھیرے اور سیلن میں بیٹھ کر کام کرتے تھے تاکہ نہایت باریک اور نازک سوت کو جو قیمت میں اپنے وزن کی چاندی کے برابر ہوتا تھا، خاک دھول سے محفوظ رکھا جا سکے۔ اپنے جاگیردار کے لئے جلاہا دن رات غلاموں کی طرح کام کرتا تھا۔ اور کھلی منڈی میں اپنا مال فروخت نہیں کر سکتا تھا۔ موٹا کپڑا منڈی میں فروخت ہوتا تھا جب کہ بڑھیا کپڑا حکمرانوں کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ کپڑے کی ہر گانٹھ پر ارباب اختیار

چنگی وصول کرتے تھے۔52 انیسویں صدی کے وسط میں اس وضع کے تعلقات واضح طور پر پرانے زمانے کی باقیات میں سے تھے۔

ڈھاکے کے جلاہوں کا مرتبہ ایک اور واضع مثال ہے کہ اہل حرفہ کا جن میں نہایت ہی ہنرمند بھی شامل تھے، انحصار جاگیردارانہ ارباب اختیار کی فرمائشوں پر تھا۔ جے۔ ٹیلر نے لکھا ہے: ''دلی میں بادشاہی ملبوسات کے لئے اور بنگال میں وائسرائے کے دربار کے لئے نفیس قسم کی ساری ململ کی سالانہ خریداریوں پر اجارہ داری قائم تھی... ریاست کی طرف سے ان خریداریوں کے اہتمام کے لئے ایک خاص کارندہ موقع پر موجود رہتا تھا جسے اس کاروبار میں لگے ہوئے تمام دلالوں، جلاہوں اور کشیدہ کاری کرنے والوں پر شہری اور سرکاری افسروں سے علیحدہ اختیارات حاصل تھے۔''53 دلی سے آیا ہوا ایک سرکاری افسر جلاہوں کو مغل کارخانوں کی طرز کے ''خاص مرکزوں'' میں جمع کرتا جہاں وہ پہرے داروں کی نگہداشت میں کام کرتے تھے۔54

اس اہتمام کا جس کے ذریعہ جاگیردار حلقے شہری اہل حرفہ کے تیار کئے ہوئے مال کے خاص گاہک اور صارف بن جاتے تھے اور جس میں سوداگران کے کارندوں کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے تھے سماجی و معاشی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہندستانی شہر سیاسی اور معاشی دونوں اعتبار سے جاگیرداروں کے ماتحت ہوتے تھے۔ اس میں یہ اہم صورت حال اور شامل کر لینی چاہئے کہ زمین کی ریاستی جاگیردارانہ ملکیت کے دائرے میں شہری زمینیں بھی آجاتی تھیں۔ سوداگر، اہل حرفہ اور شہر میں رہنے والے دوسرے لوگ اپنے اپنے جاگیرداروں کو اس زمین کا کرایہ ادا کرتے تھے جس پر وہ اپنے رہائشی مکان یا دکانیں بناتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندستانی شہری باشندوں پر، مغربی یورپ کے شہری باشندوں کے برعکس، جاگیردار ارباب اختیار کی مطلق العنان حکمرانی تھی۔

اورم نے لکھا ہے کہ ہندستانی اہل حرفہ فرد کی حیثیت سے آزاد نہیں تھے اور اس لئے انہیں اپنا کاروبار بڑھانے کے امکانات حاصل نہیں تھے۔ یا تھے تو بہت کم۔ بقول اورم کاریگر ''صرف اپنی ضرورتوں کے پیمانے کے مطابق کام کرے گا۔ وہ امتیاز حاصل کرنے سے خوف کھاتا ہے۔ اگر وہ اپنی دستکاری کے باعث دوسرے کاریگروں کی بہ نسبت زیادہ دولت کما کر زیادہ ممتاز نظر آنے لگتا ہے تو یہ دولت اس سے چھین لی جائے گی۔ اگر اپنے ہنر کی خوبی کے باعث وہ نمایاں ہو جاتا ہے تو ارباب اختیار

میں سے کوئی اسے آن دبوچتا ہے اور وہ مجبور کر دیا جاتا ہے کہ آزاد رہتے ہوئے حسب معمول اپنی محنت سے جو کچھ کما لیا کرتا تھا اس سے کہیں کم معاوضے پر دن رات اسی کا کام کرے... ''چنانچہ سبقت حاصل کرنے کی ساری خواہش ختم ہو جاتی ہے۔ اگر نسبتاً نرم نظم ونسق کے چند برسوں کے دوران میں حالت بہتر ہوتی ہے تو حکمرانی کے عام طریقوں کے دوبارہ جاری ہونے پر وہ پھر سے ابتر ہو جاتی ہے۔''55

مختلف شہروں میں مختلف زمروں کے اہل حرفہ اور دستکاروں کے درمیان تجارتی تعلقات کی نوعیت کے متعلق جو معلومات مہیا ہیں ان کے بموجب ہم فرض کر سکتے ہیں کہ اٹھارویں صدی کے آخری نصف میں بعض بڑے بڑے شہروں کے اہل حرفہ دربار، فوج اور امرا کے لئے بدستور کام کرتے رہے نیز بیرونی منڈی کے لئے بھی انہوں نے مال مہیا کیا۔ موخرالذکر صورت حال بنگلور میں پائی جاتی تھی جہاں کے جلاہے جب سلطان میسور کے دربار کی فرمائشوں سے محروم ہو گئے تو ان کا گزارہ اپنا مال بیرونی منڈی میں فروخت کر کے ہی ہو سکتا تھا۔

سترھویں اور اٹھارویں صدیوں میں دستکاری کی پیداوار میں تنوع پیدا ہونے کی ایک اچھی مثال مہاراشٹر، خصوصاً اس کا دارالخلافہ پونا پیش کرتا ہے۔ پونا میں پیشوا کے دفتر کے مسودوں پر زور دے کر ڈ- آر- گاڈگل نے بیان کیا ہے کہ اٹھارویں صدی میں پونا کے اہل حرفہ نے اپنے حلقے کے اندر کوئی اہم تخصیص نہیں کی، جب کہ شہر میں حرفتوں کے شعبوں کا ایسا تنوع تشکیل پایا جو شہر کی فوج اور انتظامیہ سے پوری مطابقت رکھتا تھا۔56

اہل حرفہ کی صنعتوں کے علاوہ جو براہ راست یا بالواسطہ تبدیل شدہ لگان کی بدولت موجود تھیں، برادری سے باہر کے دستکار اور اہل حرفہ بھی تھے جو چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت پیدا کرنے والے کی حیثیت سے مال کے بدلے مال فراہم کرنے یا جنس تجارت کے تبادلے کی بنیاد پر کسانوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے کام کرتے تھے۔ وہ عموماً پیشے اور ذات کی بنیاد پر یکجا ہوتے تھے۔ اٹھارویں صدی تک ہندستانی قصبوں اور شہروں میں اہل حرفہ کی ایسی صنعتیں قائم تھیں جو کسانوں کی ضرورتیں پوری کرتی تھیں۔ جو معلومات فراہم ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ بنگال اور بہار میں شہری اہل حرفہ موٹا کپڑا بناتے تھے اور اس کپڑے کی تجارت کو بڑا فروغ حاصل تھا۔

بلا تامل فرض کیا جا سکتا ہے کہ اٹھارویں صدی کے شروع میں قدرے محدود مقامی منڈیاں آپس

میں ملنے سے اشیائے صرف کے لئے نسبتاً بڑی منڈی قائم کرنے کے آثار موجود تھے۔اس عمل کے زیر اثر بنگال یا میسور جیسے بڑے بڑے علاقے آ گئے تھے۔اٹھارویں صدی کے ہندستان میں اگر چہ جنس تجارت کی گردش بڑی حد تک جاگیردار طبقے اور اس کی خدمت انجام دینے والے سماجی حلقوں تک ہی محدود تھی، پھر بھی اس نے سرمایہ دارانہ پیداوار کے قیام کے لئے زمین ہموار کر دی۔روزمرہ استعمال کی چیزوں کے لئے جن کی ہندستان کے نسبتاً زیادہ ترقی یافتہ خطوں میں بڑی مانگ تھی، اندرونی منڈی بن جانے سے شہروں اور دیہات کے درمیان تقسیم محنت کا مقررہ خاکہ سامنے آیا۔ بعد میں اس منڈی کی نشوونما جاگیردارانہ نظام کی گہرائیوں کے اندر سرمایہ دارانہ وضع کے تعلقات کو تقویت پہنچا سکتی تھی۔

بہر حال منڈی کے تعلقات اتنے پختہ نہیں تھے کہ وہ کسی نمایاں پیمانے پر سرمایہ داری کے ارتقا میں سہولت فراہم کرے۔مثلاً پائدار طلب کے فقدان کے باعث اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اہل حرفہ اور دستکار طویل عرصے تک ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے۔ ہندستانی معاشی ارتقا کے برطانوی مصنف ایچ۔کول بروک نے اٹھارویں صدی کے اواخر کے ہندستانی کاریگر کے متعلق لکھا ہے کہ ''منڈی کا انتظار کرنے یا اس کی طلب کا پہلے سے اندازہ کرنے کے قابل نہ ہونے کے باعث وہ معمول کے مطابق اپنے پیشے کو اسی قدر جاری رکھ سکتا ہے جس قدر اس کے پڑوسیوں کی ضرورتیں اس کا مطالبہ کرتی ہیں۔درمیانی مدت میں اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ کسی دوسری ملازمت کی تلاش کرے جو موجودہ درخواست میں ہے...''57

جو معلومات دستیاب ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اٹھارویں صدی کے اختتام اور انیسویں صدی کے شروع کے جاگیردارانہ ہندستان میں اہل حرفہ کی چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کے اندر سوداگری سرمایہ اپنی تمام بنیادی شکلوں میں موجود تھا۔ترقی یافتہ جاگیرداری کے دور میں یہ دستکاری کی پیداوار کی کرداری خصوصیت تھی۔اہل حرفہ کی صنعتوں کے اندر معاشی تعلقات کا اگر مطالعہ کریں تو پتہ چلتا ہے کہ بنگال، بہار اور میسور میں سوداگری اور مہاجنی سرمائے کا اتحاد حرفتی پیداوار کی کرداری خصوصیت تھی۔ علاوہ ازیں، مطلوبہ کچا مال جلا ہے اکثر اس نقد پیشگی میں سے خریدتے تھے۔ جو تھوک خریدار انہیں دیتے تھے۔حرفت میں اس وضع کا سوداگری سرمایہ اپنی اعلیٰ ترین شکل اختیار کر لینے کے قریب آیا تھا جس کی مثال کاریگروں میں کچے مال کی براہ راست تقسیم سے ملتی ہے جسے وہ بعد میں مخصوص معاوضہ لے کر تیار مال کے روپ میں لئے جاتے تھے۔ پھر بھی سوداگری سرمایہ حرفتی پیداوار سے کسی خاص بڑی حد تک وابستہ نہیں تھا۔ وہ کوئی

پیداواری صورت اختیار کئے بغیر اس کے دائرے سے باہر سرگرم عمل رہا اور گردش کے دائرے کے توسل اہل حرفہ کے استحصال کا آلہ کار تھا۔

اس کے علاوہ زراعت کی بہ نسبت جہاں پیداوار کی فصلی نوعیت کا مطالبہ تھا کہ وقتاً فوقتاً مزید محنت برسرکار لائی جائے، حرفتی پیداوار کے دائرے میں اجرتی تعلقات نے اور بھی کم ترقی کی تھی۔

جاگیردارانہ ہندستان میں سماجی تقسیم محنت کی نہایت مخصوص نوعیت نے تھوک خریداروں کی سرگرمیوں کے پیمانے اور دائرے کو متعین کیا تھا۔ ان کا سرمایہ کاشتکار اور کاریگر کے درمیان خود کفالتی تعلقات کو لاشبہ توڑ نہیں سکا تھا۔ جاگیردار حلقوں میں صرف ہونے والے اور دور دراز منڈیوں کے لئے تیار کئے جانے والے مال اور اشیا کی پیداوار پر ہی تھوک خریدار کا پورا غلبہ ہوتا تھا۔

برطانوی اقتدار سے پہلے پیداواری قوتوں کی ترقی اور تقسیم محنت کے ساتھ رفتہ رفتہ سرمایہ دارانہ پیداوار کا ایک راستہ سامنے آیا جس کی بدولت ''پیدا کرنے والا سوداگر اور سرمایہ دار بن جاتا ہے....''[58] گذشتہ صدی کے شروع میں ہندستان میں اہل حرفہ کی چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کے اندر سرمایہ دارانہ تعلقات نمودار ہونے کی شہادت سرمایہ دارانہ پیداواری تنظیم کی ابتدائی شکلوں مثلاً سادہ سرمایہ دارانہ تعاون اور کارخانہ داری کی موجودگی سے ملتی ہے۔ لیکن وہ کارخانہ داریاں ابھی اپنی ابتدائی صورت میں تھیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ جہاز سازی اور کاغذ کی پیداوار کے علاوہ ہندستان میں ایسی صنعتوں کا فقدان تھا جہاں پیداوار کی تنظیم کی غالب شکل سرمایہ دارانہ کارگاہ ہوتی۔ سرمایہ دارانہ طرز کی کارگاہوں میں تیار شدہ جنس تجارت کی گردش نے خود آپس میں یا زراعتی حلقے سے مستقل منڈی کے تعلقات کا نظام ابھی قائم نہیں کیا۔

1968 میں سماجی اور معاشیاتی تواریخ کے ہندستانی عالموں کے سمپوزیم میں اس سوال پر بڑی بحث ہوئی کہ ہندستان پورے پیمانے کے صنعتی انقلاب سے دوچار کیوں نہیں ہوا۔ مباحثے کی روداد سے ظاہر ہوا کہ ہندستانی عالموں کی اصطلاحات کے بموجب صنعتی انقلاب سے مراد سرمایہ دارانہ کارگاہوں سے جہاں تقسیم محنت ہوتی ہے، فیکٹریوں کی پیداوار کی جانب عبور نہیں بلکہ چھوٹے پیمانے پر جنس تجارت کی پیداوار کی بنیاد پر اس قسم کی کارگاہوں کی تشکیل ہے۔

ایس پچند رانے جنہوں نے اس بحث میں حصہ لیا تھا یہ مفروضہ پیش کیا کہ گجرات اور غالباً کارو

منڈل اور مالابار کے ساحلی علاقے درحقیقت ارتقا کے ابتدائی سرمایہ دارانہ مرحلے میں پہنچ چکے تھے۔لیکن اس مفروضے کی ابھی تصدیق ہونی ہے۔ ایس-چندرا کی دلیل یہ تھی کہ ہندستان کے ساحلی علاقوں پر انگریزوں قبضے نے اندرونی تجارت کو بگاڑنے کے علاوہ بیرونی تجارت میں بھی رفتہ رفتہ کٹوتی کر دی اور انجام کار حرفتی پیداوار کی بنیادیں کمزور کر دیں۔اس صورت حال میں مقامی سرمایہ زمین کی خریداری کی طرف اس بنا پر بہہ نکلا کہ انگریزوں نے زمین کو آزادانہ اور بے روک ٹوک الگ کرنے کے حقوق جاری کر دئے تھے۔

آخر میں اس بات پر زور دینا چاہئے کہ فیکٹری کی پیداوار کی جانب (جو مارکسی کے لئے ''صنعتی انقلاب'' کی روح ہوتی ہے) عبور کی بنیاد لازمی شرط پیدا کرنے میں یعنی ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ کارگاہ قائم کرنے میں ہندستان ناکام رہا جہاں مفصل تقسیم محنت اور سب سے پہلے آلات محنت کی پیداوار میں تقسیم محنت کی گئی ہو۔شہر اور گاؤں کے درمیان جنس تجارت کا تبادلہ روزمرہ ضرورت کی نسبتاً محدود اشیأ پر مرکوز رہا۔جنس تجارت کی وہ پیداوار جو برادری کے اہل حرفہ کی صنعتوں کے نظام سے باہر کسان کی معیشت میں انفرادی عناصر کی حیثیت سے موجود تھی پختگی کی خاصی اعلی سطح پر نہ پہنچ سکی کیونکہ زرعی پیداوار کی فروخت روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں یا مختلف محصول اور لگان ادا کرنے کے لئے نقدی حاصل کرنے کے مقصد کے پیش نظر کی جاتی تھی۔

پھر بھی ہندستان کی سماجی ومعاشی تشکیل نے متعدد نئی شکلیں پیدا کیں جو روایتی تعلقات کے پہلو بہ پہلو قائم رہیں۔ یہ واضح کرنے کے لئے شہادتوں کا کافی بڑا مواد موجود ہے کہ اٹھارویں صدی کے آغاز تک ہندستان کے نسبتاً زیادہ ترقی یافتہ علاقوں میں زمین کی ملکیت اور زمین کے استعمال کی شکلیں،محنت کی سماجی تقسیم اور پیداواری تعلقات ایک ایسی سطح پر پہنچ گئے تھے جو ترقی یافتہ جاگیردارانہ سماج کی کرداری خصوصیت واضح کرتی ہے۔

ہندستانی کاروبار اور ہندستان میں برطانوی سرمائے کی ابتدائی جمع

برطانوی صنعت کاروں کی تمام کوششیں کہ ان کے مال کی فروخت ہندستان میں بڑھ جائے، انیسویں صدی تک مطلوبہ اثر پیدا کرنے میں ناکام رہیں۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اور ان صنعت کاروں کے درمیان، جنہیں ہندستانی مال کے خاصے مقابلے کا سامنا ہوتا تھا، عرصہ دراز سے جھگڑے چلے آتے تھے۔ جو صنعت کاروں کی ان شکایتوں سے اور بھی بڑھ جاتے تھے کہ تجارت پر کمپنی کی اجارہ داری سے ہندستانی منڈی میں ان کے مال کی فروخت میں رکاوٹ پڑتی ہے۔ لیکن درحقیقت اس معاملے میں کمپنی زیادہ قصوروار نہیں تھی کیونکہ اس کے منتظمین کو برطانوی برآمدات بڑھانے سے بڑی ہی دلچسپی تھی۔

دارالامرا کی کمیٹی کے روبرو 1813 میں شہادت دیتے ہوئے ڈی-ایل-پنڈرگلسٹ نے جنہوں نے کوئی 18 برس گجرات اور بمبئی میں گزارے تھے، کہا تھا کہ ان کے خیال کے بموجب دیسی آبادی میں یورپی مال کی مانگ نہیں بڑھی۔ واحد استثنٰی پارسیوں کا تھا جو برطانوی کپڑا استعمال کرتے تھے اور بمبئی کی آبادی کے کچھ، قدرے محدود حلقے بھی۔ برطانوی فیشن سے عام طور پر ہندستانی بے نیازی برتتے تھے۔ 59 اوروں کی شہادت سے پتہ چلا کہ مینچسٹر کا تیار شدہ مال ہندستان میں ویسے ہی مقامی مال کی بہ نسبت سستا فروخت ہوتا تھا کیونکہ ہندستانی صارف مینچسٹر کے تیار شدہ مال کو کوئی ترجیح نہیں دیتے تھے۔ 60

ہندستان کو برطانوی صنعت کے لئے بڑے پیمانے پر کچا مال پیدا کرنے والے ملک میں تبدیل کرنے کی انگریزوں کی کوشش عرصہ دراز تک کامیاب نہیں ہوئی، حالانکہ جیسا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی دستاویزوں سے واضح ہوتا ہے، اس کے سربراہوں نے کوشش بہت کی۔ صورت حال کی کرداری خصوصیت اس سے واضح ہوتی ہے کہ کپاس کے اچھے ریشے کی پیداوار کے متعلق ایسٹ انڈیا کمپنی کی رپورٹوں میں کہا گیا: ''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ عظمٰی کے کارخانہ داروں کے استعمال کے لئے ایسٹ انڈیز کی روئی فراہم کرنے کی کوششوں کی اہمیت اٹھارویں صدی کے آخر میں عام توجہ کا موضوع بن گئی تھی۔ 1769 میں آرک رائٹ کے پیٹنٹ کے مطابق کتائی کی پہلی مشین کے رواج سے لے کر 1785 کے آس پاس فیکٹری کے نظام کے قیام تک کتائی اور بنائی کی مختلف قسم کی مشینوں کی ایجاد اور ان میں اصلاحوں نے، نیز کپڑے کی کیمیائی دھلائی اور رنگائی میں جو اصلاحیں کی گئی تھیں، انہوں نے کچے مال کی روزافزوں مانگ پیدا کر دی تھی اور اس لئے اسے فراہم کرنے کے وسائل بڑھانے کی جستجو متواتر

جاری رہتی تھی۔''61

مارکس نے واضح کیا ہے کہ ہندستان اور چین میں تجارت سے ہونے والے انتشار کے اثر کا مقابلہ اندرونی پائداری اور سرمایہ داری سے پہلے کی قومی پیداوار کی طرزوں کے نظام نے کیا۔62 ہندستانی اور چینی سماجی ومعاشی نظام کے متعلق مارکس جو کچھ سمجھتے تھے اسے واضح طور پر یوں مرتب کیا تھا کہ یہ نظام کثیر تشکیلی ہے جس سے سب پر حاوی تشکیل ابھرنے کا مسئلہ حل نہیں ہوتا۔

مندرجہ بالا سطور میں مارکس کے جس فارمولے کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سرمایہ داری سے پہلے کی پیداواری طرزوں پر برطانوی سوداگری سرمائے کے تاثر کے متعلق ہے۔ان میں سے مارکس نے صرف اس کی نشاندہی کردی جو''چھوٹے پیمانے کی کاشتکاری اور گھریلو صنعت کے اتحاد'' پر مبنی تھی جن کا ہندستان میں اضافہ'' گاؤں کی وہ برادریاں کرتی تھیں جو زمین کی مشترک ملکیت کی بنیاد پر قائم تھیں۔''63 معلوم ہوتا ہے کہ مارکس نے سوچا کہ ہندستان میں اس تشکیل کا غلبہ ہے اور بحیثیت مجموعی اس کے سماجی ومعاشی نظام کے جمود کا یہی سبب ہے۔ڈھاکے کے جلاہوں کے المئے پر جنہیں برطانیہ کے مقابلے نے تباہ وبرباد کرڈالا تھا، مارکس نے جو کچھ لکھا تھا اس سے یہ نتیجہ نکالے بغیر رہا جاتا کہ اس چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی پیداوار کی پائداری بنیادی طرز پیداوار کی بہ نسبت کم امید افزا نظر آئی۔

چنانچہ ہندستان کی معیشت کے مختلف حلقوں پر برطانوی توسیع کے تاثر کے متعلق مارکس کے کچھ نظریات کا ہم خلاصہ کریں تو واضح ہو جاتا ہے کہ اس تاثر کو وہ ٹھوس حالتوں کی وشنی میں دیکھتے تھے جن کا انحصار برطانوی توسیع کی حد پر ہوتا تھا۔ برطانوی سوداگری سرمایہ اور اس کی فوجی اور انتظامی تجسیم یعنی ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندستانی سماجی ومعاشی تشکیل کی مختلف کڑیوں کو توڑنے اور اپنے تابع کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے۔

چونکہ برطانوی سوداگری سرمایہ منڈی کے ذریعہ زرعی اور حرفتی پیداوار کے خود کفالتی اتحاد کو توڑ نہیں سکا تھا اس لئے اس نے مالیاتی وسیلے پر اور سب سے پہلے زمین کا محصول جمع کرنے کی مشینری پر قبضہ جمانا شروع کردیا۔چھوٹی چھوٹی حرفتوں کے مالکوں کو اپنے قابو میں رکھنے کے لئے اس نے پولیس کے ضوابط وقواعد جاری کئے اور ہندستانی کاشتکار کو مجبور کیا کہ وہ برآمدی فصلیں کاشت کرے۔ بہ الفاظ دگر خود کفالت اور روایتی سماجی تعلقات پر مبنی تشکیل کی اندرونی پائداری کا مقابلہ کرنے کے لئے برطانوی سوداگری

سرمائے نے پیداوار پر قبضہ جمانے کے مختلف غیر معاشی اور جابرانہ طریقے اختیار کئے، جن میں سے بعض تو مشرقی مطلق العنانیت کے معمولات سے مستعار لئے گئے تھے جب کہ کچھ اور ایسے تھے جو برطانوی حکمرانوں نے ایجاد کئے تھے۔

طرح طرح کے پولیس، انتظامیہ کے اقدامات کا سہارا لے کر برطانوی سرمائے نے سرمایہ داری سے پہلے کی نسبتاً پسماندہ تشکیلوں کے عمل میں دخل اندازی کی۔

لیکن ہندستانی سماج کے اندر روایتی تعلقات میں کوئی نمایاں افراتفری اس مداخلت سے پیدا نہیں ہوئی۔ روایتی باہمی تعلقات کا نظام صحیح سلامت رہا۔ تقسیم کی صرف بالائی کڑی اس سے مستثنیٰ رہی مگر یہ اہم استثنیٰ تھا۔ زمینی محصول کا نظام پوری طرح برطانوی سوداگری سرمائے کی انتظامیہ کے کنٹرول میں تھا۔ اس طرح سے خود کفالتی وضع کے تعلقات کے غالب نظام اور اس کے ساتھ اس کے جنس تجارت اور زر کے تعلقات کے انفرادی اجزا کی متوازن نوعیت میں گڑبڑ پیدا کرنے کے لئے زمین ہموار کر لی گئی۔

بنگال کی صورت حال کے متعلق معلومات وہاں کے سہ منزلی سماجی نظام ایک واضح مثال پیش کرتی ہیں۔ سب سے اوپر برطانوی نظم ونسق، اضلاعی سطح پر برطانوی غلبے والی محصول جمع کرنے کی ویسی ہی مشینری جس کا ''دیسی'' زمیندار عملے سے تعلق ہوتا تھا اور سب سے نیچے کی سطح پر ''بڑی رعیت'' کا نظام۔

املاک اور سماجی مراتب کے اعتبار سے بنگال کا صارف جیسے جیسے نیچے اترتا جاتا ویسے ہی ویسے نہ صرف اس کے مصرف میں آنے والی چیزوں کی مقدار گھٹتی جاتی بلکہ اس کے صرفے کی چیزوں کی خاصیت میں بھی تبدیلیاں آنے لگ جاتیں جن کا اظہار حرفتی اشیاء کا حصہ گھٹنے اور ان کے تنوع میں بتدریج کمی آنے اور ان کی کیفیت گھٹیا ہوتے جانے سے ہوتا تھا۔64 یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ غریب حلقے برطانوی معیاری مال کی کھپت کے لئے جو سستا بھی ہوتا تھا سب سے زیادہ اچھی طرح تیار تھے۔ اس کے ساتھ ہی ان حلقوں کی قوت خرید بہت ہی معمولی تھی۔ مثلاً اگر ہم یہ بات ذہن میں رکھیں کہ ضلع دیناجپور میں بے زمین کسانوں کی تعداد کوئی 3 لاکھ کنبوں پر مشتمل تھی اور شہری غریبوں کے کنبے 50 ہزار سے کم نہیں تھے تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ دیناجپور کی دو تہائی آبادی دس لاکھ روپے سے کم مالیت کا پیداواری سامان خرید سکتی تھی (اوسطاً کنبہ سال بھر میں تین روپے خرچ کر سکتا تھا)۔ یہی وجہ ہے کہ خوش حال حلقوں میں اپنے مال کی مانگ پیدا کر کے ہی انگریز اپنی منڈی میں نمایاں توسیع کر سکتے تھے۔ لیکن یہاں انگریزی مال کو حرفتوں کی

تیار کی ہوئی چیزوں کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا جو عام طور پر روایتی، نفیس، اکثر بہت زیادہ تصنع آمیز ذوق کی تسکین کے لئے ہوا کرتی تھیں۔

چنانچہ برطانوی سوداگری سرمائے کے اقتدار کے 50 سال بعد بنگال کے بنیادی سماجی و معاشی اشاریوں میں کچھ تبدیلیاں ہوئیں۔ لیکن وہ موجودہ معاشی نظام میں کسی نمایاں خاصیتی تبدیلی کے مترادف نہیں تھیں۔ بنگال کے سماجی نظام مراتب کی بالائی پرتوں میں اپنے قدم جما کر برطانوی حکمرانوں نے وہاں کی معیشت کے بہت سے حلقوں پر منفی اثر ڈالا۔

ہندستانی پیداواری تعلقات کے نظام کے اندر برطانوی سرمائے کی اجنبی حیثیت واضح طور پر نمایاں تھی۔ دیسی سرداروں کی زمین پر قبضہ جمانے کے بعد برطانوی انتظامیہ نے بطور استثنیٰ اپنے کچھ عہدیداروں کو کچھ زمینیں دے دیں اور انہیں زمین داری کے نمونے کے یا محض برطانوی نجی ملکیت کی طرز کی زمینداری کے حقوق دے دیئے۔ یہاں زیر بحث موضوع برطانوی وکیلوں کی بے ایمانی نہیں ہے جن کو بعض صورتوں میں زمینیں ہتھیانے کے لئے نفیس چالوں اور بے معنے لنترانیوں سے کام لینا نہیں پڑا۔ کیوں کہ بنگال اور بہار میں بہت سے زمیندار یا تو ہتھیار اٹھا کر انگریزوں کی مخالفت کر رہے تھے یا زمین کا محصول باقاعدگی سے ادا نہیں کرتے تھے۔ انگریزوں کی نجی زمینداری قدرے محدود پیمانے کی ہونے کا سب سے بڑا سبب ہندستان میں زمینداری اور نجی تعلقات کا آپس میں بہت ہی وابستہ ہونا تھا، اور یہ حقیقت بھی کہ ہندستانی سماج میں کاشتکاروں اور زمینداروں کے مختلف زمرے ذات پات اور برادری کی درجہ بندی سے قدرے منطبق ہو گئے تھے اور عمل کے اعتبار سے واحد نظام کی صورت اختیار کر لی تھی۔

امتیازی طور پر ابتدائی حملہ آوروں سے نسل، مذہب اور برادری کی بیگانگی نے سماجی اور زمینداری کے تعلقات کے ہندستانی نظام میں ان کی مداخلت کی راہ میں کوئی خاص رکاوٹ پیدا نہیں کی تھی۔ اس دور سے متعلق جو مواد فراہم ہے اس سے واضح ثبوت مل جاتا ہے کہ ہندستان کے بعض حصوں میں ہندوؤں اور سکھوں کی ایسی زمینداریاں موجود تھیں جن کی آبادی میں مسلمانوں کی اکثریت تھی (اس کے برعکس صورت حال کا تو ذکر ہی کیا)۔ یہ کہنے کی تو چنداں ضرورت نہیں کہ اوپر کی پرت کے دیگر مذہب یا دیگر قومیت کے ان اراکین کے خلاف بغاوت کا اکثر یہی باعث بھی ہوا کرتا تھا، مگر ان اراکین کی جگہ ''مقامی'' لوگوں کو دے دینے سے مراد فرد یا گروہ کی تبدیلی ہی ہوا کرتی تھی۔

لیکن جب زمیندار کے فرائض کوئی انگریز انجام دیتا تو صورت حال مختلف ہوتی تھی۔ وہ بلندتر سرمایہ دارنہ نظام کی نمائندگی کرتا اور بورژوازی سے متعلق ہوتا تھا جو اس نظام کی بلندترین سماجی پیداوار کی حیثیت رکھتا تھا جس کا ابھی تک ہندستان میں پتہ بھی نہیں تھا۔ انگریز بورژوا جاگیردار زمیندار کے فرائض منصبی رسمی طور پر انجام دے سکتا تھا لیکن عام لوگوں کی بات تو ایک طرف رہی، زمیندار عملے کے اراکین سے بھی وہ روایتی ذاتی تعلقات قائم نہیں کرسکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ زمینی تعلقات کے ہندستان کے نظام کے اندر ذاتی طور پر انگریزوں کا داخلہ کبھی حقیقت کی صورت اختیار نہ کرسکا۔ انیسویں صدی کی آخری چوتھائی میں ہمالیہ کے دامن میں چائے کے باغوں کے لئے جو زمینیں انگریزوں کو منتقل کی گئیں وہ ہندستان کی ''سماجی اجوت زمینوں'' کا حصہ تھیں اور تعلقات اراضی کے پختہ نظاموں سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

کچھ بھی ہو انگریز قطعی طور نئے آئینی شعور اور انتظام وانصرام کی نمائندگی کرتے تھے۔ ان میں سے ان لوگوں کو بھی جنہوں نے ہندستانی قوانین روایات سے بخوبی واقفیت حاصل کرلی تھی، مقامی باشندے روایات کا نگہبان تسلیم نہیں کرتے تھے۔ اور وہ بھی ایک ایسے سماج میں جہاں ایسے پیداواری تعلقات اور ان سے مطابقت رکھنے والا ایسا طریقہ پیداوار موجود ہو، جہاں، جیسے مارکس نے بتایا ہے، ''روایت کا فیصلہ کن رول ہوتا ہے... علاوہ ازیں یہ بات یہاں بھی ہمیشہ کی طرح واضح ہے کہ یہ سماج کے حکمراں حلقے کے مفاد میں ہوتا ہے کہ وہ موجود نظام کو قانون کی حیثیت سے منظور کرے اور دستور اور رواج سے جو حدیں قائم ہوجائیں انہیں قانونی طور پر قائم کرے''۔65

ظاہر ہے کہ برطانوی سوداگری سرمایہ ہندستانی سماج میں نئی، سرمایہ دارانہ طرز پیداوار رائج کرنے کی حالت میں نہیں تھا اور درحقیقت وہ ایسا کرنا چاہتا بھی نہیں تھا اور اس لئے وہ ایک ایسی باقدعدگی اور ایسی صف بندی قائم کرنے کے قابل نہیں تھا جو نئی طرز پیداوار کو مستحکم کرسکتی۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ اس سرمائے کے انتظامی، آئینی اور سیاسی وسیلے کو اس طرز کے سماجی استحکام کا لحاظ لازمی طور پر کرنا تھا جو سرمایہ دارانہ تعلقات سے پہلے کے اس نظام کے اندر رونما ہوچکا تھا جو برطانوی فرمانروائی کے قیام سے پہلے ہندستان میں موجود تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ''برطانوی استعماریت کے ہاتھوں جاگیردارانہ تعلقات برقرار رکھے جانے'' کا ہمارا سابقہ نظریہ اس معنے میں درست نہیں تھا کہ اس نے برطانوی انتظامیہ کی کارروئیوں کو، جو درحقیقت ایک طرح کی تقلید پسندی تھی، ایک ارادی عمل قرار دیا۔

سلطنت مغلیہ جیسی مشرقی مطلق العنانیت کی سخت صف بندی اور نظم نے ہی ہندستانی سماج کی روایتی ترتیب کو برطانوی استعماریت پسندوں کی من مانی حکمرانی سے بچائے رکھا۔ سماج کی بالائی تشکیل کی اوپر کی صفوں میں برطانوی سوداگری سرمائے نے اپنے قدم جما کر محصول جمع کرنے کے حق غصب کر لئے لیکن وہ نچلی صفوں کے سماجی ومعاشی تعلقات کے روایتی نظام کی مزاحمت کو ختم کرنے اور ان کے نظم وضبط، استحکام اور باقاعدگی میں خلل انداز ہونے میں ناکام رہا۔

اسی طرح ہندستان میں جنس تجارت کے اندرونی تبادلے اور سماجی تقسیم محنت کے نظام میں برطانوی سوداگری سرمائے کی دخل اندازی بہت ہی خفیف تھی۔ زمینداری کے نظام کی طرح ہی موخرالذکر کی باقاعدگی اور استحکام مالک وملازم کے نجی تعلقات نے کیا تھا۔ اس لئے اس میں گھسنے میں وظائفی فرائض اور رواجوں سے واسطہ پڑتا تھا۔

ہندستان کی حرفتی پیداوار پر جو دوصدیوں سے یورپیوں کی ضرورتوں کی تسکین سے وابستہ تھی برطانوی سوداگری سرمائے کا اثر بڑا ہی خفیف تھا۔ ایک بات تو یہ تھی کہ یورپی ممالک ہندستان سے زیادہ تر ہاتھ کا بنا کپڑا درآمد کرتے تھے۔ اہل حرفہ سے فرمائش کرنے کا نظام اور شرطیں ایسی تھیں کہ ان سے صرف ہندستانی تھوک خریداروں کو ہی فائدہ ہو جب کہ صنعتی کارخانہ داری کے لئے ترقی کی محرکات چند ہی تھے۔ جیسے تپن رے چودہری نے بتایا ہے: ''یہ فرض کر لینے کی معقول بنیاد موجود ہے کہ اٹھارویں صدی کے آغاز میں برآمدات میں اضافہ کچھ تو پیداوار کے مرکزوں کے بدل جانے اور اجارہ دار کمپنی کے ذریعہ زیادہ فاضل پیداوار کے ہتھیار لئے جانے کے باعث ہوا ہوگا اور پیداوار میں متناسب اضافہ اس سے ظاہر نہ ہوتا ہوگا۔''66

ایک برآمداتی صنعت کے اندر عارضی توسیع کا نتیجہ یہ نہیں ہوا کہ بحیثیت مجموعی اس صنعت کی نشوونما ہوتی، نہ ہی اس میں سرمایہ دارانہ طرز کی تبدیلی رونما ہوئی، جیسا کہ اس صورت میں ہوتا جب کہ پیدا کرنے والے اور گاہک دونوں کو برابر حقوق حاصل ہوتے۔

بنگال میں سوداگری اور بینکی سرمایہ زرعی پیداوار کی تجارت کرتا رہا، اس نے زمینیں خریدیں جن میں شہری زمینیں، خصوصاً کلکتے کی زمینیں بھی شامل تھیں اور وہ یورپی کاروباریوں اور تاجروں کو امداد فراہم کرنے میں مصروف رہا۔ اس نے برطانوی کمپنیوں میں چھوٹے حصہ دار کی حیثیت سے شرکت کی اور

روایتی صنعتوں میں نتیجہ خیز سرمایہ کاری کئے بغیر ایسٹ انڈیا کمپنی کی ہنڈیوں میں سرمایہ لگایا۔

یہ صحیح ہے کہ متعدد مالی اور حکمت عملی کی مصلحتوں کے باعث ایسٹ انڈیا کمپنی کے عملے کا رجحان یہ تھا کہ مقامی چھوٹے پیمانے کی پیداوار کی بعض شاخوں کو اپنی روزمرہ کی ضرورتیں پوری کرنے کی غرض سے مدد دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاز سازی کے علاوہ جو بڑی حد تک برآمدی ضرورتوں کے ماتحت تھی، کمپنی بعض ایسی دوسری شاخوں کی جانب موافقت کے رویہ کو بھی اپناتی تھی جو برآمد کی جانب میلان نہیں رکھتی تھیں۔ نپولینی جنگوں کے دوران میں جنہوں نے جنگی جہازوں کی مانگ بڑھادی تھی اور جنہوں نے شمالی یورپ کی جہاز سازی کی لکڑی کی رسد سے برطانیہ کو الگ تھلگ کر دیا تھا، ہندستانی جہاز سازی سے دلچسپی بہت بڑھ گئی تھی۔ بنگال میں جہاز سازی کے متعلق ایک مضمون 1803 میں اے۔لیمبرٹ کے نام سے شائع ہوا تھا۔اس میں برطانوی بحریہ کے لئے جنگی جہاز بنگال میں بنانا قرین مصلحت ثابت کرنے کے لئے حساب اور تخمینے پیش کئے گئے تھے۔اس کے ساتھ ہی مضمون نگار نے واضح کیا تھا کہ لکڑی کے علاوہ جہاز سازی کی تقریباً سب ہی چیزیں برطانیہ سے درآمد کرنی پڑیں گی جس کے اخراجات تیار بحری جہاز کی مجموعی لاگت کے پانچ میں سے دو حصوں سے کسی طرح بھی کم نہیں ہوں گے۔ یہ آخری بات اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ان دنوں بھی جب کہ ہندستانی جہاز سازی کے لئے صورت حال موافق تصور کی جاتی تھی، اس تجویز کے حامی انگریز یہی سوچتے تھے کہ ہندستان جہاز سازی کی صنعت کو ٹکنیکی اعتبار سے برطانوی صنعت کے تابع رکھا جائے۔

انیسویں صدی کے آغاز تک کچھ برطانوی کاریگر ہندستان میں، خصوصاً کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں آ چکے تھے جو مقامی مزدوروں کو ملازم رکھتے تھے۔

لیکن چھوٹے پیمانے کے انگریز صنعت کار کبھی بھی بہت بڑی تعداد میں ترک وطن کر کے ہندستان نہیں آئے۔ چالیس پچاس برس بعد ہی برطانوی سرمایہ دارانہ پیداوار فیکٹری کی پیداوار کی حیثیت سے ہندستان منتقل ہونی شروع ہوئی۔ اسی طرح وہ ہندستانی کاریگر جو یورپی طرز کا سامان پیدا کرتے تھے کسی قابل لحاظ حد تک چھوٹے پیمانے کے سرمایہ دار کبھی بھی نہ بن سکے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندستانی کاریگروں کو مطلوبہ مالی اور ٹکنیکی سہولتیں فراہم نہیں تھیں اور سوداگری سرمائے نے یورپی طرز کی صنعتی پیداوار تک میں گھسنے سے کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کی اور وہ روایتی کاروبار برقرار رکھنے پر ہی مطمئن رہا حالانکہ اس میں کچھ

اصلاحیں ضرور کر لی گئی تھیں۔ برطانوی استعماریت پسندوں کے قائم کئے ہوئے سرمایہ دارانہ وضع کی ورکشاپوں کے چند ''مرکز'' ایسے کارخانوں کی نمودار ہونے کی خاصی ٹھوس بنیاد نہیں بن سکے، فیکٹری کی اس پیداوار کا تو ذکر ہی کیا، جس سے آج کل ہم واقف ہیں۔ رہیں ہندستانی دستکاریوں، تو ان کے اندر سرمایہ دارانہ تعلقات کے ارتقا نے نمایاں طور پر منفی کردار ادا کیا۔ ہندستان کے ساحلی علاقوں میں تاجر اور کاریگر جن میں نئے سماجی تعلقات کے پیدا ہونے کے امکانات تھے استعماریت کے مضرت رساں اثر کے سب سے زیادہ شکار ہوئے۔

ہندستان میں صنعتی سرمایہ داری کے دور میں استعماری استحصال کے نئے طریقے اور سماجی و معاشی تعلقات

سوداگری سرمائے کی طرح صنعتی سرمائے نے بھی غیر معاشی جبر کو نوآبادیاتی استحصال کے حربے کی طرح استعمال کیا۔ عالمی سرمایہ دارانہ منڈی کے نظام کے چکر میں آنے کے بعد ایشیائی اور افریقی ملکوں کی خود کفالتی علیحدگی کو ختم کرنے کے ایک عنصر کی حیثیت سے جبر ناگزیر ہونے کی جانب روزا لکسمبرگ نے اشارہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ سرمایہ دارانہ جمع اس بات کا انتظار نہیں کر سکتی کہ ''جنس تجارت کی معیشت کی جانب عبور کی تیاری میں غیر سرمایہ دارانہ صورتوں کا قدرتی، سست رفتار کٹاؤ پورا ہو جائے... اس صورت میں سرمایہ داری اور سرمائے کی جمع پر پابندی عائد کرنے والی خود کفیل تشکیلوں کے درمیان ٹکراؤ کا براہ راست نتیجہ جبر ہوا کرتا ہے۔''67

چنگی کی مراعات کے باوجود یورپی مال کی درآمد سے عموماً اتنی وصولی نہیں ہوتی تھی کہ مستحکم کاروباری بنیاد پر مطلوبہ کچا مال خریدا جا سکے۔ اس لئے ہندستان سے آنے والے مال کے خاصے بڑے حصے کو براہ راست ان محصولوں سے سہارا دیا جاتا تھا جن کا بیشتر حصہ کسانوں پر عائد کیا جاتا تھا اور فوجی خراج وصول کیا جاتا تھا اسے ہندستان سے عموماً کچے مال اور نیم تیار اشیا کی شکل میں برآمد کیا جانے لگا جنہوں نے خاص برآمدی مال کی حیثیت سے حرفتی مال کی جگہ لے لی تھی۔

کچا مال ہندستان سے نچوڑ لینے کے علاوہ برطانوی صنعتی سرمائے کا ایک اور مقصد یہ تھا کہ اپنے تیار مال کے نکاس کی منڈی کے نظام میں ہندستان کو گھسیٹ کر لے آیا جائے۔ نوآبادیوں سے مال کو نچوڑ کر لے جانے کے ساتھ ساتھ یا جزوی طور پر اس کے بجائے ایک غیر مساوی تبادلہ رائج کر دیا گیا جسے جبر کی

اس مشینری کے ذریعہ نہیں جس نے اس تبادلے کی راہ ہموار کی تھی بلکہ خرید وفروخت کرنے والے کے درمیان جنس تجارت وزر کے بظاہر مساوی تعلقات کے ذریعہ برقرار رکھا گیا۔

غیر مساوی تبادلے 68 کی اصلیت ترقی یافتہ اور پسماندہ ملکوں میں محنت کی کارگزاری کی قومی سطحوں کے درمیان فرق میں مضمر ہوتی ہے (جس میں محنت کی پیچیدگی کا درجہ، کیفیت اور شدت بھی شامل ہیں)۔ ترقی یافتہ ممالک ایک ہی مقدار میں قدر تبادلہ پیدا کرنے میں پسماندہ ملکوں کی بہ نسبت بہت ہی کم سماجی ضروری محنت صرف کرتے ہیں۔

صنعتی انقلاب نے محنت کی کارگزای کے اعتبار سے برطانیہ کو باقی دنیا سے کہیں آگے پہنچا دیا۔ وہیں سے دوسرے ملکوں سے اس کے ایسے وسیع پیمانے کے غیر مساوی تبادلے کا آغاز ہوا جس کی پہلے کہیں مثال نہیں ملتی۔

اس زمانے میں ایشیائی ممالک جمود کے بوجھ سے جھکے ہوئے تھے اور بعض ملکوں میں نوآبادیاتی محکومی، جنگوں اور روایتی معاشی تعلقات میں انتشار کے زیر اثر پیداواری قوتیں روبہ زوال تھیں۔ محنت کی کارگزاری کی سطحوں کے درمیان پہلے سے رونما فرق اب ایشیائی ملکوں کے لئے تباہ کن ثابت ہوا کیونکہ اس نے ان کی غیر مساوی معاشی حالت اس صورت میں بھی بگاڑی جب کہ انہوں نے بدیسی سرمایہ داروں سے رسمی طور پر مساوات کی بنیاد پر تجارت جاری رکھی۔

اپنی ٹکنیکی او معاشی برتری کو حقیقی صورت دینے کے لئے برطانیہ کو ہندستان کی خود کفالتی علیحدگی زبردستی توڑنی پڑی تا کہ برطانوی مال کے لئے اسے اسی طرح ایک بڑی منڈی بنایا جائے جس طرح اس نے اس وقت کیا تھا جب کچا مال فراہم کرنے والے کی حیثیت سے وہ ہندستان کو عالمی منڈی میں کھینچ کر لایا تھا۔ اس سمت میں برطانیہ کا پہلا قدم ہندستان کی چنگی کی آزادی کو منتشر کرنا تھا اور غلبہ بڑھنے پر بعد میں اسے قطعی طور پر مٹا دینا تھا۔ برطانوی صنعت اور تجارت کے مقابلے نے ہندستانی حرفتی پیداوار کی ان شاخوں کو سب سے پہلے متاثر کیا جو زراعت سے خود کفیل تعلقات کے نظام سے علیحدگی اختیار کر چکی تھیں۔ بہ الفاظ دیگر ہندستان کی قومی معیشت کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ عناصر کو سب سے زیادہ خطرہ پیدا ہوا۔ چنانچہ بدیسی مقابلے نے ان خطوں کو بڑی حد تک ناکارہ کر دیا جہاں پیداوار کے تعلقات اور سماجی تقسیم محنت نے سب سے زیادہ پختگی حاصل کر لی تھی۔ شہری اہل حرفہ کی صنعتوں کو جو ابھرتی ہوئی قومی

منڈی کی ضرورتیں پوری کرتی تھیں اور سرمایہ دارانہ ارتقا کی ابتدائی منزلوں سے گزرتی تھیں سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔ دیہی اہل حرفہ نے اس سے کہیں زیادہ سخت مقابلہ کیا۔ اس کی وضاحت اس طرح ہوتی ہے کہ وہ ایسے روایتی آلات زراعت تیار کرنے میں خصوصی مہارت رکھتے تھے جو تھوڑی سی یا کسی اصلاح کے بغیر ہندستان میں آج تک باقی ہیں۔ ان دستکاروں کو جو روزمرہ استعمال کی چیزوں کی پیداوار میں مصروف تھے، یہ فوقیت حاصل تھی کہ وہ مقامی آبادی کے روایتی ذوق اور ضرورتوں کی تسکین کے لئے کام کرتے تھے۔

برطانوی فیکٹریوں نے ہندستان میں صارف کی منڈی پر بہت ہی آہستہ آہستہ قبضہ کیا کچھ تو اس طرح کہ اس کے مال کو ہندستانی صارف کے لئے زیادہ سے زیادہ دلکش بنایا اور کچھ اس طرح کہ اس کی مانگ جان بوجھ کر ایک معیار تک محدود کر دی۔ صارفانہ برطانوی مال کے مقابلے نے ہندستانی صنعتوں کے کچھ اہم شعبوں کی پیداوار گھٹا دی لیکن وہ تجدید پیداوار کے عمل میں بحیثیت مجموعی نمایاں تبدیلی پیدا کرنے میں ناکام رہا۔ اس مقابلے نے مقامی صنعتی کاروبار کو بہت محدود کر دیا، سرمائے کی جمع میں رکاوٹ پیدا کی مگر وہ اسے مکمل طور پر بدیسی سرمائے کے کنٹرول میں لانے میں ہنوز ناکام رہا۔ ہندستانی تجدید پیداوار کی گردش میں برطانوی سرمائے کا پہلی بار بڑے پیمانے کا داخلہ پچھلی صدی کی تیسری اور چوتھی دہائیوں میں شروع ہوا جب کہ فیکٹری میں بنے ہوئے سوت، دھاتوں، رنگوں اور دوسرے نیم تیار مال کی درآمد کا آغاز ہوا۔ مقامی کاریگروں اور دستکاروں میں اس مال کی کھپت ہوگئی۔ ان درآمدان کی بدولت ہاتھ کی بنائی، دھات کے سامان کی تیاری اور دوسری دستکاریوں میں تباہی آئی اور بہت سی حرفتی صنعتوں میں تجدید پیداوار کے عمل میں بڑے پیمانے کی غیر ملکی صنعت کی جارحانہ پیش قدمی ہوئی۔

مقامی کچے مال کے سستے داموں سے وہ بڑے نقصانات پورے نہیں ہوئے جو اسے روایتی طریقوں سے استعمال کر کے نئی چیزیں بنانے سے ہوتے تھے۔ کپڑے کی قیمتوں کے سلسلے میں بھی بہت کچھ یہی صورت تھی۔ گذشتہ صدی کی چوتھی دہائی کے آخر میں برطانیہ سے درآمد کیا ہوا قمیصوں کا بہترین کپڑا دس آنے گز ملتا تھا جب کہ ہندستان کا بنا قمیصوں کا اس قسم کا کپڑا خواہ وہ درآمد شدہ سوت ہی کیوں نہ بنا ہو اس سے دگنی قیمت پر پیش کیا جاتا تھا۔ 69

بدیسی مال کی درآمد نے فروخت کے دوران میں بچولئے کا کردار بڑھا دیا اور اس کا قومی صنعتی

کاروباروں پر دوہرا اثر ہوا۔ ایک طرف تو سوداگر بچولئے نے صارفی چیزیں فروخت کر کے مقامی کاریگروں کو نقصان پہنچایا اور کثر صورتوں میں برباد کر ڈالا۔ دوسری طرف صنعتی سامان فروخت کر کے اس نے بعض صنعتوں کو تباہ کر دیا، دوسری صنعتوں میں لاگت گھٹائے رکھنے اور تیار مال کی کیفیت بڑھیا رکھنے میں مدد دی اور اس طرح فیکٹریوں میں تیار شدہ مال کی نسبت سے ان کی مقابلہ کرنے کی صلاحیت کو قدرے بڑھا دیا۔

کاریگروں کو کچے مال کی فراہمی پر قابو حاصل کرنے کے بعد اور ان کے تیار کئے ہوئے مال کو فروخت کرنے پر اجارہ داری حاصل کر کے سوداگر ان کا اصل مالک بن گیا۔ اس کی بدولت اسے نہ صرف زائد پیداوار بلکہ ضروری پیداوار کے ایک حصے کو بھی ہتھیا لینے کا موقع مل گیا۔ اس سے کاریگر کی پیداواری جمع کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہو گئیں۔ چند مستثنات کے ساتھ چونکہ تھوک خریدار حرفتی پیداوار میں سرمایہ نہیں لگاتے تھے جو ٹکنیکی اعتبار سے پسماندہ تھی، اس لئے جو قدر زائد انہیں حاصل ہوتی وہ گردش کے دائرے میں چلی جاتی تھی۔ انتہائی فرسودہ ٹکنیکی طریقوں کے رواج اور اسی کے مطابق محنت کی کم کارگزاری کا نتیجہ یہ ہوا کہ مزدوروں کی اجرتوں میں روز افزوں کمی ہوئی اور انجام کار خود کاریگر قلاش ہو گیا جس نے کھلی منڈی میں فیکٹری کے بنے مال کا مقابلہ کرنا اگر ناممکن نہیں تو بہت ہی مشکل پایا۔

گردش کے حلقے میں اور پیداوار کے حلقے میں سرمائے کی جمع کے پیمانے کے درمیان فرق، جو ہندستان میں عام طور سے دکھائی دیتا تھا، صنعتی سرمایہ داری کے دور میں اور بھی بڑھ گیا۔ پہلے تو سرمایہ پٹے داروں کے پاس جمع ہوتا تھا۔ بعد میں وہ آڑھتی بورژازی کے پاس منتقل ہو گیا۔ الگ الگ علاقوں میں جہاں انگریزوں سے مقابلہ اتنا سخت نہیں تھا وہاں بھی سوداگروں اور بینکروں کے اختیار میں جتنا سرمایہ تھا وہ کاریگروں اور دستکاروں کے اپنے ساز و سامان اور اوزاروں کی مجموعی قیمت سے دسیوں گنا زیادہ تھا۔

ہندستان کی معاشی پسماندگی کا باعث جس کے آثار انگریزوں کا دور شروع ہو جانے سے پہلے بھی نظر آنے لگے تھے، یہ حیثیت تھی کہ محنت کے آلات کی پیداوار ترقی یافتہ کارخانہ داری کی سطح تک پہنچنے میں ناکام رہی تھی۔ کارخانہ داری کی وضع کی ایسی کارگاہوں کے قیام سے ہی جہاں مشینی امدادی آلے اور مشینیں تیار ہو سکتیں، صنعتی سرمایہ داری کے دور میں ہندستان کی ٹکنیکی اور معاشی پسماندگی کم ہو سکتی تھی۔ لیکن گذشتہ صدی میں جاپان کے علاوہ دوسرے تمام ایشیائی ملکوں کی طرح آلات محنت کی پیداوار میں

ہندستان میں کوئی نمایاں مثبت تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

انیسویں صدی کے وسط میں سرمایہ دارانہ طاقتوں، سب سے پہلے برطانیہ کے پاس ترقی یافتہ آلات پیداوار اور ذرائع نقل وحمل کی بلاشرکت غیرے اجارہ داری تھی اور اس لئے وہ اپنی نوآبادیوں اور محکوم خطوں کو نہ صرف صرفے کی چیزیں بلکہ بھاری سامان اور نقل وحمل کا ساز وسامان بھی برآمد کر کے ان کی معاشی نشوونما اور ترقی پر براہ راست اثر انداز ہوسکتی تھیں۔ چنانچہ انیسویں صدی کا دوسرا حصہ شروع ہوتے ہوتے پیداواری شکل میں سرمائے کی برآمد کے حالات پیدا ہو چکے تھے۔

لیکن اس دور میں برطانیہ سرمائے کا ہندستان میں استعمال محدود تھا۔ ایک برطانوی نوآبادیاتی عہدیدار کے قول کے بموجب نیل اور شکر کی پیداوار کے علاوہ ہندستان میں ایسے کوئی بڑے حلقے موجود نہیں تھے جہاں برطانوی سرمایہ منافع بخش طریقے سے لگایا جاسکتا ہو۔ زمینیں خریدنے کی اجازت مل جانے سے بھی صورت حال میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی کیونکہ انگریزوں کو زمینیں خریدنے میں ہچکچاہٹ تھی، ان کے خیال میں زمین خریدنے کے لئے یہ موزوں ملک نہیں تھا۔70 درحقیقت برطانوی صنعت کار زمین خریدنے اور اس طرح مقامی آبادی سے ذاتی تعلقات قائم کرنے سے ہچکچاتے تھے۔ اجرت پر مزدور حاصل کرنے کی شرائط اور اس کی قابلیت اور منڈی کی تنظیم کو بھی وہ موزوں تصور نہیں کرتے تھے۔ بہ الفاظ دگر برطانوی سرمایہ دار اس منزل پر اترنا نہیں چاہتے تھے جس سے تواریخی اعتبار سے وہ عرصہ دراز پہلے گزر چکے تھے۔

یہ سوچنا بے حد سادگی ہوگی کہ برطانوی حکمرانوں نے جان بوجھ کر ہر جگہ اور ہر مرتبہ ہندستانی پیداواری قوتوں کی رفتار سست کر دی یا یہاں تک کہ ان کو تباہ و برباد کر دیا۔ ابتدائی منزلوں ہی میں ان کو ہندستانی زراعت کے بعض حلقوں میں (مثلاً کپاس کی پیداوار بڑھانے سے) یہاں تک کہ بعض صنعتوں اور ذرائع نقل وحمل سے دلچسپی تھی۔ لیکن بہتر پیداوار کے انفرادی مرکز تخلیق کرنے کی تمام کوششیں فرسودہ سماجی ومعاشی تعلقات کی چٹانوں سے، جنہیں برطانوی حکمرانی نے نہ صرف جوں کا توں برقرار رہنے دیا بلکہ بڑی حد تک مستحکم بھی کیا، ٹکرا کر پاش پاش ہوگئیں۔

انیسویں صدی کی تیسری دھائی سے لے کر چھٹی دھائی تک مہاراشٹر میں حرفت، تجارت اور قرض کا نظام

معاشی تاریخ کے عالموں کے لئے مہاراشٹر کی معاشی تاریخ بارہا باعث کشش ثابت ہوئی۔

مہاراشٹر میں زرعی تعلقات خاص دلچسپی کا باعث ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ: (ا) وہاں کے سماجی اور معاشی نظام میں زمین اور محصولاتی تشکیل بدستور فیصلہ کن عنصر رہے اور (ب) زیر تبصر ہمدت کے لئے بہت سے اعداد و شمار دستیاب ہیں۔

ہمارے اندازے کے بموجب ایک اوسط خوش حال کسان کنبہ جس کے پاس زمین ہوتی تھی اپنی خاص فصلوں کی پیداوار کی قیمت کا کوئی 3 فیصدی حصہ زرعی آلات خرید نے پر صرف کرتا تھا اور مزید 6 سے 8 فیصدی تک حصہ وہ حرفتی سامان پر خرچ کرتا تھا۔ زرعی آلات دیہی کاریگر سے عام طور پر بصورت جنس تبادلہ کر کے حاصل کئے جاتے تھے لیکن روزمرہ استعمال کی چیزیں زر خرچ کر کے خریدی جاتی تھیں اور دیہی آبادی میں منڈی کی مانگ پیدا کرنے کا وسیلہ ہوتی تھیں۔

انیسویں صدی کے ابتدائی نصف زمانے میں مرہٹہ حرفتوں کی معاشی تنظیم کے متعلق قابل اعتماد معلومات فراہم نہیں ہیں۔ متفرق معلومات جتنی کچھ فراہم ہیں ان کے بموجب فرض کیا جاسکتا ہے کہ بیشتر شہری کاریگروں کا انحصار تھوک خریداروں پر ہوتا تھا۔ قیمتی چیزیں تیار کرنے والے کاریگروں کے معاملے میں یہ انحصار خاص طور سے زیادہ ہوتا تھا کیونکہ مطلوبہ کچے مال اور نیم تیار مال کی رسد پر تھوک خریداروں کا اختیار ہوتا تھا۔ انیسویں صدی کی تیسری دہائی میں مہاراشٹر بلکہ سارے ہندستان کے اہل حرفہ نے درآمد شدہ نیم تیار مال جیسے سوت اور دھاتیں استعمال کرنی شروع کر دیں۔ اس سے تھوک خریداروں کو چھوٹے پیمانے کی حرفتوں پر اپنی مضبوط کرنے میں سہولت فراہم ہوگئی۔

انیسویں صدی کے پہلے نصف زمانے میں ہندستانی سماج میں معاشی اجزا منتشر ہوئے اور سماجی انتشار رونما ہوا۔ مہاراشٹر اور مغربی اور جنوبی ہندستان میں اس سے ملحقہ بعض خطوں کی صورت حال پر جو معلومات فراہم ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ انیسویں صدی کے پہلے نصف زمانے میں ہندستان کا نوآبادیاتی ارتقا ان عوامل کے ساتھ ساتھ رونما نہیں ہوا تھا جو پیداوار کے حلقے میں سرمائے کی ابتدائی جمع میں مدد ہوتے ہیں۔ سرمایہ داری کے ارتقا کے لئے موزوں حالات کے فقدان نے زراعت میں سوداگری سرمائے کی طفیلی نوعیت متعین کر دی تھی۔ مدراس اور بمبئی کے رعیت داری علاقوں میں محصولوں کے بوجھ تلے دبا ہوا کسان مقامی مہاجنوں کی جبری وصولیوں کا بہ آسانی شکار ہو جاتا تھا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود رعیتی زمینیں شاذ و نادر ہی مہاجنوں کے قبضے میں منتقل ہوتی تھیں۔ پچھلی صدی کی پہلی نصف مدت

میں سرمائے کی ابتدائی جمع کا غالباً واحد نمایاں مرحلہ جس کا کوئی بھی امکان تھا، نقد سرمائے کا جمع ہونا تھا۔ اس دور میں سارے ہندستان میں سوداگر ہر طرح سے اپنی دولت میں اضافہ کر رہے تھے حالانکہ دولت کی مقدار میں بہت بڑا فرق تھا۔ گجراتی خصوصاً بمبئی کے آڑھتی زیادہ فائدے میں رہے۔

زیر تبصرہ دور میں بمبئی بدستور ایک ایسی مدر ہا جو اندرونی سے زیادہ بیرونی کی جانب، برطانیہ کی جانب اور بحر ہند اور مشرق بعید میں برطانیہ کے مفادات کی جانب جھکا ہوا تھا۔

بنگال اور بہار میں بحیثیت مجموعی معاشی صورت حال، حرفت، تجارت اور نئے کاروبار

پچھلی صدی کی تیسری اور ساتویں دہائیوں کے درمیان بنگال اور بہار ہندستان کے دوسرے علاقوں کی بہ نسبت کئی اعتبار سے مختلف تھے۔ اس کی وجہ ان علاقوں کے ارتقا کی خصوصی کیفیت، برطانوی استعماریت پسندوں کی وہاں نسبتاً جلد آمد، ان کے سماجی و معاشی اقدامات اور بنگال اور بہار کے نہایت ہی خاص قدرتی حالات اور وسائل تھے۔

انیسویں صدی کے ابتدائی نصف زمانے کے بنگال کی معاشی تاریخ سب سے پہلے تو ہندستانی عالموں کی گہری دلچسپی کا باعث بنی ہوئی ہے۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ ان دنوں اس علاقے کے معاشی ارتقا کے نتائج پہلے کی بدنسبت مختلف روشنی میں پیش کئے جائیں جب کہ ہوتا یہ تھا کہ ڈھاکہ اور دوسرے قدیم شہروں کے زوال اور سماجی میدان عمل میں اس کے المناک نتائج انفرادی مثبت عوامل پر غالب آجاتے تھے۔

چنانچہ اے۔ گوھا تسلیم کرتے ہیں کہ 1815 سے پہلے اور بعد کی نسل کی مدت میں بنگال کی معیشت کی کچھ شاخوں، خصوصاً نیل، کپاس، ریشم کی پیداوار میں، جہاز سازی اور اندرونی اور بیرونی تجارت میں کچھ ترقی تھی۔ انہوں نے اس دور کی مستند ہستی راجہ رام موہن رائے کے 1831 کے بیان کا حوالہ دیا ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ دولت میں اضافے کا سبب ''زمینی املاک کی قیمتوں میں اصل اضافہ ہے۔'' ان کی مراد زمینداری املاک تھیں۔ اس لئے رائے نے نتیجہ نکالا تھا کہ صرف ''زمیندار اور روزمرہ استعمال کی چیزوں کے سوداگر'' ہی مالدار بن سکتے ہیں۔ 71 اس طرح جو پیداوار فاضل ہوتی اس کا بیشتر حصہ برطانیہ کو برآمد کر دیا جاتا اور جو کچھ بچ رہتا وہ زمیندار اور روزمرہ استعمال کی چیزوں کے سوداگر

اپنے پاس رکھ لیتے۔

روایتی حرفتوں خصوصاً پارچہ بافی کے زوال سے پیدا ہونے والی کمی سماجی اعتبار سے نہیں تو کم از کم پیداوار کے اعتبار سے ابتدائی سرمایہ داری، کارخانہ داری یا یہاں تک کہ فیکٹری کی بنیاد پر نئی صنعتوں کی ترقی کے ذریعے پوری کی جاسکتی تھی۔ بنگال میں نئے کاروبار قائم کرنے والوں نے جو انگریزوں کی شراکت میں یا اکیلے ہی اپنا دھندا چلاتے تھے، کمی اس طرح پوری ہونے سے بڑی بڑی امیدیں لگائی تھیں۔ لیکن عام طور سے دیکھیں تو بنگال میں بینکی اور سوداگری سرمائے نے برطانوی نیا کاروبار قائم کرنے والوں اور مقامی زمینداروں کی خدمت کرنے سے آگے بڑھنے کی کسی سنجیدہ خواہش کا اظہار نہیں کیا۔ گذشتہ صدی کی پانچویں دھائی میں اس خدمت کا خاص حلقہ زراعتی پیداوار کی تجارت ہی رہا جس سے محصول اور لگان کی وصولی کا نیز پیداوار کی برآمد کا سلسلہ جاری رہا۔

گذشتہ صدی کے پہلے نصف زمانے میں ہندستانی کاربار قائم کرنے کے معاملے میں اس کے پیمانے اور پختگی کے اعتبار سے بنگال بمبئی سے کسی طرح پیچھے نہیں تھا۔ شاید اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ گذشتہ صدی کی تیسری دھائی تک بمبئی میں نیا کاروبار قائم کرنے والوں کے لئے زمین کا خاصا بڑا رقبہ مہیا نہیں تھا۔ لیکن بعد میں بمبئی نے قومی صنعت کے ارتقا میں بنگال پر سبقت حاصل کر لی۔ گذشتہ پوری صدی کے دوران میں بنگال کی روایتی تجارت پیشہ ذاتوں نے تجارت کی جانب زمیندار امرا اور ''تعلیم یافتہ متوسط طبقوں'' کے حقارت آمیز رویے سے فائدہ اٹھایا اور کلکتے میں گردش زر کے میدان عمل پر رفتہ رفتہ پوری طرح قابض ہوگئیں۔ بہت سے چھوٹے چھوٹے تاجر بڑے بڑے سودے کرنے لگ گئے جب کہ ان سے زیادہ مالدار لگان خوار فضول خرچی اور عیاشی کی بدولت تباہ حال ہوگئے۔

چنانچہ اٹھارویں صدی کے اواخر میں خودمختار صنعتی کاروبار قائم کرنے کا رواج بنگال میں ویسے ہی کم تھا کہ انیسویں صدی کے وسط تک کم ہوتے ہوتے وہ قطعی اور نسبتی اعتبار سے اتنا کم رہ گیا کہ قابل نظر انداز تھا۔ اس طرح ان دنوں بنگال کی صنعت میں کسی قومی سرمایہ دارانہ تشکیل کے قیام کا ذکر ہی نہیں ہوسکتا۔ انفرادی کارخانوں نے جو عموماً انگریزوں کے ملکیت تھے اور زراعتی خام مال پر عمل کرتے تھے، اس مال کو ہندستان سے لے جانا انگریزوں کے لئے آسان کر دیا۔ لیکن چونکہ بنگال کی کسان معیشت کی پیداوار منڈی میں نسبتاً زیادہ قابل فروخت ہوتی تھی اس لئے چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی تشکیل کے قیام

کے لئے اس سے زمین ہموار ہوگئی۔اس کی ناگزیر شرط نام نہاد محفوظ پٹے داری کا اجرا تھا۔اس کا مقصد پیداوار کی اس مقدار کو محدود کرنا تھا جو زمیندار کسان سے لے سکتا تھا۔

بنگالی بورژوازی کے ابتدائی عناصر یا تو اپنی زمینداری جائدادوں کی طرف متوجہ ہوئے یا برطانیہ اور رجواڑوں کے انتظامی عملے کی خدمت کو چلے گئے۔بورژوازی کے ایک حصے نے آزاد پیشے اختیار کر لئے۔بیشتر زمینداروں نے اپنے دوہرے مرتبے کو صبر کر کے تسلیم کر لیا کیونکہ قومی افتخار اور وقار کی شکل میں انہیں جو قیمت ادا کرنی پڑی اس سے کہیں زیادہ صلہ انہیں اس کے عوض ملی ہوئی مادی خوش حالی اور اپنے ہم وطنوں کی نگاہ میں بلند سماجی مرتبے کی صورت میں مل گیا۔لیکن بنگال کے اس زمینداری ماحول ہی نے راجہ رام موہن رائے کو جنم دیا۔وہ پہلے ہندستانی تھے جو بحیثیت مجموعی پوری قومی ضرورتوں اور مفادوں کا شعوری طور پر اظہار کر سکے۔برطانوی حکمرانی اور اس کے بندوبست استمراری کو تسلیم کرتے ہوئے بھی راجہ رام موہن رائے نے اس میں اہم تبدیلیاں کرنے کی مہم چلائی۔موجودہ مطالعے کے سیاق وسباق میں ان کے معاشی نظریے خاص طور پر برمحل ہیں۔اور باتوں کے علاوہ انہوں نے یہ بھی بتایا تھا کہ بنیادی زمینی محصولاتی نظاموں نے رعیت پر لگائے ہوئے لگان کی روایتی پابندیوں میں خلل پیدا کر دیا۔اس بات نے ہندستانی زراعت میں سرمائے کی جمع میں رکاوٹ ڈالی۔اس لئے ان کی تجویز تھی کہ رعیت واری علاقوں میں زمین کے محصول کی اور زمینداری علاقوں میں کرائے کی ادائیگیوں کی شرحیں مقرر کر دی جائیں۔

دیہی امرا کی معاشی سرگرمیوں میں کاروبار قائم کرنے کی امکانی صلاحیت کے مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کئے بغیر ہم اس بات پر زور دینا چاہتے ہیں کہ انگریزوں نے زراعتی پیداوار کی وصولی کی جو شرح رائج کی تھی خود اس نے اس صلاحیت کے بروئے کار آنے کی راہیں روکیں۔علاوہ ازیں تاثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ زمین کے محصول کی برطانوی پالیسی نے دیہی امرا کو مجبور کیا کہ دولت حاصل کرنے کے غیر پیداواری طریقے جیسے زمینوں کو اور ایک بار پٹے پر دینے،سودخوری اور تجارت کی راہیں اختیار کریں۔

کاشتکاری کی خدمت انجام دینے والی حرفتوں میں نمایاں تبدیلیاں واقع نہیں ہوئیں کیونکہ کسانوں کی مانگ کیفیت اور کمیت ہر دو اعتبار سے قدرے جامد تھی۔اس کے ساتھ ہی زرعی آلات کے ٹھیراؤ نے ان حرفتوں کو غیر ملکی مقابلے سے محفوظ رکھا۔

چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی تشکیل کی سب سے بڑی حرفت یعنی پارچہ بافی میں صورت حال

قطعی مختلف تھی۔ان حلقوں کے زوال کے ساتھ ساتھ جو اعلیٰ قسم کا کپڑا تیار کرتے تھے روزمرہ استعمال کے مال کی پیداوار اور فروخت کے حالات میں بھی تبدیلی کے آثار نمایاں تھے۔ درآمد شدہ سوت کے روز افزوں استعمال کی بدولت کپڑا بڑھیا ہو گیا اور قیمتیں گھٹ گئیں اور کم از کم اس اعتبار سے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے پارچہ بافوں کی حالت بہتر ہو گئی ہو (بشرطیکہ ہم ان نقصانات کو چھوڑ دیں جو ان کے کنبے کے ان افراد کو برداشت کرنے پڑے جو پہلے سوت کاتنے کا کام کرتے تھے)۔لیکن اس فائدے کو اس بڑھتے ہوئے مقابلے نے بڑی حد تک تباہ کر دیا جو فیکٹری میں بنے اس مال سے ہوتا تھا جو برطانیہ سے درآمد کیا جاتا تھا۔ کپڑے کی قیمتیں مقرر کرنے کی بنیاد کی حیثیت سے برطانیہ کی فیکٹری میں آنے والی لاگت کو ہندستان کی منڈی میں رائج کرنے سے مقامی پارچہ بافی میں نیا کاروبار قائم کرنے کی غرض سے سرمایہ جمع ہونے کا امکان ہی ختم ہو گیا۔

اس زمانے میں ہندستان میں جو تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں ان کا ان انفرادی حرفتوں پر جو برتن بنانے کا کام کرتی تھیں مختلف اثر پڑا۔ سب سے زیادہ خسارے میں وہ کاریگر رہے جو مقامی اور غیر ملکی دونوں امرا کے نفیس ذوق کی تسکین کے لئے سامان تیار کرتے تھے۔اس کے ساتھ ہی ان اہل حرفہ کو بھی تنگی کا سامنا کرنا پڑا جو چھوٹے زمینداروں کی خدمت انجام دیتے تھے حالانکہ ایسی صورت حال ہر جگہ پیدا نہیں ہوئی۔ ان کاریگروں کی حالت کا انحصار سب سے پہلے ان کے روایتی گاہکوں میں ان کے مال کی مانگ میں رونما ہونے والی تبدیلیوں پر تھا۔

اس قاعدے سے سرمایہ دارانہ تنظیم کے اعتبار سے صرف ایک ہی زمرہ مستثنیٰ تھا۔اس میں یورپی وضع کا مال تیار کرنے والے کاروبار آتے تھے جو اکثر و بیشتر صورتوں میں پریسیڈینسیوں کے صدر مقامات میں واقع تھے ان میں اجرتی مزدور بڑی تعداد میں لازم رکھے جاتے تھے اور ساتھ ہی یورپ سے مستعار لی ہوئی ٹکنالوجی سے استفادہ کیا جاتا تھا۔اس سے پیداوار میں نہ صرف اتحاد عمل کی بلکہ پیداوار کی ٹکنالوجی کے مطابق محنت کی تقسیم کی بھی ضرورت درپیش ہوئی۔ لیکن ایسے کاروباروں کی تعداد اگرچہ سینکڑوں پر مشتمل تھی مگر وہ محض چند مرکزوں میں یکجا تھے اور ہندستان جیسے طول وعرض کے ملک کے لئے کارخانہ داری کی وضع کی ملک گیر معاشی تشکیل قائم نہیں کر سکتے تھے۔

تفصیلی تقسیم محنت کی ورکشاپوں پر مبنی صنعتوں (اسلحہ سازی، کاغذ سازی وغیرہ) کی مفلسی اور زوال

کو اگر ہم پیش نظر رکھیں تو دیکھیں گے کہ اس دور کے ہندستان میں چھوٹے پیمانے کی سرمایہ دارانہ تشکیل یا کارخانہ داری کی موجودگی کے متعلق تمام خیال آرائیاں قطعی بے بنیاد ہیں۔ انفرادی طور پر سوداگروں، بینکروں اور زمینداروں کی بدولت میں اضافے کو ایک ایسی چیز سمجھتے ہوئے دیکھنا چاہئے جس نے اس سرمایہ دارانہ تشکیل کی زمین ہموار کی جو بعد میں ظاہر ہوئی۔ جہاز سازی، کوئلے کی کانکنی، لوہے اور فولاد کی صنعت اور یہاں تک کہ نیل کو تیار کرنے میں صنعتی کاروبار کا آغاز کرنے کی ناکام کوششوں سے ثابت ہوگیا تھا کہ اس زمانے کے ہندستان میں قومی سرمایہ دارانہ صنعت کے نمو کی موافقت کرنے والے معاشی اور سیاسی معروضی حالات موجود نہیں تھے۔ ایک نئی صورت حال کی ضرورت تھی جس میں ہندستان کے صاحب جائداد طبقے اپنے مالی وسائل کو سرمایہ دارانہ پیداوار کے وسائل میں تبدیلی کر سکتے، وہ صورت حال جو زمینی محصول کی ترمیم شدہ پالیسی، ریلوں کی بڑے پیمانے کی تعمیر اور برطانوی سرمائے کے لئے ہندستان کو رفتہ رفتہ ایک بڑی منڈی میں تبدیلی ہوجانے سے (1857-1858 کو قومی بغاوت کے بعد) پیدا ہوئی۔

استحصال کے سامراجی طریقوں کی جانب عبور اور ہندستانی سرمایہ داری

انیسویں صدی کے وسط تک ہندستانی خام اشیا کی برآمد اور برطانوی فیکٹریوں میں تیار شدہ مال کی درآمد بہت بڑھ گئی تھی۔ پھر بھی وہ اس سطح تک نہیں پہنچ پائی تھیں جہاں ہندستان کو برطانیہ کا ایسا دم چھلا بنایا جاسکتا تھا جو بنیادی طور پر زرعی اور کچا مال فراہم کرتا ہو۔ برطانوی استعماریت پسندوں کا اولین مقصد بدستور یہی رہا کہ محصولات کے ذریعے ہندستان کی لوٹ سے آمدنی حاصل کریں۔

محصول کی صورت میں جو پیداوار وصول کر لی جاتی تھی اس کو انجام کار برآمد کے مال میں، جو نوآبادیاتی خراج کی حیثیت رکھتا تھا، تبدیل کرنے کا بحیثیت مجموعی رجحان اگرچہ برقرار رہا، مگر خارجہ تجارت کی تشکیل میں بنیادی تبدیلی رونما ہوگئی۔ اہل حرفہ کی تیار کی ہوئی چیزیں ہندستان کی برآمدات سے خارج کر دی گئیں اور ان میں زرعی اشیأ کا غلبہ تھا۔

ہندستان کو برطانوی سرمائے کی برآمد جو انیسویں صدی کے وسط میں شروع ہوئی تھی ابتداً بذات خود اہمیت نہیں رکھتی تھی کیونکہ اس کا تعلق ہندستان سے خام اشیا نکال کر باہر لے جانے کی رفتار بڑھانا تھا۔

گذشتہ صدی کے پورے آخری نصف زمانے کے دوران ہندستان میں برطانوی سرمائے کا بہت بڑا حصہ ریلوں پر لگ رہا تھا۔ انیسویں صدی کے وسط کے بعد برطانوی سرمایہ داروں نے فیکٹریوں اور کانکنی میں سرمایہ کاری شروع کر دی۔ انیسویں صدی کی چھٹی دھائی کے آخر تک انہوں نے کلکتے کے نزدیک پٹ سن کے اپنے پہلے کارخانے چالو کئے۔ کپاس اور پٹ سن پیدا کرنے والے علاقوں میں کپاس اور پٹ سن پر عمل کرنے کے لئے ہزاروں مشینوں سے لیس چھوٹی موٹی ورکشاپیں قائم کی گئیں۔ ہندستان میں برطانوی سرمایہ کاری کا ایک اور بڑا حلقہ آبپاشی کے سلسلوں کی تعمیر اور بحالی کا تھا۔

قومی سرمائے کی جمع کے عمل میں اس بڑے بھاری خراج سے رکاوٹ پیدا ہوتی تھی جو ہندستانی سرمایہ داروں کو اپنے برطانوی آقاؤں کی خدمت میں پیش کرنا پڑتا تھا۔ ہر سال کے گزرنے کے ساتھ ساتھ خراج کی مقدار میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس کی صحیح مقدار معلوم کرنا ابھی غیر ممکن ہے کیونکہ برطانوی سرکاری اعداد وشمار میں اس خراج کی بعض دفعات کو چھپایا گیا ہے جس کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ باقی اعداد وشمار اصل سے کم کر کے بیان کئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر نوآبادیاتی خراج کی نہایت اہم مرئی اور غیر مرئی مدوں کو حساب سے قطعی خارج رکھا گیا ہے۔ ان میں غیر مساوی مبادلے کی آمدنی اور جہاز سازی، ازسرنو سرمایہ کاری کے منافعے، نوآبادیاتی اقتدار کے فوجی اور انتظامی عملے کے زبردست اخراجات اور جارحانہ جنگوں کے اخراجات شامل ہیں۔ فوج اور نوآبادیاتی انتظامیہ پر بجٹ کی کل آمدنی کے پانچ حصوں میں سے تین صرف ہو جاتے تھے۔ اس کا تقریباً آدھا حصہ برطانوی فوجی اور عہدیدار بیرونی ملک بھیج دیا کرتے تھے۔ کل ملا کر نوآبادیاتی سالانہ خراج دس کروڑ پونڈ سے زیادہ ہوتا تھا۔

استحصال کے نئے سامراجی طریقوں نے ہندستان میں سرمایہ داری کے ارتقا کو خاص قوت فراہم کی۔ لیکن عام طور پر نوآبادیاتی اقتدار کی طرح اس استحصال کی ایک لازمی شرط تھی یعنی سرمایہ دارانہ ارتقا پر تنگ نوآبادیاتی اور جاگیرداری حدود جاری رکھنا تھا۔ اس مقصد کے پیش نظر برطانوی سامراج نے ہندستان کی سیاسی اور معاشی زندگی پر اپنی گرفت مضبوط کر دی اور اس طرح زراعتی کاروبار قائم کرنے کے سلسلے میں کسی بامعنی ترقی کو باز رکھا۔

تاثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ گذشتہ صدی کے آخری نصف میں ہندستان کے دیہی امرا نے اپنے اندر باہمی امتیاز زمینداریوں کی وسعت، خاص طور سے اپنے نقد وسائل سے کیا، اپنے زیر اختیار زرعی پیداوار

کی وسعت اور تنظیم سے نہیں۔ ہندستانی دیہات میں کاروبار کرنے والے دراصل تجارت اور مہاجنی کاروبار کرنے والوں کی حیثیت سے پیدا ہوئے۔ کاروبار کرنے والے زمیندار مستثنات میں سے تھے۔ محصولی آمدنی کے نظام خاتمہ کرنے سے برطانوی استعماریت پسندوں نے تجارت اور مہاجنی لین دین کرنے کے کاروبار کی توسیع کے نئے مواقع فراہم کئے۔

زمین کی ملکیت کے اعلی اختیارات برطانوی استعماریت پسندوں نے اپنے ہاتھ میں رکھے جس کے باعث ان کے اور ہندستانی زمینداروں کے درمیان کچھ کشمکش پیدا ہوئی۔ معاشی حلقے میں اس کشمکش کا اظہار کسانوں پر لگائے ہوئے لگان کی زمینداروں اور برطانوی انتظامیہ کے درمیان تقسیم سے ہوا، خصوصاً اس صورت میں جب کہ زمین کا محصول مقرر نہیں تھا۔ سیاسی میدان عمل میں مفادات کے اس تضاد کا اظہار مالکان زمین اور ان سے متعلق دانشوروں اور دفتری گروہوں میں بے چینی اس وجہ سے پیدا ہوئی کہ انگریزوں نے ان کی ارضیاتی املاک کے ایک حصے کو ضبط کر لیا تھا اور اس وجہ سے بھی کہ مالکان زمین کے بعض حلقوں کی آمدنی گھٹ گئی تھی۔

گذشتہ صدی کی آخری تہائی میں جنس تجارت وزر کے تعلقات کی ہندستانی دیہات میں سرایت ہونے پس منظر میں بڑے پیمانے کی زمینداری اور چھوٹے پیمانے کی کسان ملکیت کے قیام سے ابتدائی سرمائے کی جمع کے لئے میدان ہموار ہو گیا (کسانوں کی بے دخلی، ذرائع پیداوار، سب سے پہلے زمین سیان کی محرومیت)۔ لیکن روایتی سماجی تشکیل کے متواتر وجود نے اس عمل کی تکمیل میں رکاوٹ ڈالی۔ کسان اپنی زمین سے محروم ہو گیا جو صرف اسی صورت میں اسے بحال ہوئی جب وہ بٹائی دار بننے پر رضامند ہوا یا نہایت قلیل معاوضے پر کھیت مزدور بنا۔

برطانوی حکمرانی کے قانون نے ان رکاوٹوں کو توڑ ڈالا جو کسان کی زمینوں کو مہاجنوں کے حوالے کرنے کی راہ میں حائل تھیں۔ جیسا کہ آر۔ ڈی۔ چوکسے نے لکھا ہے: ''انگریزوں سے پہلے کے زمانے میں مہاجنوں پر دو پابندیاں عائد تھیں: ایک تو طاقتور دیہی برادریوں کا وجود، دوسرے زمینی محصولات کے قرضوں کی وصولی کے سلسلے میں ریاست کی بے دلی۔ اس فرض منصبی کو گاؤں کی پنچایتوں کے سپرد کیا جا رہا تھا۔ دیہات کی برادریوں کا شیرازہ منتشر ہونے سے ہی ساہوکاروں اور زمین کے لٹیروں کو رعیت کا استحصال کرنے کا موقع ملا۔''72 انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں زمینیں تاجروں اور مہاجنوں

کے ہاتھوں میں منتقل ہونی شروع ہوگئیں۔صوبہ متحدہ میں بھی جہاں برآمدی فصلوں کی کاشت محدود پیمانے پر ہوتی تھی، اراضیاتی جائداد مہاجنوں کے ہاتھوں میں جمع ہونی شروع ہوگئی۔مہاراشٹر میں جسے انگریزوں نے کپاس پیدا کرنے والے خاص علاقے میں تبدیل کرلیا تھا، آٹھویں دہائی میں رعیت کو زمین سے محروم کیا جانے لگا۔

جنس تجارت کے اعتبار سے ہندستان کی خارجہ تجارت کی جو تشکیل پہلی عالمی جنگ شروع ہوتے وقت موجود تھی اس کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی درآمدات میں صارفانہ نوعیت کی اشیا کا غلبہ رہا۔ جہاں تک پیداوار دینے والے درآمد شدہ مال کا تعلق ہے، اس کی مجموعی قدر دو کروڑ پونڈ تھی جو درآمدات کی مجموعی قدر کے کوئی چوتھائی حصے کے برابر ہے۔صنعتی نیم تیار مال جیسے کہ آہنی اور غیر آہنی دھاتیں اور کوئلہ درآمد شدہ مشینوں اور ساز وسامان کی بہ نسبت قیمت میں 200 فیصدی زیادہ ہوتا تھا۔اسی طرح اشیائے صرف کی درآمد مال پیدا کرنے والے سامان کی درآمد کی بہ نسبت بہ اعتبار قیمت 200 فیصدی زیادہ تھی۔ برطانوی ارباب اختیار نے مال پیدا کرنے والے سامان کے حق میں ہندستان کی درآمدات کی تشکیل میں تبدیلی لانے کی سنجیدگی سے کوشش نہیں کی۔نتیجہ یہ ہوا کہ (بہ اعتبار قیمت) کل درآمدات کا دو تہائی تک حصہ مقامی طور پر تیار ہونے والے مال کا براہ راست مقابلہ کرنے لگا جب کہ بقیہ ایک تہائی نے جدید قومی صنعت کی ترقی کا راستہ امکانی طور پر روک دیا۔

ہندستان کی برآمدات کی تشکیل بھی بہت کچھ ایسی ہی تھی۔مجموعی برآمدات کا صرف پانچواں حصہ (کل 12 کروڑ 52 لاکھ پونڈ میں سے 2 کروڑ 54 لاکھ پونڈ) تیار مال یا نیم تیار مال ہوتا تھا۔باقی خاماشیا (5 کروڑ 56 لاکھ پونڈ) اور افیون (کوئی 20 لاکھ پونڈ)۔73 بنیادی برآمدی مدوں میں زرعی پیداوار اور اس سے حاصل ہونے والی چیزیں (مثلاً کپڑا) شامل تھیں۔بعض فصلوں، خصوصاً چائے اور پٹ سن کی کاشت کے لئے ہندستان کے انتہائی موافق قدرتی حالات کی بدولت وہ اپنے مال کی مقابلہ کرنے کی صلاحیت پر بھروسہ کرسکا اور کاشتکاری کے روایتی طریقے ترک کرنے کی ضرورت درپیش نہیں ہوئی۔ ہندستان کے معدنی وسائل مثلاً میینگنیز، ابرق اور کچے لوہے کے ذخیروں سے بہت کم استفادہ کیا گیا یا بالکل ہی نہیں کیا گیا۔معدنی کچے مال میں ہندستان کی خارجی تجارت کا توازن اس کے حق میں نہیں تھا۔اس قسم کے کچے مال کے لئے غیر ملکی اجارہ داریوں پر ملک کا انحصار واقعی بے حد زیادہ تھا۔

ہندستان کی منڈی کے قیام اور اس کی اندرونی اور بیرونی منڈیوں کی جنس تجارت کی تشکیل کی نشوونما کے ساتھ رونما ہونے والے تضادات آخری تجزیے کے اعتبار سے، اس حقیقت سے ظہور میں آئے کہ برطانوی استعماریت پسندوں نے سماجی تقسیم محنت میں خلل پیدا کر دیا تھا اور بل ڈال دئے تھے۔ صنعتی اور زراعتی حلقوں میں تقسیم محنت شہروں اور دیہات کے درمیان تقسیم محنت اتنی نہیں تھی جتنی ایک طرف تو برطانوی فیکٹری کی پیداوار کی انفرادی صنعتوں اور دوسری طرف ہندستانی زراعتی اور حرفتی پیداوار کے درمیان روزافزوں تقسیم محنت تھی۔

انیسویں صدی کے اواخر میں ہندستان میں کثیر تشکیلی معیشت ابھری، (غیر ملکی اور قومی) فیکٹری صنعت، سرمایہ دارانہ تشکیل اور زراعت اور حرفتی صنعتوں میں چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی تشکیل نمودار ہوئیں۔ ان تشکیلوں میں تجدید پیداوار کے کم وبیش الگ تھلگ مجموعے تھے۔ فیکٹری صنعتوں اور جدید نقل اور جدید نقل وحمل میں توسیع شدہ اور جزوی طور پر سادہ تجدید پیداوار کو درآمد شدہ شاز وسامان اور اشیا کی بنیاد پر چالو رکھا جاتا تھا۔ چھوٹی سرمایہ دارانہ اور چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی صنعت میں تجدید پیداوار زرائع پیداوار کی خانگی پیداوار اور درآمد شدہ کچے اور دوسرے مال پر مبنی ہوتی تھی۔ زراعت میں تجدید پیداوار کا عمل اور بھی زیادہ محدود اور پسماندہ تھا کیونکہ کسان مقامی بنے ہوئے روایتی آلات استعمال کرتے رہے۔ تجدید پیداوار کے عمل کی منتشر نوعیت، متحدہ ٹکنیکی اور پیداواری بنیاد کے فقدان، معیشت کے مختلف حلقوں میں سرمائے کی جمع کی بہت ہی متنوع شرائط اور پیمانے نے مل کر ایک ایسی صورت پیدا کر دی جہاں ہندستانی سرمایہ داری، اور اپنے ابتدائی کلاسیکی مرحلے سے مخصوص کثیر تشکیلی معیشت پیدا کرنے کے بعد پوری ہندستانی سماجی ومعاشی تشکیل کو سرمایہ دارانہ طرز میں تبدیل کرنے میں ناکام رہی۔

انیسویں صدی کے آخری نصف میں مہاراشٹر اور گجرات میں معاشی صورت حال، ستکاریاں اور کاروبار

مغربی ہندستان میں بمبئی کی پریسیڈینسی مہاراشٹر اور گجرات پر مشتمل تھی۔ اس کی سماجی ومعاشی تشکیل ہندستان کے کسی اور علاقے کی بہ نسبت غالباً زیادہ مختلف اقسام وامتیازات سے دوچار تھی۔ زیر تبصرہ مدت میں سماجی ومعاشی تشکیلوں کا ایک ایسا نظام نمودار ہوا جو چند تبدیلیوں اور کچھ توسیع کے ساتھ آج

تک باقی ہے۔ وسیع بمبئی پریسیڈینسی کے کچھ علاقوں میں مختلف تشکیلیں مختلف تصویر پیش کرتی تھیں اور پیداوار کی مقدار اور حصے میں اور شرح روزگار کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتی تھیں۔ بعض اوقات کچھ تشکیلیں قطعی غائب ہوتی تھیں۔ اسی وجہ سے مثلاً ریاست کولہاپور کی سماجی و معاشی تشکیلوں کی ترکیب و تناسبات کا شہر بمبئی سے موازنہ ناممکن ہے۔ پھر بھی گذشتہ صدی کے اواخر تک ریلوں کی تعمیر نے پیداواری اکائیوں اور مرکزوں کے پورے کثیر انواع مجموعے کو معاشی اعتبار سے باہم عمل کرنے والے نظام کی شکل دے دی تھی حالانکہ عمل باہمی کی شدت انفرادی اجزا میں اور علاقے وار بھی ایک دوسرے سے بہت مختلف تھی۔

ہندستان کی زراعت کے ٹکنیکی ٹھیراؤ اور بحیثیت مجموعی پسماندگی کا خاص سبب پیداواری جمع کا ناکافی ہونا تھا۔ یہ اس وجہ سے ہوتا تھا کہ زمین کی فاضل پیداوار کا بڑا حصہ محصول اور مہاجن کی واجبات ہڑپ کر جاتی تھیں۔ ہندستانی آلات زراعت میں ٹکنیکی قدامت پرستی کی ایک وجہ ان کی تجدید پیداوار ے روایتی طریقوں کی پائداری تھی۔ زیر تبصرہ مدت میں اور بہت بعد تک (موجودہ صدی کی تیسری دہائی تک) ہندستانی دیہات میں زراعت کی مشینوں کی بہت بڑی مانگ نہیں تھی اور ہندستانی زراعت میں پیداوار روایتی، قدیم ٹکنالوجی پر کاشتکاروں اور اہل حرفہ کے درمیان، جو کاشتکاروں کے لئے آلات زراعت پیدا کرتے تھے، بصورت جنس تبادلے پر بدستور مبنی رہی۔ اس کی تصدیق اس حقیقت سے ہوجاتی ہے کہ انیسویں صدی کے آخری نصف میں اور اس کے بعد کے عشرے میں بھی مہاراشٹر کے تجارتی میلوں اور ہاٹ بازاری کی جنس تجارت کی فہرستوں میں (بعض حوالوں میں نہایت ہی تفصیلی فہرستیں ملتی ہیں) آلات زراعت کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے۔

سورت[74] کے اور گجرات کے دوسرے علاقوں کے متعلق معلومات واعداد کی رودادوں میں بصورت جنس، خصوصاً زمین کی شکل میں، معاوضے دئے جاتے رہنے کا ذکر آیا ہے۔ چنانچہ ضلع ماہی کنٹھنا کے بڑھئی اپنے ابتدائی پیشے کے علاوہ اپنے حصے کی ان زمینوں پر کاشت کرنے میں بھی مصروف تھے جو انہیں گاؤں کی خدمت کرنے کے صلے میں دی گئی تھیں۔[75] ریوا کنٹھنا کی ایجنسی کے گاؤں میں کاریگر جیسے کمہار، حجام، چرم ساز، بڑھئی، لوہار، موچی اور درزی (آخری چار زمروں کے کاریگر بڑے بڑے گاؤں میں رہتے تھے) اگر اپنے ہی گاؤں والوں کی خدمت انجام دیتے تو ان کو معاوضہ اناج کی صورت میں ملتا

تھا اور اگر کوئی باہر والا کام کراتا تو معاوضہ نقد لیتے تھے۔ گذشتہ صدی کی آٹھویں دھائی تک میں ضلع احمد آباد کے کاریگروں کو معاوضہ یا تو اناج کی شکل میں دیا جاتا تھا یا نقدی کی شکل میں۔

بمبئی کی پریسیڈینسی کے مرہٹہ ضلعوں کے برادری کے کاریگروں کی حالت کا حوالوں کے مواد میں، جو نویں دہائی سے متعلق ہیں، کم تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن یہاں بھی ہمارے پاس کافی شہادت موجود ہے کہ گاؤں کے بڑھئیوں، لوہاروں اور چرم سازوں کو آلات زراعت تیار کرنے اور مرمت کرنے کا معاوضہ گاہک کی فصل کے حصے میں سے یا زمین کے قطعے کی صورت میں مل جاتا تھا۔ مثلاً احمد نگر کے دیہاتی لوہار اصل میں آلات زراعت بنانے اور ان کی مرمت کرنے میں مصروف رہتے تھے جس کا معاوضہ کسان انہیں اناج کی شکل میں ادا کرتے تھے (جو بالیوٹ کا طریقہ کہلاتا تھا)۔ اس کے برعکس تھانہ نامی ساحلی ضلع میں معاوضہ ادا کرنے کے برادری کے نظام کو قریب قریب مکمل طور پر ختم کر دیا تھا۔

جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں بالیوٹ کا طریقہ میدان چھوڑ رہا تھا مگر آہستہ آہستہ چھوڑ رہا تھا اور وہ بھی ہر جگہ نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اس صدی کے ابتدائی چند برسوں کے دوران میں مہاراشٹر کی زراعت میں بعض نئے طریقے رائج ہوئے۔ چنانچہ ضلع اکولا کے گزیٹیئر میں لکھا ہے کہ بیسویں صدی کے پہلے عشرے تک گاڑیوں کی وضع قطع میں تبدیلی آ گئی تھی۔ مگر آلات زراعت ویسے ہی رہے جیسے برسوں پہلے تھے۔ صرف چند لوگوں نے غیر ملکی ساخت کے دھات کے بنے آلات خرید لئے تھے۔ علاوہ ازیں بدیسی ساخت کے لوہے کے ہل کی قیمت کاشتکار کو 42 روپے پڑتی تھی جب کہ دیسی ہل کی قیمت 3 روپے سے 5 روپے تک ہوتی تھی۔ لیکن گزیٹیئر کے بیان کے بموجب فائدہ یہ تھا کہ ایک ہفتے میں کاشتکار اتنی زمین کی جتائی کر لیتا تھا جتنی دیسی ہل سے کرنے میں اسے چھ ہفتے لگتے۔ اسی ضلع اکولا میں، جہاں جگہ جگہ یورپی طرز کے ہل استعمال ہونے لگے گئے تھے، بیسویں صدی کے ابتدائی زمانے میں بھی گاؤں کے ملازموں کے لئے (اور ان کے ساتھ ساتھ واٹنوں کے لئے) جنس کی شکل میں معاوضہ دینے کا نظام (خاک) رائج تھا۔ گاؤں کے بڑھئی، لوہار اور چرم ساز کے لئے بھی یہی طریقہ رائج تھا۔ اس کے باوجود تبدیلی کی نمایاں علامتیں موجود تھیں۔ اول تو یہی کہ کاریگروں کو صرف مرمت کے کام کی اجرت ملتی تھی۔ نئے آلات بنانے کا معاوضہ مقررہ شرح کے مطابق الگ ملتا تھا۔ دوسرے جو لوگ گاؤں میں زمین ایک سال کے لئے کرائے پر لیتے تھے انہیں کاریگروں کی خدمات کا معاوضہ نقد ادا کرنا ہوتا تھا اور کاریگر درحقیقت اسی کو ترجیح

دیتے تھے۔

ہنرمند کاریگروں کی آمدنیوں کا موازنہ ٹکنیکی عملے کی اجرتوں اور ملازموں اور عہدیداروں کی تنخواہوں سے کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ 1908 اور 1909 میں اکولا کا یک اوسط تیلی نو، دس روپے مہینے کما لیتا تھا، قفل ساز 40 اور 50 روپے کے درمیان، بڑھئی 20 روپے ماہانہ تک جب کہ درجہ دوئم کا مشین آپریٹر 65 روپے ماہانہ کماتا تھا اور درجہ اول کا آپریٹر 140 روپے۔ رہائش، روشنی اور ایندھن کی سہولتیں اس کے علاوہ ملتی تھیں۔ نجی تاجروں کی کمپنیوں میں کارکوں کو اس سے کہیں کم تنخواہیں ملتی تھیں، یعنی محض 8-10 روپے ماہانہ اور زیادہ سے زیادہ حد 15 سے 30 روپے ماہانہ تک کی ہوتی تھی۔ افسروں کو 25 سے 200 روپے ماہانہ تک ملتا تھا۔ افسروں اور ٹکنیکی پیشوں کے لوگوں کا ذوق روایتی ذوق سے علیحدہ نشوونما پانے لگا۔ انگریزی کپڑے اور دوسری سستی درآمد شدہ روزمرہ استعمال کی چیزیں کی مانگ بدستور کم رہی کیونکہ ہندستان کے کروڑوں لوگوں کی آبادی اصلیت میں بدستور افلاس زدہ رہی اور ان کو اپنی اجرتیں بصورت جنس ملتی رہیں۔ اس وجہ سے مانگ خاصی ٹھیری ہوئی سطح پر اور مقدار وتنوع کے اعتبار سے محدود رہی۔

ہندستان میں برطانوی نوآبادیاتی پالیسی صارف اور پیداوار کرنے والے کی روایتی مانگوں کو برقرار رکھنے کے ساتھ ہندستانی منڈی کو سمیٹ لینے کا قدرے محدود مقصد پیش نظر رکھ کر مرتب کی گئی تھی۔

چھوٹے صنعت کاروں میں کافی مالی وسائل کے فقدان نے ان کے کاروباروں کو ٹکنیکی اعتبار سے جدید بنانے کی رفتار سست کرنے کا کام کیا۔ محدود جدتیں جو آہستہ آہستہ رائج کی گئیں وہ ہاتھ کے کام کو بہتر کرنے سے زیادہ آگے نہیں بڑھیں (مثلاً پارچہ بافی میں متحرک نال)۔ پہلی عالمگیر جنگ تک مہاراشٹر میں صرف دو مثالیں ایسی تھیں جب کہ دستی کرگھے کے کام کو فیکٹری کی وضع کی چھوٹے پیمانے کی اکائیوں میں بدلا گیا تھا۔ ان اکائیوں میں مشینوں اور کارخانہ داری کی وضع کے اوزار ملا جلا کر استعمال کئے گئے تھے۔

چھوٹے پیمانے کی ورکشاپ کے رفتہ رفتہ نسبتاً بڑی اکائی اور بعد میں فیکٹری بن جانے اور پھر اجارہ داری کی وضع کی بڑی پیمانے کی کمپنی میں تبدیل ہوجانے کی غالباً سب سے زیادہ دلچسپ مثال کرلوسکر گھرانے کی تاریخ سے ملتی ہے۔ یہ بڑی انجنیرنگ کمپنی جواب ہندستان کی نجی ملکیت کی انجنیرنگ

میں شاید سب سے بڑی ہے اپنا آغاز ایک چھوٹی سی ورکشاپ سے کرتی ہے جہاں معمولی آلات زراعت بنتے تھے۔

انیسویں صدی کے اواخر میں بمبئی کی پریسیڈینسی کی کثیر تشکیلی وضع نہ صرف بحیثیت مجموعی صنعتی پیداوار کی بلکہ اس کی انفرادی شاخوں کی بھی نمایاں خصوصیت تھی۔ سوتی کپڑے، چمڑے اور تیل پیلنے کی صنعتوں میں بہت سے مختلف قسموں کی صنعتی اکائیاں پہلو بہ پہلو موجود تھیں جن میں کاریگر کی ملکیت کی ورکشاپوں سے لے کر فیکٹریوں تک شامل تھیں۔ سماجی اور پیداواری اعتبار سے بڑھئی، لوہار اور کمار زیادہ یکساں قسم کا نقشہ پیش کرتے تھے مگر وہ بھی رفتہ رفتہ تبدیل ہو کر چھوٹے پیمانے پر جنس تجارت پیدا کرنے والے بن گئے۔

رجواڑہ کولہاپور ہندستان میں سماجی و معاشی تشکیل کے نمو کی ایک اچھی مثال پیش کرتا ہے۔ کولہاپور میں بڑی ترقی جنس تجارت وزر کے تعلقات کے دائرے میں ہوئی تھی۔ اس ترقی نے باہر کی دنیا سے الگ تھلگ رہنے کی رجواڑے کی سابقہ حالت مکمل طور پر ختم کر دی تھی۔ لیکن معیشت کی خود کفالتی بنیاد ___ قدیم کسان کنبے ___ کو جوں کا توں محفوظ رکھا گیا تھا۔ زمین کی پیداوار کی تجارت میں جاگیری لگان اور مہاجنی سود کے ذریعے کسان سے اس کی پیداوار کا ایک حصہ لے لینے کے وسیلے سے مداخلت بدستور جاری رہی۔ زمین کا لگان اور زمیندار کو پٹے کی ادائیوں کی صورت میں کرایہ 7 لاکھ ایکڑ سے زیادہ رقبے پر لگایا گیا تھا۔ فی ایکڑ لگان 3 روپے سے 4.6 روپے تک کے درمیان تھا[76]، اس لئے کل ملا کر 30 لاکھ روپے کے قریب ہوتا تھا یعنی وہ انیسویں صدی کے وسط کی سطح کی بہ نسبت کچھ زیادہ تھا۔ فصل کا 20 فیصدی حصہ کاشت کار سے لگان کی حیثیت سے وصولی کر لیا جاتا تھا، مزید 50 فیصدی حصہ دوسرے طریقوں سے وصولی ہوتا تھا (محصولات، سود، گاؤں کے اہل حرفہ، برہمنوں اور عہدیداروں کو ادائیگی۔

خاص پیشوں کے اہل حرفہ کی تعداد میں قطعی کمی کی جانب رجحان کی اور رجواڑوں کی بڑھتی ہوئی آبادی میں ان کی نسبتی کمی کی واضح علامتیں موجود ہیں۔ ایک اور صورت حال جو جاذب توجہ ہے یہ ہے کہ شکر، تیل اور کاغذ جیسی صنعتوں میں، جہاں چھوٹے سرمایہ دارانہ کاروبار کسی قدر قابل لحاظ پیمانے پر چلتے تھے، پیداوار گھٹتی اور روزگار کی شرح گرتی نظر آتی ہے۔ تجارتاور مہاجنی کاروبار کی بہ نسبت اس وضع کی پیداوار کم ہوتے ہوتے بے مایہ ہو کر رہ گئی۔

مہاجنی سرمائے کی مقدار اور اس کے منافعوں کے تخمینوں میں کمی بیشی کے باوجود صاف ظاہر ہے کہ یہ سرمایہ کولہاپور کی بنیادی صنعتوں کے ساز وسامان کی قدر سے دسیوں گنا زیادہ تھا۔ اس سرمائے کا نہایت ہی قلیل حصہ صنعتوں کے برسرکار سرمائے کے زمرے میں آتا تھا۔ مقامی صنعتی پیداوار میں سرمایہ داری کے ارتقا کے امکانات کے اعتبار سے انیسویں صدی کے آخری نصف میں اس ریاست کی سماجی ومعاشی تشکیل میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کا جب اندازہ لگانے کی کوشش کی جاتی ہے تو متضاد باتیں سامنے آتی ہیں۔ ایک طرف تو الٹی سمت میں نقل وحرکت کے آثار نظر آتے ہیں کیونکہ سب سے زیادہ نقصان ان صنعتوں کو پہنچا تھا جن پر چھوٹے پیمانے پر سرمایہ دارانہ کاروبار کرنے والوں کا غلبہ تھا۔ دوسری طرف جاگیردارانہ لگان کی، جو برادری سے باہر کی ان شاخوں اور ایسی ہی دوسری شاخوں میں سرمایہ کاری کا خاص وسیلہ ہوتا ہے تخفیف کسی حد تک ترقی پسند تھی۔ لیکن جاگیرداروں کی فرمائشوں کی تعداد میں کمی برادری سے باہر کے اہل حرفہ کے تیار کئے ہوئے مال کے لئے کسانوں کی مانگ کی مناسب توسیع سے پوری نہیں ہوئی۔

کولہاپور کا رجواڑہ سماجی اور معاشی اعتبار سے بمبئی کی پریسیڈینسی کے مہاراشٹر کے ضلعوں سے بہت پیچھے تھا۔ اس کے کئی اسباب تھے جن میں یہ بھی تھے کہ وہاں انیسویں صدی کے وسط تک جاگیردارانہ محصولات اراضی کا نظام جاری تھا، شہر کولہاپور کا فوجی وانتظامی مرکز کی حیثیت سے بعد میں زوال شروع ہو گیا تھا اور اہل حرفہ کے تیار کئے ہوئے مال کی وہاں کھپت کم ہوگئی تھی اور یہ ریاست ریلوے لائنوں سے بہت دور واقع تھی۔ اس لئے انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں کولہاپور کی سماجی ومعاشی تشکیل کا ارتقا مہاراشٹر کے، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ پورے ہندستان کے پسماندہ اضلاع کی مثال کی حیثیت رکھتا تھا۔

انیسویں صدی کی آخری تہائی اور بیسویں صدی کے آغاز میں مشرقی ہندستان میں زرعی وحرفتی پیداوار، تجارت اور قرض

زیر مطالعہ علاقے میں عام طور پر اور بنگال میں خاص طور پر اس چیز کی سب سے زیادہ نمایاں مثال ملتی ہے کہ اعلیٰ ترین وضع کے سرمایہ دارانہ کاروباروں مثلاً ریلوں، پٹ سن کے کارخانوں اور کوئلے کی کانوں نیز ان کسانوں اور اہل حرفہ کی چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی معیشت کے درمیان اختلاط کیسے

ہوتا ہے جنہوں نے جزوی یا یہاں تک کہ مکمل طور پر اپنے آپ کو منڈی کے مطابق موزوں کر لیا تھا لیکن پھر بھی جنہوں نے سادہ پیداوار کی روایتی جامد بنیاد کو برقرار رکھا تھا۔ تفصیلی تقسیم محنت پر مبنی ورکشاپوں یا چھوٹی مشینی اکائیوں کی شکل میں سرمایہ دارانہ قومی پیداوار کا ارتقا عموماً برآمد کی غرض سے حاصل کئے جانے والے کچے مال کی پیداوار کی شدت اور پیمانے سے تناسب معکوس رکھتا تھا۔

اگر حفاظتی پٹے کا اہتمام کیا جا سکتا تو دیہی امرا کے کنبوں کے ایک حصے کو مزروعہ زمین کے طول وعرض کے باعث سرمایہ دارانہ بنیاد پر منتقل کیا جا سکتا تھا۔ بظاہر بعض صورتوں میں جب بڑے کاشتکار اجرت پر مزدور حاصل کرتے تھے تو سرمایہ دارانہ استحصال بعض عناصر عناصر پہلے ہی سے موجود تھے، حالانکہ مزدوری کی شرح دوسرے زمروں کے مزدوروں کی اجرت کی شرح سے کہیں کم تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دیہی آبادی کے نچلے طبقوں کی روایتی غلامی کا سلسلہ جاری رہا۔ دیہی امرا کے خاصے بڑے حصے کو بے انتہا بھاری بھاری لگان اور محصولات ادا کرنے پڑتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی قرض کی سہولتیں سخت تھیں اور زمین سے انہیں جو پیداوار حاصل ہوتی تھی اس کی فروخت میں مشکلیں درپیش آتی تھیں۔ ان تمام باتوں نے ان کے کاروبار کی ترقی میں روک لگا دی، جس کی وجہ سے زیادہ سے زیادہ پیداوار دینے والے انداز میں ایسی کاشتکاری کی جانب عبور میں رکاوٹ پڑی جو ترقی یافتہ تکنیکی علم سے، کھاد اور جدید زرعی معیشت کی دیگر نعمتوں سے فائدہ اٹھانے پر مبنی ہو۔ بڑے بڑے کنبے چھوٹے کاشتکاروں کی ہی طرح روایتی آلات زراعت استعمال کرتے رہے۔

مشرقی ہندستان، خصوصاً بنگال میں منڈی کے تعلقات کے ارتقا نے اہل حرفہ اور کسان کے درمیان اشیا کے تبادلے کے تعلقات کو بڑی حد تک جنس تجارت اور زر کے تعلقات میں بدل دیا۔ لیکن جنس تجارت کے اجزا کا پیمانہ محدود تھا۔ لگان اور محصول کی ادائیگیوں کے ذریعے زمین کی پیداوار وصول کر لینے کے بعد تھوڑی سی مقدار میں جو کچھ جمع ہوتا تھا اس سے گاؤں کے اندر مصرف میں آنے والی جنس تجارت کی مقدار اور اقسام محدود ہو کر رہ جاتی تھیں۔ اس وقت تک بنگال یہاں تک کہ بہار میں بھی دیہی کاریگروں اور کاشتکاروں کے درمیان اشیا سے اشیا بدلنے کے روایتی تعلقات کے آخری نشانات تک قریب قریب مٹ چکے تھے۔ نائب تحصیل دار گوپال چندر اداس نے ضلع رنگپور کے اعداد وشمار کی تفصیل جمع کی ہے جس میں ہندو راجاؤں کے زمانے کی ایک دیہی برادری کے متعلق اعداد وشمار کی تفصیل بیان کی گئی

ہے۔اس میں انتظامی عملے اور برادری کے اہل حرفہ کے حسب معمول ساخت کا بال تفصیل بیان ہے۔ لیکن اس میں بتایا گیا تھا کہ ضلع رنگپور میں اس قسم کی قدیم دیہی پنچایتوں کا بہت کم باقی رہا تھا جو ہندو راجاؤں کے زمانے میں موجود تھا۔ چند دیہی عہدیدار جواب بھی کہیں مل جاتے ہیں، وہ برادری کے خادموں کے بجائے زمینداروں یا مالکان زمین کے خدمت گار ہیں۔ 77 سچ تو یہ ہے کہ، بعد کے تذکروں کے بموجب، جن لوگوں نے برادری کے عہدیداروں کی حیثیت سے اپنے خطابات برقرار رکھے وہ درحقیقت زمیندار کی مال گزاری وصول کرنے والے عملے کے اراکین بن گئے اور اسی کے مفاد میں کام کرنے لگے۔

انیسویں صدی کے اواخر میں بنگال کے سماجی ومعاشی تعلقات کے بارے میں کچھ کارآمد اعداد وشمار دو سرکاری جائزوں سے ملتے ہیں: ''1881-1882 سے 1891-1892 تک دس برس کے عرصے میں بنگال کے نچلے طبقوں کی حالت پر یادداشت'' 78 اور ''ڈھاکے کے اضلاع میں زرعی اعداد وشمار کے نظام کے متعلق رپورٹ''۔ 79 ان جائزوں سے سب سے زیادہ عام نتیجہ جو اخذ کیا جاسکتا ہے وہ ریلوں کی، پٹ سن کے کارخانوں، نئی کانوں اور برہانپور میں دھاتوں کے کارخانے کی تعمیر میں ترقی کے باوجود سماجی ومعاشی عوامل کی سست رفتاری ہے۔ فیکٹری کے کاروبار کے ان مرکزوں اور ان ہی کے ساتھ ریلوں نے بنگال کی سماجی ومعاشی نشوونما اور ترقی پر بہت ہی تھوڑا اثر ڈالا۔ ریلوں اور پٹ سن کے کارخانوں نے پٹ سن کی فروخت کے لئے پہلے کی بہ نسبت زیادہ مواقع فراہم کئے۔ پٹ سن کی فصل سب سے زیادہ عمیق پیداوار والی صنعتی فصل تھی اور اس کی فاضل پیداوار کے نسبتاً بڑے حصے کو زمیندار اور برطانوی انتظامیہ اٹھا لیتے تھے۔ اس کی بدولت زمین کے مقامی محصول کے نظام میں تبدیلیاں رونما ہو گئیں۔ مگر اس سے روایتی زرعی طریقوں پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ 80

نئی زمینوں کو زیر کاشت لانے کی اور بڑھتی ہوئی نقد آمدنیوں کی بدولت بنگالی زمینداروں نے لگان کی اپنی آمدنی میں بڑا اضافہ کر لیا۔ مثلاً پچھلی صدی کی نویں دھائی کے اواخر میں کسانوں نے زمینداروں اور برطانوی استعماریت پسند حکومت کو 1893 میں بندوبست استمراری کے جاری ہونے کے زمانے کی بہ نسبت 415 فیصدی زیادہ ادائیگی کی۔ زمیندار جو لگان وصول کر لیتے تھے اس کا حصہ قطعی طور پر بھی بڑھا اور زمین کے محصول کی مناسبت سے بھی بڑھا۔ سرکاری اعداد وشمار کے بموجب نویں دہائی

کے اواخر میں زمینداروں نے 6 کروڑ 68 لاکھ روپے بطور لگان وصول کئے۔ اس میں سے انہوں نے برطانوی استعماریت پسند حکمراں ارباب اختیار کو بطور محصول 6 کروڑ 17 لاکھ روپے دے دئے اور باقی 4 کروڑ 51 لاکھ روپے خود ہتھیا لئے۔ 81

لیکن لگان کی جس مجموعی رقم کا مندرجہ بالا سطور میں ذکر کیا گیا ہے وہ صرف ان ادائیگیوں کا اظہار کرتی تھی جو کسانوں نے پٹے داریوں کے محفوظ قوانین کے مطابق کی تھیں۔ محصولوں اور وصولیوں کی اصل مقدار اس سے بے حد زیادہ تھی۔ اے۔ ایس۔ سین نے لکھا ہے کہ رعیت کو زمیندار کے کارندے کو چندہ دینا ہوتا تھا اور زمیندار کے بیٹے یا بیٹی کی شادی بیاہ کے موقع پر، زمیندار کو کوئی اعزاز ملنے کی خوشی کی تقریب پر یا شہر سے محض اپنی زمینداری پر آنے کے موقع پر تحفے دینا پڑتا تھا۔ 82 اپنی یادداشت میں ایف۔ ایچ۔ بی۔ اسکرائن لکھتے ہیں کہ گذشتہ صدی کی آخری دہائی کے شروع میں زمین کا محصول زمیندار کی آمدنی کے پانچویں حصے سے بھی کم تھا۔ 83 تاثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ بندوبست استمراری کے آغاز کے سو سال بعد بھی بنگالی رعیت پہلے کی بہ نسبت غریب ہی رہی اور حقوق سے اسی طرح محروم رہی جس طرح انگریزوں کی آمد سے پہلے تھی۔ مال کی مانگ دیہی آبادی میں کم رہی۔ اس کے ساتھ ہی بدیسی اور ہندستانی فیکٹریوں میں تیار شدہ مال سے مقابلہ متواتر بڑھتا رہا۔ انیسویں صدی ختم ہوتے ہوتے بنگال اور بہار کے اہل حرفہ اور خاص طور سے پارچہ باف نہایت مصیبت میں پھنس چکے تھے۔ ذرائع نقل وحمل کی ترقی نے بنگال اور بہار کے ان پارچہ بافوں کے مفلس وقلاش ہونے کی رفتار بڑھا دی جو مقامی کسانوں کی بستیوں کے لئے کام کیا کرتے تھے۔

بنگال کے تجارتی سرمائے کی، خاص طور پر تھوک فروشی میں آڑھتی تجارت کی برطانوی اجارہ داریوں کی ماتحتی ایک ایسا عنصر تھی جو بڑے پیمانے کی قومی صنعت کی توسیع میں رکاوٹ پیدا کر رہی تھی۔ اگرچہ پہلی عالمگیر جنگ سے پہلے بھی بنگالی صاحب جائداد طبقے بڑے پیمانے کی صنعت میں سرمایہ لگایا کرتے تھے مگر اس کی صورت برطانوی کاروباروں، خاص طور سے پٹ سن کے کارخانوں کے حصص خریدنے کی ہوا کرتی تھی۔ موجودہ صدی کے ابتدائی زمانے میں بنگالی سرمایہ دار مشینوں کے ذریعہ پٹ سن پر عمل کرنے والے صرف کم تعداد چھوٹے چھوٹے کارخانوں کے مالک بن گئے تھے۔

بنگال، بہار، اڑیسہ اور سکم کی 1911 کی مردم شماری سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلی عالمگیر جنگ شروع

ہونے سے پہلے مشرقی ہندستان میں فیکٹری اور باغوں کی پیداوار کس پیمانے کی تھی اور مزدوروں کی تعداد اور کاروباروں کے مالکوں کی تعداد کیا تھی۔

جیسا کہ جدول نمبر ا سے معلوم ہوتا ہے بڑے پیمانے کی قریب قریب پوری کی پوری پیداوار ان صنعتوں سے حاصل ہوتی تھی جو زرعی پیداوار پر عمل کرتی تھیں۔

اس علاقے کی صنعت جن کارخانوں پر مشتمل تھی ان میں سے 45 کو نوآبادیاتی حکومت چلاتی، 754 کے مالک ہندستانی تھے اور 654 کے مالک یورپی-33 کارخانے ایسے تھے جن کی ملکیت ملی جلی تھی۔ کچھ صنعتیں قریب قریب پوری کی پوری ہندستانیوں کی ملکیت تھیں جن میں کانسے اور حروف کی ڈھلائی، تیل پیلنے، دھان کوٹنے، جوتے اور چھتریاں بنانے کی صنعتیں شامل تھیں۔ زیادہ اہم صنعتوں جیسے کہ چائے کے باغوں، انجینیرنگ کے کارخانوں اور پٹ سن کے کارخانوں میں غیرملکی سرمائے کا غلبہ تھا۔ پٹ سن کا ایک بھی کارخانہ ہندستانیوں کی ملکیت میں نہیں تھا اور پٹ سن پر عمل کرنے کے کارخانوں کے مالکوں میں بھی ہندستانی اقلیت میں تھے۔ دو تہائی سوتی ملوں کے مالک غیرملکی تھے۔

1 جدول

1911 میں مشرقی ہندستان میں فیکٹری اور باغوں کی صنعتوں کے ڈھانچے کی تفصیل 84

کاروبار	تعداد	مزدوروں کی تعداد
پٹ سن کے کارخانے	50	200446
چائے کے باغات	240	191286
کانیں	129	37707
ریلوے ورکشاپیں	15	22730
اینٹوں اور ٹائلوں کی فیکٹریاں	161	22019
پٹ سن پر عمل کرنے کے کارخانے	109	13842
چھاپہ خانے	103	12171
سوتی	18	11706
مشینری اور انجینیرنگ کا کارخانے	37	11714

کل میزان	826	523676

چنانچہ دور جدید میں بنگالی بورژوازی کے عروج کی تصویر کا پس منظر یہ تھا کہ برطانوی استعماریت پسند معیشت میں بلند مقامات پر قبضہ کر چکے تھے۔ یہ ایک ایسا عمل تھا جو نوآبادیاتی ہندستان تک کے لئے بے مثال پیمانہ اختیار کر چکا تھا۔ بنگال کے بے رحمانہ نوآبادیاتی استحصال سے بنگالی بورژوازی کے عروج کی بعض خصوصیات کی وضاحت میں مدد ملتی ہے کہ زمینداروں کی جمع سوداگروں کی جمع سے زیادہ تھی اور یہ کہ کارخانہ داری زیادہ تر دیہی علاقوں میں بیشتر چھوٹے پیمانے کی اکائیوں کی طرح قائم ہوئی تھی۔ چند مستثنات کے علاوہ صنعتی سرمایہ دار کارخانہ داری کی وضع کی صنعت میں ابھرے۔ بہت سے سرمایہ دار کاروباری ان ذاتوں میں سے آئے جنہیں خصوصی مراعات حاصل تھیں اور جنہوں نے زمینداروں اور نوآبادیاتی ارباب اختیار سے تعلقات قائم کر رکھے تھے۔ بڑے پیمانے کی صنعت میں بنگالی سرمائے کا اپنا علیحدہ کردار برائے نام تھا اور اس وجہ سے ہی اسے برطانوی اجارہ داریوں سے تعاون کرنا پڑتا تھا۔

انیسویں صدی کی آخری چوتھائی میں ہندستانی فیکٹریوں کے پرولتاریہ کی تشکیل اور اس کی حیثیت

ہندستانی فیکٹریوں کے پرولتاریہ کے پہلے دستے گذشتہ صدی کی ساتویں دہائی میں بمبئی اور کلکتے میں نمودار ہوئے۔ آخری دہائی کے شروع میں پرولتاریہ کی تعداد چار لاکھ تھی۔ ہندستان کے مختلف علاقوں میں بڑے پیمانے کی صنعت کی ناہموار ترقی کے باعث فیکٹری کا پرولتاریہ دو مرکزوں میں مجتمع ہو گیا: بمبئی میں ___ ایک لاکھ 18 ہزار سے زیادہ اور کلکتے میں ___ ایک لاکھ 20 ہزار۔ ہندستان میں کسی اور جگہ فیکٹری کے پرولتاریہ کا متوازی ارتکاز نہیں ہوا۔ مثلاً مدراس میں 20 ہزار سے زیادہ مزدور نہیں تھے 85 جب کہ فیکٹری مزدوروں، ریلوے مزدوروں اور کانکنوں کی مجموعی تعداد ہندستان میں سات آٹھ لاکھ سے زیادہ نہیں تھی۔

بہ اعتبار پیشہ ہندستانی صنعتی پرولتاریہ کی ساخت کی کرداری خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ٹیکسٹائل مزدوروں کی قطعی اکثریت تھی جو سوتی اور پٹ سن کے کارخانوں میں کام کرتے تھے۔ دھات کی صنعت (ہتھیار سازی کے کارخانوں، ریلوے ورکشاپوں، مرمت کی کارگاہوں) میں کام کرنے والے مزدوروں کی مجموعی تعداد چند ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ باقی غذا، سیمنٹ اور دوسری صنعتوں میں کام کرتے تھے جو

ہندستان میں ثانوی اہمیت کی بڑے پیمانے کی صنعتوں کی ملکیت تھیں۔ مثلاً1892 میں بمبئی کی پریسیڈینسی کے ان صنعتی کاروباروں میں جو فیکٹری کے قانونی کے دائرے میں آتے تھے مجموعی طور پر ایک لاکھ 18 ہزار مزدور کام کرتے تھے جن میں 22844 عورتیں اور 5946 بچے تھے۔ 77876 مزدور سوت کاتنے اور سوتی کپڑا بننے کے کام پر لگے ہوئے تھے، 8028 مزدور کپاس پر عمل کرنے اور کپاس صاف کرنے کا کام کرتے تھے، 1552 مزدور کپڑے کی بنائی کی دوسری صنعتوں (اونی کپڑا بنانے اور ریشمی کپڑا تیار کرنے کے کاموں) میں لگے ہوئے تھے۔ ریلوے ورکشاپوں میں 12196 'لوہے کا کام کرنے والی کارگاہوں میں 3466 اور چھاپہ خانوں میں 2140 کام کرتے تھے۔86

ہندستانی فیکٹریوں کے مزدوروں کی اجرتیں کی اجرتیں بہت ہی کم تھیں۔ اس کے ساتھ ہی ایسی حالت تھی جب کہ رسد ڈھیروں تھی اور مزدوروں کی مانگ کم رہتی تھی۔ ان باتوں نے ہندستانی مزدوروں کی ذات، عمر اور جنس کے اعتبار سے ساخت معین کی۔ پہلی نظر میں یہ دیکھ کر تعجب ہوگا کہ انیسویں صدی کے اواخر میں فیکٹریوں میں کام کرنے والی آبادی میں کسانوں کی مختلف ذاتوں کا غلبہ تھا حالانکہ ہونا یہ چاہیئے تھا کہ نوآبادیاتی استبداد سے جو اہل حرفہ تباہ و برباد ہو گئے تھے وہ مزدور فراہم کرنے کا خاص سرچشمہ بنتے اور نوخیز مزدور طبقہ کی تشکیل کرتے۔ نوآبادیاتی ہندستان میں فیکٹری کا مزدور محض اپنی قلیل اجرت پر کنبے کی پرورش کرنے کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے شہری کاریگر ہنرمند دستکاری کھونے کے بعد جب فیکٹری میں کام کرنے گیا تو عموماً اپنے کنبے کا گزارہ نہ کر سکا۔ ان کے مقابلے میں دیہی باشندے کسی حد تک مزے میں تھے۔ خود اپنے یا لگان پر لئے ہوئے قطعہ اراضی پر کاشت کر کے عورتوں اور بچوں کو روزانہ یا فصلی کام سے کھانے کو روکھی سوکھی مل جاتی تھی۔ ہندستان کے نوخیز مزدور طبقے میں کسانوں اور اہل حرفہ کے بعض طبقوں کا بڑا تناسب بڑی حد تک اس لئے بھی رہا کہ مہاجن، زمیندار اور محصول وصول کرنے والے عہدیداروں کے قرض کے بوجھ تلے اہل حرفہ اور غریب کسان بری طرح دبے ہوئے تھے۔ اس قرضداری نے سب سے زیادہ تباہ حال کسانوں کی شہر میں ہجرت کو روک دیا۔ یہی وجہ ہے کہ بمبئی اور احمد آباد کے فیکٹری مزدوروں میں ان لوگوں کی تعداد نسبتاً زیادہ تھی جن کا تعلق قدرے خوش حال اونچی کسان ذاتوں سے تھا۔ چونکہ سستی اجرت پر مزدور نہایت کثیر تعداد میں فراہم تھے اس لئے سرمایہ دار بہ آسانی صرف ان مردوں کو بھرتی کرتے تھے جو نوجوان اور صحت مند ہوتے تھے۔ چنانچہ بمبئی کے سوتی کپڑے

کے کارخانوں نے 1884 اور 1913 کے درمیان 29 سے 76 فیصدی تک مردوں کو ملازمت دی جب کہ مزدور عورتوں کا حصہ 20 اور 26 فیصدی کے درمیان گھٹتا بڑھتا رہا اور بچوں کا 1.3 سے 5 فیصدی تک۔ بمبئی میں خرادیں چلانے کی صرف مردوں کو اجازت تھی عورتوں اور بچوں کو ہاتھ سے کئے جانے والے متعلقہ کاموں کے لئے نوکر رکھا جاتا تھا۔ 87

برطانوی نوآبادیاتی حکمرانی کی وجہ سے ہندستانی زراعت میں سرمایہ دارانہ ارتقا کی رفتار سست تھی۔ اس کے ساتھ ہی صنعت میں سرمایہ دارانہ پیداوار کا حلقہ انتہائی تنگ تھا۔ ان سب کے باعث حد سے زیادہ آبادی کا نسبتی تناسب بہت بڑھ گیا۔ یہ کیفیت صرف دیہات میں ہی نہیں بلکہ شہروں میں بھی نظر آئی (بے روزگار اہل حرفہ، حمال، چھوٹے چھوٹے تاجر، دانشور)۔ یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو بیشتر نوآبادیوں میں نظر آتی ہے۔ ہندستانی پرولتاریہ کے آغاز کی ابتدائی منزلوں میں ہی مزدوروں کی منڈی پر بیروزگاروں کی فوج کا دباؤ کافی زیادہ تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ دباؤ بڑھتا رہا۔ جتنے لوگوں کو سرمایہ دار نوکری دیتے تھے ان کے مقابلے میں مزدوروں کی رسد بے انتہا زیادہ تھی۔ ہندستان میں مزدوری سستی ہونے کی ایک بڑی وجہ یہی تھی۔

ہندستانی مزدوروں کا حد سے زیادہ استحصال اس فاضل آمدنی کا وسیلہ تھا جس سے مزید صنعتی ساز و سامان خریدا جاتا تھا، غیر ملکی انجینیروں اور ٹکنیکی ماہروں کی تنخواہیں ادا کی جاتی تھیں اور اونچی اونچی اجارہ دارانہ قیمتوں پر صنعتی سامان خریدا جاتا تھا۔ دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے چارلس ووڈ نے اور باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا تھا کہ ''ہندستان میں اجرتوں پر بڑی بڑی رقمیں بچائی جاتی ہیں۔ مزدوروں کی جو تعداد لنکاشائر میں 400 پونڈ ہفتے وار کماتی ہے، اتنے مزدوروں کو ہندستان میں محض 100 پونڈ ملتے ہیں۔'' 88

جدید ذرائع پیداوار پر غیر ملکی مالیاتی سرمائے کی اجارہ داری ہندستانی صنعتی مزدور طبقے پر استحصال کے شدید ترین طریقوں کے حاوی ہونے کی ایک بڑی وجہ تھی۔ استعماریت نے ہندستان کو مشین سازی کی خود اپنی صنعت کو نشوونما دینے اور خود اپنے صنعتی عملے کو تربیت دینے سے باز رکھا اور کارخانوں کے ہندستانی مالکوں کو مجبور کیا کہ وہ برطانیہ سے درآمد کیا ہوا گھٹیا قسم کا ساز و سامان اپنے ہاں استعمال کریں۔ زراعت میں صورت حال اور بھی بدتر تھی۔ وہاں ٹکنیکی علم کی سطح وہی تھی جو قرون وسطی میں پائی جاتی تھی۔ قدر زائد میں اضافہ کرنے کا خاص طریقہ کام کرنے کا دن طویل کر دینا تھا۔ ہندستانی پرولتاریہ کو نہ صرف اپنے

بنیادی حقوق کے لئے لڑنے میں بلکہ معاشی اور بعد میں سیاسی لڑائیاں لڑنے میں بڑی جان لگانی پڑی، عزم واستقلال اور بہادری سے کام لینا پڑا۔

☆☆☆

تین خاص عناصر کے زیر اثر ہندستان میں سرمایہ داری کے آغاز کا عمل ظہور میں آیا۔ پہلا، سماجی ماحول کی تواریخی اعتبار سے پسماندگی جس میں استعماریت نے اضافہ کر دیا۔ دوسرا، عالمی سرمایہ دارانہ منڈی میں ہندستان کا الجھ جانا اور اس کے نتیجے میں مجبوراً اپنی جیسی حالت کے افریشیائی ملکوں سے بیرونی معاشی تعلقات توڑ کر ان کے بجائے صنعتی ملکوں اور سب سے پہلے برطانیہ سے معاشی اعتبار سے غیر مساوی تعلقات قائم کرنا۔ اور تیسرا، استعماریت پسند انتظامیہ کی پالیسی جس نے ان دو عناصر کے تاثر کو تقویت پہنچائی، اور ساتھ قومی سرمایہ داری کے ارتقا میں رکاوٹ ڈالی۔

بعد کے دو عناصر کے اثر نے مجبوری تو پیدا کی مگر اس کے معنے یہ نہیں کہ ہندستان میں سرمایہ دار نہ ارتقا کے قومی پہلو نہیں تھے یا وہ قومی خصوصیات کے حامل نہیں تھے۔ برطانوی استعماریت پسندوں کو نہ صرف اس سماجی و معاشی صورت حال کو جو انہوں نے ہندستان کی سرزمین پر فاتحین کی حیثیت سے اترتے ہوئے پائی تھی شمار میں رکھنا پڑا بلکہ انہیں ان معروضی عوامل کو بھی پیش نظر رکھنا پڑا جو ہندستانی معیشت میں ان کی مرضی کے برعکس رونما ہوئے۔ اس لئے برطانوی استعماریت پسند حکمرانی نے اگرچہ ہندستان میں سرمایہ داری کے ارتقا کو مسخ تو کر دیا مگر ان عوامل کو خاص ہندستانی خدوخال سے محروم کرنے میں وہ ناکام رہی۔

سرمایہ دارانہ تعلقات کے ابتدائی اجزا نوآبادیاتی معیشت کی گہرائیوں میں سے ابھرے۔ ان اجزا کی موجودگی سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہندستان استعماریت پسندوں کے زیر حکومت نہ ہوتا تو بہت ممکن ہے اس نے جاپان کی طرح سرمایہ دارانہ ارتقا کی خود اپنی ''ہندستانی'' شکل اختیار کی ہوتی اور اس کا سبب عالمگیر معاشی قوانین کا عمل ہوتا۔ یہ ضرور ہے کہ اندرونی تضادموں کے ایک پیچیدہ اور نہایت ہی متضاد حل کے بعد ہی اس ہندستانی شکل کا تواریخی امکان سے سماجی و معاشی حقیقت میں ظہور ہوا ہوتا۔ چونکہ ہندستان کو ریاستی خودمختاری سے محروم کر دیا گیا تھا اس لئے سرمایہ داری کے ارتقا نے ہندستانی نمونے کی شکل نوآبادیاتی انداز میں اختیار کی، قومی انداز میں کہیں۔ یہ ضرور ہے کہ خالص قومی نمونے کی سمت میں

بعض کجرویاں ہوئیں جن کا سبب اندرونی معاشی عوامل کا اثر تھا۔

پچھلی صدی کے آخری نصف میں ہندستان میں سرمایہ داری کا ظہور بھی ہوا (جسمانی محنت پر مبنی چھوٹی سرمایہ دارانہ پیداوار کا قیام) اور اس کا مزید ارتقا بھی (بڑے پیمانے کی سرمایہ دارانہ فیکٹریوں والی صنعت کا عروج)۔ عام طور پر جو عوامل یکے بعد دیگرے ہوئے ان کا بیک وقت رونما ہونے کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ ہندستان کی سرمایہ دارانہ تشکیل (زیادہ درست یہ کہنا ہوگا کہ نوآبادیاتی سرمایہ دارانہ سیکٹر) میں شروع ہی سے برطانوی سرمائے کا غلبہ تھا جسے مکمل سیاسی اقتدار حاصل تھا اور جس کا کلیدی معاشی وسائل پر قابو تھا (ریاستی مالیات، فیکٹری کی پیداوار کا بڑا حصہ، ریلیں، بینک، غیر ملکی تجارت، جہاز رانی وغیرہ)۔ اس زمانے میں ہندستانی زراعت نے وہ تبدیلیاں دیکھیں جو جاگیرداری کے آخری زمانے کی خصوصیت ظاہر کرتی ہیں (بڑے اور متوسط زمینداروں کا تقویت حاصل کرنا، کسانوں کی بے دخلی کی ابتدا، جنس تجارت اور زر کے تعلقات کا ارتقا وغیرہ)۔ ہندستانی دیہات میں چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی تشکیل کا آہستہ آہستہ ارتقا ہوا۔ خود کاشتکاری نہ کرنے والے مالکان اراضی اور زمین کا لگان وصول کرنے والوں کے غلبے اور زمین کی ملکیت پر برطانوی استعماریت پسندوں کے اختیارات اعلیٰ نے اس عمل کو کمزور کر دیا تھا۔

تواریخی پختگی کے اعتبار سے مختلف عوامل کا متضاد اور نہایت تخصیصی امتزاج ہندستان کا مطالعہ کرنے والے ان عالموں کو اکثر حیران و پریشان کر دیتا ہے جو بیسویں صدی کے آغاز میں اس کے سماجی و معاشی ارتقا کو صرف ایک ہی رخ سے دیکھتے ہیں۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ اگر آپ اپنے مشاہدوں کا دائرہ ہندستانی دیہات تک محدود رکھیں تو واقعی آپ ایسی نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس زمانے میں ہندستان جاگیرداری کی آخری منزل سے گزر رہا تھا، کیونکہ اس کی زراعت میں، جو پیداوار کا سب سے بڑا حلقہ تھا، زمین کی ملکیت اور زمین کے استعمال کے روایتی تعلقات رفتہ رفتہ نشوونما حاصل کر رہے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہندستانی زراعت پر استعماریت پسند سرمادارانہ سیکٹر کا غلبہ تھا جو اگرچہ محدود مادی اور تنظیمی بنیاد رکھتا تھا مگر سیاسی اعتبار سے بڑا ہی طاقتور تھا۔ آخر میں، اور یہ سب سے زیادہ اہم بات ہے، معیشت کو نوخیز عالمی سرمایہ دارانہ معیشت کے نظام کی لپیٹ میں لے لیا گیا تھا، ہندستان کے نوآبادیاتی سرمایہ دارانہ سیکٹر نے برطانوی سرمایہ داری سے اٹوٹ اتحاد قائم رکھتے ہوئے نشوونما حاصل کی اور برطانوی سرمایہ داری

کے طاقتور سہارے پر اعتماد کیا۔

اس لئے ہندستان نے جاگیرداری کے آخری مرحلے کو ایک طرح سے ''چھلانگ'' کر طے کر لیا حالانکہ اس کے بعض مثالی نوعیت کے عوامل میں سے اس کو گزرنا ضرور پڑا۔ اس ''چھلانگ'' میں فیصلہ کن حصہ برطانوی سرمائے کی درآمد نے ادا کیا جو انیسویں صدی کے وسط میں شروع ہو گیا تھا۔

حوالہ جات وحواشی

1.{Modern History of India}} New Delhi, 1964, {{A Contemporary,*History of India}} New Delhi, 1964, V. I. Pavlov, {{The Indian Capitalest Class. A Historical Study}}, New Delhi, 1964,

2. V. I. Lenin, {{Collected Works}},Vol. I, p. 136,*

3۔ نرودنک_ ایک نظریاتی اور سیاسی رجحان کے نمائندے جو روس میں پچھلی صدی کی آٹھویں دہائی میں ابھرا تھا۔ نرودنک انقلابی تحریک میں پرولتاریہ کے رہنمایانہ رول کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ چھوٹے صاحب ملکیت یعنی کسان اشتراکی انقلاب کریں گے۔ نرودنکوں کی اشتراکیت معاشرے کے ارتقا سے دور تھی، وہ محض خواب اور نیک خواہش تھی۔ نویں اور دسویں دہائیوں میں نرودنک زارشاہی سے مصالحت کے حامی بن گئے اور کولکوں (مالدار کسانوں) کے مفاد میں مارکسزم کے خلاف سخت جدوجہد کی۔

4۔ نئی معاشی پالیسی ___ سرمایہ دار نظام سے سوشلزم تک عبور کے دوران پرولتاری ریاست کی معاشی پالیسی جس کی بنیاد لینن نے مرتب کی تھی۔ پرولتاری ریاست کے ہاتھوں میں بنیادی معاشی پوزیشن برقرار رکھ کر کچھ عرصے تک محدود طور پر سرمایہ دار عناصر کے وجود کی اجازت دیتے ہوئے نئی معاشی پالیسی کا مقصد سوویت ملک کی پیداواری قوتوں کو ترقی دینا، زرعی معیشت کو ابھارنا، سوشلزم میں عبور کے لئے معاشی بنیاد بنانا تھا۔

5. K. Marx and F. Engels, {{Selected Correspondence}}, Moscow, * 1965, p.482

6. V. I. Lenin, {{Collected Works}}, Vol. III, p. 311.

7. K. Marx, {{Capital}}, Vol. I, Moscow, 1972 pp, 544-45.

8. K. Marx, {{Capital}}, Vol. I, Moscow, 1972, pp. 544-45.

9۔ایضاً،صفحہ 793-

10. K. Marx, {{Capital}}, Vol. III, p. 883. *

11۔ایضاً۔

12. Marx and F. Engels, Selected Correspondence, p. 486

13. K. Marx, {{Capital}}, Vol. III, p. 328. *

14۔ صفحات330-331-

15. K. Marx, {{Capital}}, Vol. pp. 81-82.

16۔ایضاً،صفحات80-81-

17۔ایضاً،صفحہ86-

18. V. I. Lenin, {{Collected Works}}, Vol 21, p. 145.

19. V. I. Lenin, {{Collected Works}}, Vol. III, p. 380. *

20. K. Marx and F. Engels, {{Selected Works}} in Three Volumes, Vol. I, Moscow, 1973, pp. 491-92.

21. Benjamin Heyne, {{Tracts. Historical and Statistical on India, * With Journals of Several Tours Through Various Parts of the peninsu-la}}, London, 1814,p. 69.

22. Habib, {{Potentialities of Capitalist Development in the Economy of Mughal India. An Enquiry. The International Economic History Congress}}, Section 1, 4, {{The Extent of Capitalistic Developmint Outside Europe}}, p. 11.

23. D. R. Gadgil, {{Origins of the Modern Indian Business Class}},

New York, 1959, p. 5.

24. See j. Forbes, {{Ras Mala, Hindoo Annals of the provinces of Goozerat in Western India}}, Vol. II, London, 1856.

25. J. forbes, {{Oriental Memoirs. A Narrative of seventeen Years Residence in India}}, Vol. II, London, 1834, pp. 416-17

26۔ایضاً۔

27. See {{Selections of Papers from the Records at the East-IndiaHouse}}, Vol. III, London, 1826, pp. 649, 654.

28. V. I. Pavlov, {{The Indian Capitalist Class. A Historicl Study}}, New Delhi, 1964, p. 22.

29۔ملاحظہ فرمایئے:عرفان حبیب،تصنیف مذکورہ،صفحہ 6-

30. {{Report on the Village Community of the Deccan Government of Bombay}}, Selections from Records, p. 11.

31۔ایضاً،صفحہ 12۔

32. Francis Buchanan, {{An Account of the District of Shahabad in 1812-13}}, Patna, 1934, P. 367.

33۔ملاحظہ فرمایئے:عرفان حبیب،تصنیف مذکورہ،صفحہ 27-

34۔ایضا،صفحات 27-28-

35۔ ملاحظہ فرمایئے:عرفان حبیب،تصنیف مذکورہ،صفحات 31-42-

36۔ملاحظہ فرمایئے:ڈی۔آر۔گاڈگل،تصنیف مذکورہ،صفحہ 18-

37۔عرفان حبیب،تصنیف مذکررہ،صفحہ 59-

38. {{Selections of Papers from the Records at the East-India Hou-se}}, Vol. Iv, p. 318.

39۔ایضاً،صفحہ 328-

40۔ایضاً،صفحہ 514-

41۔عرفان حبیب،تصنیف مذکورہ،صفحات 49_50-

42. See {{Gazetteer of Bombay Presidency}}, Vol. 26, {{Materials to- Wards a Statistical Account or the Town and Island of Bombay}}, Part 2, Bomboy, 1894, pp. 425, 428.

43. See M. Martin, {{The History, Antiquities, Topography and Statistic of Eastern India}}, Vol. III, London, 1838, p. 320.

44.H. Colebrooke, {{Remarks on the Husbandry and Internal Commerce of Bengal}}, London, 1806, p. 320

45. R. Orme, {{Historical Fragments of the Mogul empire, of the Morattoes and of the English Concerns un Indostan}}, London, 1805, p. 410.

46. V. I. Lenin. {{Collected Works}}, Vol. III, p. 428

47. J. A. Mandelslo, {{The Voyage and Travels of J. Albert Mandelslo... into the East Indies}}, London, 1669, p. 64.

48. See K. Marx, {{The Tehories of Surplus-Value}}, part II, Moscow, 1968, p. 109.

49۔ایضاً،صفحات 109-110-

50. K. Marx, {{Capital}}, Vol. III, p. 898.

51. K. Marx, {{Capital}}, Vol. I, p. 561

52. See {{Return: Cotton (nIdia)}}, 1847, p. 123.

53. J. Taylor, {{A sketch of the Topography and Statistics of Dacca}}, Calcutta, 1840, pp. 189-90.

54. See Abdul Karim, {{Dacca the Mughal Capital}}, Dacca, 1964,

pp. 84-85

55۔ آر-اورم،تصنیف مذکررہ،صفحات405-406-

56. D. R. Gadgil, {{Poona, A Socio- Economis Survey}}, Part II, Poona, 1952, p. 16.

57۔ایچ- کول بروک،تصنیف مذکورہ،صفحہ 48-

58. K. Marx, {{Capital}}, Vol. III. p. 334

59. See {{Minutes of Evidence taken before Right Honourable the House of Lords, on the Lords Committee, appointed ot take into Consi-deration so much of the Speech of His Royal Highness the prince Regent as to the Charter of the East India Company...}}, London, 1813, pp. 92.93.

60۔ایضاً۔

61. {{Reports and Documents connected with the proceedings of theEast-India Company in regard to the culture and Manufacture of Cotton-Wool, Raw Silk and Indigo in India}}, London, 1836. p. 2.

62. See K. Marx, {{Capital}}, Vol. III, p. 333 **

63۔ایضاً۔

64. See F. Buchanan, {{A Geographical, statistical and Hictorical Description of the District of Zila, of DinaJpur in the Province, or Sou-bah, of Bengal}}, Calcutta, 1833, PP. 120-31.

65. K. Marx, {{Capital}}, Vol. III, p. 793.

66. {{Readings in Indian Economic Gistory}}, London, 1964, p.77.

67۔روزالکسمبرگ ''سرمائے کی جمع'' ماسکو،1913صفحہ 260(روسی زبان میں)۔

68. See K. Marx, {{Capital}}, Vol. III, p. 238. **

69. See {{Report from the Select Committee on East India Produce}}, London, 1840, p.

70۔ایضاً،صفحہ 11۔

71. {{Rammohun Roy on Indian Economy}}, Calctta, 1965, p. 22

72. R. D. Cohksey, {{Economic History of the Bombay Deccan and KarnataK}}, Poona, 1945, p. 187.

73. See {{East India: Accounts and Estimaes, 1910-1911, Explanatory Memorandu by the Under Secretary of State for India}}, London, 1910, pp. 32-33, 34-35.

74. See {{Gazetter of Bombay Presidency}}, Vol. Ix,Part I, Bombay, * 1901, pp. 191, 205.

75. See {{Gazetteer of Bombay Presidency}}, Vol. V, Bombay, 1880,* p. 365.

74. See {{Gazetter of Bombay Presidency}}, Vol. Ix,Part I,

75. Bombay, * 1901, pp. 191, 205See {{Gazetteer of Bombay Presidency}}, Vol. V, Bombay, 1880,* p. 365.

76. See {{Gazetteer of Bombay presedency}}, Vol. xxlv, p. 172

77. See {{Statistical Account of Bengal}}, Vol. VII, London, 1878, * p. 230

78۔ایضاً،صفحات 231-234

79. F. H. B. Skrine, {{Memorandum of the Material Condition of theLower Orders in Bengal during the Ten Years from 1881-1882 to 1891-1892}}, Calcutta, 1892.

80. A. S. Sen, {{Report on the System of Agricultural Statistics of The Dacca Districts}}, Calcutta, 1897.

81۔اے-ایس-سین-رپورٹ زیرحوالہ-صفحات 64-65-

82۔ملاحظہ فرمایئے:اے-ایس-سین،مذکورہ رپورٹ،صفحہ 63-

83۔ملاحظہ فرمایئے:ایف-ایچ-بی-اسکرائن کی مذکورہ یادداشت،صفحہ 5-

84. {{Census of india}}, vol. V, 1911, Part I, {{Report by L.S.S. O'Malley}}, Calcutta, 1913, p. 526.

85.See {{East India (Factory Inspection). Copies of Recent Corres- * Pondence with the Governmen of India of India on the SubJect of Inspection of Factories and of the Factory Inspectors' Report}}, London, 1894, pp. 51.56, 108,

86. See {{Report of the Bombay Mill-Owners' Association for the Year 1893}}, Bombay, pp. 68-69 and {{Provincial Report on the Wor-King of the andian Factories' Act in te Bombay Presidency for the Year 1892}},

87. See Morris D. Morris, {{The Emergency of an Industrial Labour Rorce in andia. A Study of the bombay Cotton Mills, 1854-1947}}, BerKe-ley-Los Angelos, 1965, p. 62.

88. See {{Hansard's Parliamentary Debates}}, Third Series, Vol. 160. ** p. 46

دوسرا باب

بیسویں صدی کی چھٹی اور ساتویں دھائیوں میں

ہندستانی سماج کا زرعی ارتقا

سرمایہ داری کے عام بحران کے دور میں خاص طور سے آخری پچیس سال سے جب ہندستان نے خودمختاری حاصل کر لی اس کے بعد سے ملک کے سماج کی کثیر تشکیلی وضع قطع تیزی کے ساتھ بدلی۔ جدید ہندستان میں سماجی ومعاشی شکلوں کا اتنا وسیع تنوع ہے کہ ان کی کرداری خصوصیت کا اظہار کرنے والے تعلقات کا بحیثیت مجموعی مطالعہ ہی ملک کے سماجی ومعاشی عمل کی کم وبیش مکمل تصویر پیش کر سکتا ہے۔

زرعی ارتقا اس عمل کا جزو لاینفک ہے۔ ہندستان کا زرعی ارتقا واقعی ایک پیچیدہ اور نہایت ہی متنوع نمونہ پیش کرتا ہے۔ معاشی تشکیلوں کے بے حساب تنوع اور علاقائی ترقی کی مختلف معاشی سطحوں کے ساتھ ایشیا کے ترقی پذیر ملکوں میں ہندستان کثیر تشکیلی سماج کے اندر زرعی ارتقا کا انتہائی وسیع دائرہ پیش کرتا ہے۔ ایشیا کے جو ممالک سماجی ومعاشی تشکیلوں کے انقلابی تغیر وتبدل سے دوچار نہیں ہوئے ہیں وہ دیہی ارتقا کی جو بھی مختلف صورتیں اختیار کر چکے ہیں وہ ہندستان کا زرعی ارتقا سب دیکھ چکا ہے۔

مارکسی لیننی نظریے کی روشنی میں کسی کثیر تشکیلی معیشت کے زرعی ارتقا کا تجزیہ ایسے منہاجیاتی مسائل کے ایک سلسلے کو سامنے لے آتا ہے جو تیسری دنیا کے بہت سے ملکوں میں، جن میں ہندستان بھی شامل ہے، مشترک ہیں۔

یہ بات پہلے ہی واضح کی جا چکی ہے کہ قومی معیشت ایک ایسا نظام ہوتا ہے جس میں باہم عامل تشکیلوں کے عام رجحان کا تعین اس تشکیل کے ارتقا سے ہوتا ہے جو شکل وصورت ڈھالنے کا، نظام کے سانچے کا کام دیتی ہے۔ تیسری دنیا کے ملکوں میں نظام کو ڈھالنے والی تشکیل کے کارمنصبی یا تو سرمایہ دارانہ تشکیل انجام دیتی ہے یا قومی ریاست جس کی ملکیت بتدریج یا اچانک تبدیلیوں کے دوران میں سرمایہ دارانہ تشکیل کے اظہار کی سادہ شکل نہیں رہ جاتی اور اپنی علیحدہ ہستی اختیار کر لیتی ہے اور اس طرح ملکیت کی دوسری شکلوں کو کمزور کر دیتی یا ہڑپ کر لیتی ہے جن سے سرمایہ دارانہ رجحانات پیدا ہوتے شدت اختیار کر لیتے ہیں۔

تیسری دنیا کے ملکوں میں تشکیلوں کا ایک نظام ڈھالنے والی تشکیل کی حیثیت سے سرمایہ داری کو مواقعات کا وہ دائرہ مہیا نہیں ہے جو مغربی یورپ میں سرمایہ داری کے ابتدائی مرحلوں میں فراہم تھا۔ جو ممالک اب تیسری دنیا کی تشکیل کرتے ہیں ان پر طویل عرصے تک نوآبادیاتی حکمرانی نے اور اس کے

ساتھ عالمی سرمایہ دارانہ معیشت کے اندر آج کل ان کی نامساوی حیثیت نے ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے جس میں نوخیز قومی سرمایہ داری نے سامراجی استحصال کا سارا بوجھ ''گذشتہ حصے'' یعنی سرمایہ داری سے پہلے کی تشکیلوں پر منتقل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان حالات میں سرمایہ داری کا یہ رجحان کہ وہ خود کفیل وضع کے تعلقات کا کٹاؤ شروع کر دیتی ہے ایک مخالف رجحان نمایاں کر دیتا ہے۔ یہ رجحان اس کٹاؤ کی رفتار گھٹا دینے کا ہوتا ہے (تیسری دنیا کے ملکوں میں روایتی معاشی تشکیلوں کی پائداری کی ایک وجہ یہ بھی ہے)۔ اس سے مناسب بنیاد پر قومی سرمایہ داری کے لئے گھریلو منڈی کو وسیع کرنے کی امکانی صلاحیت کو کافی محدود کرنے کا جھکاؤ ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ مناسب بنیاد جنس تجارت کی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔ جس کا بلند ترین اظہار خود سرمایہ ہوتا ہے۔

ایسی حالت میں جب کہ نظام کو ڈھالنے کی تشکیل کی حیثیت سے سرمایہ دارانہ سیکٹر کمزور ہوتا ہے، ریاست کو تیسری دینا کے ان ملکوں میں بھی نظام ڈھالنے کے فرائض خود سنبھالنے پڑتے ہیں جنہیں ایسی انقلابی اتھل پتھل کا سامنا نہیں ہوا جو ملکیت کے تعلقات بنیادی طور پر بدلتی ہے۔ اس رجحان کی مثال تیسری دنیا کے متعدد ملکوں میں املاک کو قومیانے اور اکثر براہ راست پیدا کرنے والوں کی املاک کو بنیادی طور پر تبدیل کر کے نجی ملکیت کے بعض عناصر کا خاتمہ کرنے سے ملتی ہے۔ اس کا زور تیسری دنیا کے الگ الگ ملکوں میں الگ الگ ہوتا ہے۔ ہندستان میں بھی یہی رجحان نمودار ہوا ہے۔

ایشیا کے بہت سے دوسرے ترقی پذیر ملکوں کی طرح ہی ہندستان کی زراعت میں بھی عرصہ دراز سے سرمایہ داری ایک ایسی تشکیل رہی ہے جس نے نظام کے سانچے کا کام دیا۔ اس لئے ان ملکوں میں زرعی ارتقا کے مطالعوں میں سرمایہ دارانہ تشکیل کے قیام سے متعلق مسئلے توجہ کا مرکز رہے ہیں۔

کثیر تشکیلی زرعی نظام کا مطالعہ کرنے کی ایک اولین شرط کی حیثیت سے مارکسی منہاجیات کا سب سے پہلے یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ سرمایہ دارانہ تشکیل کے ارتقا کے مرحلے کی ٹھیک ٹھیک تعریف کی جائے۔ کثیر تشکیل معیشت کے اندر زرعی سرمایہ دارانہ نشوونما کو گہرائی تک مطالعہ کرنے کا مطالبہ ہوتا ہے کہ سرمایہ دارانہ تغیر وتبدل کی سابقہ، سرمایہ داری سے پہلے کی شکلوں کی قسموں کا تفصیلی تجزیہ کیا جائے۔ یہ راستہ مارکس نے اپنایا تھا اور بعد میں ''سرمایہ دارانہ زرعی ارتقا کے دو راستوں یا طریقوں کے درمیان جدوجہد''[1] کے نظریے میں لینن نے اسے تفصیل کے ساتھ واضح کیا۔

ایشیائی زراعت میں کم وبیش مکمل طور سے قائم شدہ سرمایہ دارانہ تشکیل کی انتہائی کمزوری کے پیش نظر (ہندستان کے متعلق اندازہ ہے کہ اس صدی کی ساتوی دھائی کے ابتدائی زمانے میں مجموعی زرعی پیداوار میں سرمایہ دارانہ سیکٹر کا حصہ اندازاً 10 یا 15 فیصدی تھا) دیہات میں سرمایہ داری کے فروغ کے لئے زمین ہموار کرنے والی ابتدائی سماجی ومعاشی شکلوں کے مطالعے کو خاص اہمیت دی جاتی ہے۔اس پس منظر میں دو اہم پہلو خاص طور سے قابل توجہ ہیں۔

ایک تو جنس تجارت کی پیداوار کی ترقی اور خصوصاً چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی تشکیل کا قیام ہے۔چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کے ارتقا کا ایک خود مختار تشکیل کی حیثیت اختیار کرنا بہت سارے مختلف عوامل سے ہوا۔ان میں غیر معاشی جبر کے ان طریقوں کا رفتہ رفتہ غائب ہونے کا عمل بھی شامل ہے جو روایتی سماج میں جسے بعد میں استعماریت پسندوں نے اپنا محکوم بنالیا تھا بہت عام تھے۔2 اس کے علاوہ ان میں چھوٹے پیمانے کی اس نجی زمینداری کے قیام کے عوامل بھی شامل ہیں جو ایشیا بنیاد فراہم کرتی ہے۔ ان میں تجدید پیداوار کی ان خود کفیل بنیادوں کے انتشار کے عوامل بھی شامل ہیں جن کا پہلے کے دور میں برادری کی محنت کی تنظیم میں غلبہ تھا اور جو جنس تجارت کے تبادلے پر مبنی تعلقات کے نظام تجدید پیداوار کے قیام کے دوران میں کارفرما ہوتے ہیں۔عوامل کے پورے ایک سلسلے کا مطالعہ کرنے سے ہی کوئی محقق ایک الگ زمرے کی حیثیت سے چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی تشکیل کے قیام کے مرحلوں کی ترتیب درفافت کرسکتا ہے۔

دوسرے، سابقہ طرز پیداوار کا نظام درہم برہم ہونے یا اس کے سڑگل جانے سے جو درمیانی، عبوری کہلائی جانے والی معاشی تشکیلیں بحیثیت مجموعی پوری قومی معیشت اور خاص طور سے زراعت میں نمودار ہوتی ہیں ان کا قیام اور اثر۔ایسی تشکیلوں کا مطالعہ کرنے کے طریقے جو سب سے پہلے مارکس نے متعین کئے تھے اور جنہیں بعد میں لینن نے نشو ونما دی، کئی کلیدی عناصر کے پہلے ہی سے تلاش کرنے کو فرض کر لیتے ہیں۔خاص طور سے یہ اندازہ لگانے کی ضرورت درپیش ہوتی ہے کہ مختلف درمیانی پیداواری تعلقات اپنی خاصیت کے اعتبار سے کس حد تک سرمایہ داری کی جانب عبور کی دراصل شکلوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ایسی ہی ایک درمیانی شکل (پیداوار پر سوداگر کے براہ راست اختیار) کے سلسلے میں تجزیہ کرتے ہوئے مارکس نے زور دیا ہے:

''تواریخی اعتبار سے یہ چاہے عبوری سیڑھی کا کام کتنا ہی کیوں نہ دے... بذات خود یہ پرانی طرز پیداوار کا تختہ پلٹنے میں کوئی حصہ ادا نہیں کر سکتی کیونکہ اپنی شرط اولین کی حیثیت سے اسے محفوظ کرنے اور برقرار رکھنے کی جانب مائل سی نظر آتی ہے۔'' نیز انہوں نے یہ بھی کہا کہ ''یہ نظام اصل سرمایہ دارانہ طرز پیداوار کی راہ میں ہر جگہ رکاوٹ پیدا کرتا ہے اور اس کے ارتقا کے ساتھ تباہ ہو جاتا ہے۔'' مارکس نے اس بات کا خاص طور سے ذکر کیا ہے کہ اس قسم کی شکلوں کے تغیر و تبدل کے دوران میں براہ راست پیداوار کرنے والوں کی ''محض اجرتی مزدوروں اور پرولتاریوں'' میں تبدیلی ''ان مزدوروں سے بدتر حالات کے تحت ہوتی ہے جو سرمائے کے براہ راست ماتحت ہوتے ہیں۔ اور مزدوروں کی محنت زائد پرانے طریقہ پیداوار کی بنیاد پر ہتھیالی جاتی ہے۔''3

اس کے ساتھ ہی ساتھ ہی مارکس نے ایسی شکل کے تصور کی وضاحت کی جو سرمایہ داری کی جانب لے جانے والی عبوری شکل ہوتی ہے۔ اور اس کی بنیاد انہوں نے فرانس میں بٹائی داری کے نظام کو بنایا تھا جو اس وقت قائم کیا گیا تھا جب وہاں جاگیرداری کے خلاف انقلاب کے مقاصد کی تکمیل کی جا چکی تھی۔4

چنانچہ مارکسی منہاجیات کا مطالبہ ہے کہ عبوری شکلوں کی تشکیل اور ارتقا کے ماحول کے جس میں عبوری شکلیں پیدا ہوتی اور ترقی کرتی ہیں سماجی و معاشی حالات کا بحیثیت مجموعی مطالعہ کیا جائے۔

ایشیا کے بہت سے دوسرے ترقی پذیر ملکوں کی طرح ہی آج کے ہندستان کی زرعی معیشت میں درمیانی معاشی شکلوں کی بہتات جو پیداوار کی پرانی طرز کو ''محفوظ کرنے کی جانب مائل سی'' نظر آتی ہیں، تشکیلی وضع کے زرعی بحران کی سب زیادہ واضح علامت ہے۔ ملکیت کے پرانے تعلقات جنس تجارت کی پیداوار کی مناسب نشوونما کی راہ میں رکاوٹ بن گئے ہیں۔ اس قسم کی معیشت کے بنیادی تضادات کا لینن نے لب لباب مرتب کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''پرانی 'نیم جاگیردارانہ، خود کفیل معیشت میں خلل آ گیا جب کہ نئی بورژوا معیشت کے لئے حالات ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔''5

زرعی معیشت کی اس عبوری حالت کا اظہار پرانی معاشی ترتیب کا کسی مناسب نئے نظام کے قیام کے بغیر شیرازہ منتشر ہونے میں، براہ راست پیداوار کرنے والوں کی طویل بے دخلی اور ایسی درمیانی معاشی تشکیلوں کے قیام اور اس کے بعد ان کے نمو میں ہوتا ہے جن کا رجحان جمود کی جانب ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسے معاشرے کے سماجی و معاشی ارتقا کی نمایاں خصوصیت ہے جو اگر عالمی سرمایہ دارانہ نظام میں کھنچ

کر چلا آئے تو اس میں اسے محکوم مقام حاصل ہوتا ہے۔

زرعی سرمایہ داری کی ابتدا کا مطالعہ کرنے والوں کو جو لازمی فریضہ درپیش ہے وہ نہ صرف یہ دریافت کرنا ہے کہ اس سے پہلے کے خودکفیل بنیاد والے گاؤں کے سماج کا شیرازہ منتشر ہونے کا عمل اپنی خاص سمتوں میں کس شدت سے ہوا (ایک طرف چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی پیداوار کا قیام اور چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی تشکیل میں اس کی علیحدگی اور دوسری طرف درمیانی تشکیلوں کا قیام) بلکہ یہ معلوم کرنا بھی ہے کہ زرعی ارتقا کے ایک دھاوے کی تشکیل کرنے والے جائداد کے پرانے تعلقات دوسرے اس دھاوے کی ترکیب وترتیب کو کس حد تک بگاڑ دیتے ہیں جس پر جنس تجارت کی پیداوار کے قوانین حاوی ہوتے ہیں، ترقی پذیر سرمایہ داری پرانے طریقہ پیداوار سے عناصر کو کس حد تک مستعار لیتی ہے اور عالمی سرمایہ دارانہ نظام اپنی ''حدود'' کے منطقے میں جنس تجارت کے تعلقات پر مبنی زرعی سرمایہ داری کو کس شکل میں اور کس حد تک نشوونما پانے کی اجازت دیتا ہے۔

معاشی تشکیلوں کے نظاموں کے متعلق مارکسی اصولوں کی روشنی میں ہندستانی سماج کے مطالعے کا راستہ اختیار کرنے سے دیہات میں طبقات کی ترتیب وتشکیل کے مسئلے کے بعض نئے پہلوؤں کی توثیق کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔

ہندستان میں ایک ایسی صورت حال پیدا ہوگئی ہے جس میں سرمایہ دارانہ طبقات کی ترتیب وتشکیل کے عوامل ٹوٹتی ہوئی روایتی تشکیلوں کے دائرے میں طبقوں کی ترتیب وتشکیل کے عوامل سے اثر انداز ہوتے ہیں۔ لیکن گاؤں کی زندگی پر ریاست کی طرف سے ڈالے جانے والے اثر کے نتیجے میں دونوں نمایاں تغیرات کے دور سے گزر رہی ہیں۔

تحقیق کرنے والے لازماً یہ سوال درپیش ہوتے ہیں کہ جدید طبقات کا (یعنی سرمایہ دارانہ سماج کے طبقوں اور ریاستی املاک کی نشوونما سے پیدا ہونے والی سماجی پرتوں کا) اور روایتی طبقوں اور گروہوں کا تناسب کیا ہے؟ مزید یہ کہ اس تناسب میں کس تیز رفتاری سے تبدیلی رونما ہو رہی ہے؟ آج کل کے طبقوں کا تعین کرنے والے سماجی ومعاشی خدوخال کس حد تک مرتب ہو چکے ہیں اور روایتی طبقوں کے خدوخال کس حد تک اور کن سمتوں میں تبدیل ہو رہے ہیں؟ مثلاً ہندستانی دیہات کے روایتی کسانوں میں سے کس حد تک پیٹی بورژوا کسان طبقے کی تشکیل ہوئی ہے؟ ہندستانی دیہات میں قوت محنت فروخت

کرنے والوں کی پوری ایک فوج میں سے خاص گروہ کی حیثیت سے سرمایہ دارانہ سماج کے اجرتی مزدوروں کا طبقہ کس حد تک بن گیا ہے؟ پیداوار کرنے والے کثیر تعداد قلاش لوگوں کا سماجی ومعاشی کردار کیا ہے؟ درمیانی تشکیلوں میں موجود استحصال کرنے والوں کے سماجی خدوخال کس قسم کے ہیں؟ دیہات میں ایک طرف تو استحصال کرنے والوں کے گروہوں کی سرمایہ دارانہ سماج کی طبقاتی درجہ بندی اور دوسری طرف سرمایہ داری سے پہلے کے سماج کی درجہ بندی کس منزل تک پہنچ گئی ہے؟ دیہات کے طبقے چونکہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر زیادہ وسیع تعلقات کے نظام میں اپنی شمولیت سے متاثر ہیں اس لئے ان کی خاص خصوصیات کیا ہیں؟

ہندستان کی زرعی معیشت میں خودکفیل اور جنس تجارت کے تعلقات

اپنی تصنیف ''روس میں سرمایہ داری کا ارتقا'' کے پہلے باب کے شروع میں لینن نے جنس تجارت کی اور سرمایہ دارانہ پیداوار کے مطالعہ کے اہم بنیادی اصول مقرر کردئے تھے۔ انہوں نے لکھا: ''منڈی جنس تجارت کی معیشت کا ایک زمرہ ہوتی ہے جو اپنی نشوونما کے دوران میں سرمایہ دارانہ معیشت میں بدل جاتی ہے اور صرف موخرالذکر کے تحت ہی مکمل غلبہ اور عام رواج حاصل کرتی ہے۔ اس لئے گھریلو منڈی سے متعلق بنیادی نظریات پر غور کرنے کی غرض سے ہمیں سادہ تجارت کی معیشت سے آغاز کرنا چاہئے اور سرمایہ دارانہ معیشت میں اس کے رفتہ رفتہ بدل جانے کا کھوج لگانا چاہئے۔'' ☆ آگے چل کر انہوں نے لکھا ''...جنس تجارت کی معیشت کی اور سرمایہ داری کی نشوونما کے پورے عمل کی بنیاد سماجی تقسیم محنت ہے۔''[7]

ہندستان کی کثیر تشکیلی معیشت پر کم پیداوار دینے والی تشکیلیں حاوی ہیں (قومی آمدنی کے حجم کے اعتبار سے)، جو سب سے پہلے تو دیہات میں مرکوز ہیں۔ اس لئے سماجی تقسیم محنت کی، جو جنس تجارت کے تبادلے کے وسیلے سے ہوتی ہے، پختگی کے درجے کا مطالعہ مندرجہ ذیل دو اسباب سے لازمی ہے۔ اول تو اس سے بڑے پیمانے کے عمل کی حیثیت سے سماجی تشکیلوں کے قیام کے لئے بنیادی شرائط اور ابتدائی مرحلے واضح ہو جاتے ہیں اور اس کی بدولت اس تجزیہ کی مزید وضاحت کے دوران قومی معیشت (یا اس کے انفرادی حلقوں) کے اندر کسی خاص تشکیل کا اصل مقام متعین کرنے میں غلطیوں سے بچنے کے زیادہ

لوازمات فراہم ہوتے ہیں۔ دوسرا، اس سے ٹھوس بنیاد فراہم ہوجاتی ہے تاکہ معاشی نمو کے کردار اور حرکیات کا تجزیہ کیا جاسکے، خصوصاً اس صورت میں جب کہ خودکفیل معیشت کی امکانی صلاحیت اور اس کی فراہم کی ہوئی پیداوار کی زیادہ سے زیادہ ممکن حد تک تحقیق کر لی گئی ہو۔

معاشی اعتبار سے ترقی یافتہ ملکوں میں قابل فروخت زرعی اشیا کی پیداوار کی سطح اس شعبے میں سماجی تقسیم محنت کی سطح سے کم وبیش مطابقت رکھتی ہے (جہاں زراعت اور صنعت کے درمیان غیر مساوی تبادلہ ہوتا ہے وہاں وہ اس مناسبت کو مسخ کرسکتا ہے)۔ تیسری دنیا کے ملکوں خصوصاً ہندستان میں صورت حال قطعی مختلف ہے۔ ان ملکوں میں زراعت کے تبادلے کی قدروں کی پیداوار اصل سماجی تقسیم محنت کے پیمانے سے عموماً خاصی بڑی حد تک بڑھ جاتی ہے۔ یہ عدم تناسب جو شروع میں اس وجہ سے پیدا ہوا تھا کہ ہندستان کو استعماریت پسندانہ استحصال کی بنیاد پر عالمی سرمایہ دارانہ معیشت کے نظام میں جبراً شامل کرلیا گیا تھا، زراعتی پیداوار کرنے والے پر سرمایہ داری دور سے پہلے کی طرز ملکیت کے اثر کے تحت آج تک برقرار رکھا گیا ہے۔ اس لئے ہندستان کی زرعی معیشت کے اور اسی طرح تیسری دنیا کے دوسرے ملکوں کے سیاق وسباق میں سب سے زیادہ اہمیت پیداوار کے خودکفیل اور منڈی کے اشاریوں کے تجزیے کو دی جانی چاہئے۔ یہ اشاریے پیداوار کے عمل سے اشیا کے نکاس کے دور ہی کے نہیں بلکہ سب سے اہم بات یہ ہے کہ زراعتی تجدید پیداوار میں اس کی آمد اور کھپت کے دور کے بھی ہونے چاہئیں۔

تیسری دنیا میں بڑے پیمانے کے مظہر کی حیثیت سے جنس تجارت کی معیشت کے نمودار ہونے سے مدتوں قبل سماجی تقسیم محنت موجود تھی اور وہ خودکفیل تبادلے پر مبنی تھی۔ مارکس نے لکھا ہے کہ سماجی تقسیم محنت ''جنس تجارت کی پیداوار کی لازمی شرط ہے لیکن اس سے اس کے برعکس نتیجہ یہ نہیں نکلتا کہ جنس تجارت کی پیداوار تقسیم محنت کی لازمی شرط ہے۔ قدیم ہندستانی برادری میں جنس تجارت کی پیداوار کے بغیر سماجی تقسیم محنت موجود تھی۔''[8] سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ منڈی کی معیشت کی زبردست یلغار شروع ہونے تک جو سماجی تقسیم محنت موجود تھی اس کے دائرے سے جنس تجارت کے تعلقات خودکفیل وضع کے تعلقات کو کس حد تک اکھاڑ سکے تھے؟ جنس تجارت کی پیداوار کی نشوونما کی سطح کا اندازہ لگانے میں اس مسئلے کا مطالعہ غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے۔

ہندستان کے آج کل کے صنعتی سیکٹر کی تبدیلیوں کے برعکس، جو بالکل شروع ہی سے جنس تجارت کی

پیداوار کی حیثیت سے ابھرا اور مصروف عمل رہا ہے، سماجی تقسیم محنت میں، جیسی کہ وہ روایتی معاشی منطقے میں موجود ہے، تبدیلیاں بہت ہی آہستہ آہستہ نمودار ہوئیں اور خود اپنی خود کفیل وضع کی بنیاد سے تجدید پیداوار کی علیحدگی قرنوں بلکہ صدیوں تک میں ہوتی رہی ہے۔ لیکن ہندستان کی (اور اسی طرح تیسری دنیا کے دوسرے بہت سے ملکوں کی) معیشت کے ان منطقوں میں جو حاوی حیثیت رکھتے ہیں سماجی تقسیم محنت کی پختگی ہی جنس تجارت کے تبادلے کے وسیلے سے قومی پیمانے پر سماجی تقسیم محنت کی پختگی کا اور قومی اندرونی منڈی کے قیام کے کردار اور ترقی کا تعین کرتی ہے۔

ہندستانی زراعت میں محنت کی کارگزاری

ہندستانی زراعت میں تجدید پیداوار کے دوران زرعی پیداوار کے مجموعی صرفے کی نجی صرفے اور پیداواری صرفے کے فنڈ میں تقسیم کی کرداری خصوصیت نمایاں کرنے والے تناسبات معاشی اعتبار سے ترقی یافتہ ملکوں کی زراعت کی خصوصیت واضح کرنے والے ایسے ہی تناسبات سے نمایاں طور پر مختلف ہیں۔ تیسری دنیا کے ملکوں کی زراعت میں پیداواری صرفے کا فنڈ نسبتاً قلیل ہوتا ہے۔ مثلاً 1964-1965 میں ہندستان کی زراعت میں پیداواری صرفے کے فنڈ پر اخراجات کا مجموعی پیداوار کی مقدار سے تناسب محض 27.8 فیصدی تھا۔9 مقابلہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ زراعت میں نجی صرفے کے فنڈ نے تجدید پیداوار سے حاصل شدہ پیداوار کے کہیں بڑے حصے کو جذب کر لیا۔ ظاہر ہے کہ تیسری دنیا کے بہت سے دوسرے ملکوں کی طرح ہندستان کی زراعتی پیداواری قوتوں کی امتیازی خصوصیت تجسیم شدہ محنت پر زندہ محنت کا واضح غلبہ ہے۔ زراعت میں پیداواری عمل کا خاص ترکیبی عنصر بدستور زندہ محنت ہے۔ قومی معیشت کی اس شاخ میں محنت کی سماجی پیداواری قوت کی حدیں انجام کار یہی ترکیبی عنصر متعین کرتا ہے۔

گذشتہ بیس برس میں ہندستان کی کثیر تشکیلی معیشت کی کارگزاری کے اعتبار سے مختلف شاخوں کے درمیان بڑھتے ہوئے فرق کے رجحان کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس عمل کی اہم کیفیتی خصوصیت یہ رہی ہے کہ ملک کی معیشت کے ''ثانوی'' حلقے میں (خام مال پر عمل کرنے کی صنعت میں) محنت کی کارگزاری بڑھی ہے اور اس کے پس منظر میں زراعت میں محنت کی کارگزاری میں نیم جمودی کیفیت طاری ہے۔

اس عمل سے معاشی تشکیلوں کے متضاد دستوں میں بٹنے کا رجحان رونما ہوتا ہے۔ سرمایہ دارانہ طریقہ

پیداوار کی تشکیل کے ابتدائی دور میں سماجی ومعاشی ارتقا کا یہ قدرتی مرحلہ ہوتا ہے۔ معاشی اعتبار سے ترقی یافتہ ہر سرمایہ دار ملک اس مرحلہ سے گزرا ہے۔ آج اس مرحلے کی ایک امتیازی خصوصیت متضاد سمتوں میں بٹنے کی رفتار میں بے پناہ اضافہ ہے۔ ایک طرف تو یہ روایتی منطقے میں زیادہ جمود آجانے کا نتیجہ ہے (مثلاً مغربی یورپ کی زراعت کے اس زمانے کی بہ نسبت جب کہ وہاں سرمایہ دارانہ تغیر وتبدل کا آغاز ہوا تھا) اور دوسری طرف موجودہ سائنسی اور ٹکنیکی انقلاب کے اثر کا نتیجہ ہے جس کے فوائد اگر ترقی پذیر ملکوں کی دسترس میں پہنچ بھی جاتے ہیں تو یا تو پبلک سیکٹر کی طرف چلے جاتے ہیں یا سرمایہ دارانہ تشکیل کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ صفوں میں پہنچ جاتے ہیں اور روایتی سیکٹر اچھوتا ہی رہ جاتا ہے۔

اب رہا سوال ہندستان کی زراعت میں محنت کی کارگزاری کی قطعی سطح کا، تو اس کی خصوصیت یہ ہے کہ تیار مال کی ہر اکائی پر زندہ محنت بے حساب خرچ ہوتی ہے۔ مثلاً اس صدی کی چھٹی دہائی کے وسط میں مغربی بنگال میں ایک ٹن چاول پیدا کرنے میں 950 نفر گھنٹے لگتے تھے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ساتویں دھائی کے آغاز میں دھان کی پیداوار میں ٹکنیکی تجدید رائج کرنے سے پہلے اس کام پر جتنی محنت صرف ہوتی تھی اس سے یہ 20 سے 30 گنی تک زیادہ ہے۔ پنجاب میں (جو ساتویں دھائی کے آخر میں ہندستان کے ''سبز انقلاب'' کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ علاقہ تھا) ایک ٹن گندم کی پیداوار پر جو محنت صرف ہوتی وہ کوئی 500 نفر گھنٹے کے برابر تھی۔ ساتویں دہائی کی ابتدا میں ریاستہائے متحدہ امریکہ میں اسی مقدار میں گندم کی پیداوار پر صرف ہونے والی محنت سے یہ 100 گنی زیادہ تھی۔ عام طور پر دیکھا جائے تو موجودہ صدی کے وسط میں ہندستان کی زراعت میں محنت کی کارگزاری کی جو سطح پائی جاتی تھی وہ وہی تھی جو یورپی زراعت میں اٹھارویں صدی میں تھی۔ یہ فرانسیسی انقلاب سے پہلے کا زمانہ تھا (ہندستان کے بعض نسبتاً ترقی یافتہ علاقوں میں اس وقت جو سطح رہی وہ انیسویں صدی کے وسط میں مغربی یورپی ملکوں کی سطح کے قریب قریب برابر پہنچی ہے)۔

چنانچہ ایک طرف ہندستان کی زراعت اور دوسری طرف ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں کی زراعت معاشی ارتقا کے مرحلوں کے اعتبار سے قطعی دو مختلف دنیائیں ہیں۔ اگرچہ زمانی اعتبار سے دونوں ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو موجود ہیں، لیکن انہیں تواریخی اعتبار سے پورا ایک عہد جدا کرتا ہے جو ڈیڑھ یا دو صدیوں کا احاطہ کرتا ہے۔ موجودہ صدی کی ساتویں دھائی تک میں ہندستان اور ایشیا کے بعض دوسرے

ترقی پذیر ملکوں میں بین شعبوں میں آبادی کی تقسیم اور مجموعی اندرونیا شیا کی پیداوار فرانس کے اس زمانے سے کچھ ہی مختلف تھیں جب کہ وہاں جاگیرداری روبہ زوال تھی۔ (جدول 2 ملاحظہ فرمائیے)۔

جدول 2

زراعت پیشہ آبادی اور زرعی پیداواری کا اضافی توازن

ملک		زراعت پیشہ آبادی	زرعی پیداوار	
	سنہ	مجموعی آبادی کا فیصد	سنہ	اشیا کی مجموعی پیداوار کا فیصد
فرانس	1889	70	1788	*59
ہندستان	1961	70	1964	*54.3
پاکستان	1961	74	1964	49.1
انڈونیشیا	1965	66	1965	48

☆ قومی آمدنی کا فیصد۔

غالب روایتی معمولات اور ٹکنیکی طریق کار پر مبنی کاشتکاری کے نظام کے اندر چھوٹے پیمانے اور بڑے پیمانے کی زراعت کے حلقوں میں محنت کی کارگزاری اوسطاً یکساں رہی۔ اس کے معنے یہ تھے کہ ہندستان کی زراعت میں جس سرمائے کی تشکیل ہوئی اور پیداوار کے دائرے میں جو اپنے فرائض انجام دیتا رہا وہ عام طور سے زراعت کی ٹکنیکی بنیاد کی اصلاح کے لئے استعمال نہیں ہوا۔ علاوہ ازیں مزروعہ رقبے کی فی اکائی پر پیداوار کے اعتبار سے چھوٹے فارموں نے بڑے فارموں پر عموماً سبقت حاصل کی۔ یہ بات جدول سے واضح ہے۔

جدول 3

پنجاب کے فارموں کے مختلف زمروں میں محنت کی کارگزاری اور فصل کی پیداوار برائے 55-1954 تا 101956-57

مزروعہ رقبے کے اعتبار سے فارموں کے زمرے (ایکڑ میں)	محنت کی کارگذاری روپیہ فی نفر گھنٹے میں	فی ایکڑ پیداوار	
	روپے		پیداوار
5 سے کم	1.05	209	131
5 سے 10 تک	1.01	180	116
10 سے 20 تک	0.98	171	107
20 سے 50 تک	0.98	150	94
50 اور اس سے زیادہ	1.07	128	80
اوسط	0.99	160	100

ان تمام عناصر کے پیش نظر جو محنت کی کارگزاری کی سطح کو متعین کرتے ہیں، خود کفیل اور جنس تجارت کی شکلوں میں زرعی پیداوار کی نقل وحرکت کے تفصیلی تجزیے کے ذریعے زرعی تجدید پیداوار میں منڈی جو حصہ ادا کرتی ہے اس کی خاصی واضح تصویر حاصل کی جاسکتی ہے۔

منڈی اور زراعت میں پیداواری صرفہ

ہندستان کی زرعی معیشت میں ذرائع پیداوار کی تجدید پیداوار کی کرداری خصوصیت قومی تجدید پیداوار میں اس کی محدود پیمانے کی شرکت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ زراعتی تجدید پیداوار کے دائرے کے اندر بڑے پیمانے پر خام مال پر عمل کرنے کی صنعتیں ابھی تک کوئی نمایاں مقام حاصل نہیں کرسکی ہیں۔ یہاں تک کہ اس صدی کی ساتویں دھائی کے وسط میں بھی ہندستان کی زراعت کے 82 فیصدی مجموعی مادی اخراجات زراعت سے حاصل ہونے والی اشیا پر ہوتے تھے، 10.9 فیصدی دیہات کے اہل حرفہ کی بنائی ہوئی چیزوں پر (اور کچھ شہری دستکاری کی صنعتوں پر) اور 10.6 فیصدی ریاستی آبپاشی پر۔ بڑے پیمانے پر کارخانہ داری اور برقی قوت کی صنعتوں کا حصہ محض 5.9 فیصدی تھا۔ 11 غالباً صرف پنجاب ہی اس سے مستثنیٰ تھا جو ہندستان کے ''سبز انقلاب'' کا آج کل خاص علاقہ ہے۔ 1950-51 میں اس کے

گاؤں کے باہر کے سیکٹروں کی ضروریات کی معیشت نے جنس تجارت کے تبادلے کے ذریعے پیداواری صرفے کی مجموعی ضرورویات کا 7.7 فیصدی فراہم کیا جب کہ 65-1964 میں یہ فیصد تناسب 24 تک پہنچ گیا۔ زیادہ تر یہ اضافہ زراعت کو جدید ذرائع پیداوار خصوصاً معدنی کھادیں، ایندھن، بجلی اور زراعت کی مشینیں مہیا کر کے حاصل کیا گیا۔ 12

اس حقیقت کے باوجود کہ ہندستان کی زراعت کو ذرائع پیداوار فراہم کرنے میں صنعت کا حصہ حالیہ چند برسوں میں نمایاں طور پر بڑھ گیا ہے، وہ اب بھی اصلیت میں قومی معیشت کا ''خود انتظامی'' سیکٹر ہے۔ اس کے اندر تجدید پیداوار زیادہ تر ان مادی وسائل پر مبنی ہوتی ہے جو مقامی طور پر تخلیق کئے جاتے ہیں (ان میں وہ بھی شامل ہیں جو دیہات کے اہل حرفہ مہیا کرتے ہیں)۔ بہ الفاظ دگر ہندستان کی زراعت میں تجدید پیداوار کے عمل کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ مختلف سیکٹروں کے درمیان تعلقات پر سیکٹروں کے اندرونی تعلقات کا واضح غلبہ ہے۔ یہی کیفیت ایشیا کے بہت سے دوسرے ترقی پذیر ممالک کی ہے۔ عملی طور پر موجودہ صدی کی آٹھویں دھائی میں ہی جدید صنعت نے زراعتی ذرائع پیداوار کی منڈی پر دھاوا بولا اور خاص طور سے نسبتاً زیادہ ترقی یافتہ علاقوں کے خوش حال کاشتکاروں کے محدود گروہ کی خدمات انجام دینی شروع کیں۔

پھر بھی ہندستان کی زراعت کے لئے ذرائع پیداوار فراہم کرنے کے روایتی خاکے میں نمایاں تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ کاشتکار اور گاؤں کے اہل حرفہ کے درمیان جو اس کے لئے آلات زراعت تیار کرتے ہیں اشیا کے خود کفیل تبادلے کی جگہ رفتہ رفتہ جنس تجارت کے تعلقات قائم ہوتے جا رہے ہیں۔ یہ عمل مختلف رفتاروں سے جاری ہے خواہ یہ ہندستان کے الگ الگ علاقے ہوں خواہ آلات محنت کی تجدید پیداوار میں مصروف مختلف سیکٹر جن کے وظائف مختلف ہیں۔ آلات زراعت تیار کرنے والوں کی حیثیت سے اپنے فرائض انجام دینے میں جنس تجارت کی پیداوار کی جانب زیادہ نمایاں تبدیلی کو اہل حرفہ نے زیادہ محسوس کیا، جب کہ مرمت کرنے والوں کی حیثیت سے فرائض انجام دینے میں انہوں نے کسانوں سے خود کفیل تبادلے کے تعلقات بڑی حد تک برقرار رکھے ہیں۔ کسانوں اور اہل حرفہ کے درمیان خود کفیل تبادلے کے تعلقات ختم ہونے میں بڑی حد تک دیر اس وجہ سے لگ رہی ہے کہ بیشتر کاشتکار گھرانوں کی پیداوار کی اپنی ٹکنیکی بنیاد کو سرمائے کی شدید قلت کے باعث تبدیل کرنے کے قابل نہیں ہیں۔

جہاں تک مویشیوں کا تعلق ہے جو زراعت میں سب سے زیادہ سرمائے طلب ذریعہ پیداوار کی حیثیت رکھتے ہیں، تو مویشیوں کے شمار اور ریزرو بینک آف انڈیا کے موجودہ صدی کی ساتویں دہائی کے ابتدائی زمانے کے جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ جنس تجارت کے تعلقات کار آمد عمر میں مویشیوں کی نئی سالانہ آبادی کے محض 33.6 فیصد حصے پر اثر انداز ہوئے۔ باقی مویشی گھروں میں خود کفیل بنیاد پر پالے گئے۔

بحیثیت مجموعی مویشیوں کی منڈی بڑی ہی سست رفتار سے نشوونما پا رہی ہے۔ اس صدی کی چھٹی دہائی اور ساتویں دہائی کے ابتدائی زمانے سے متعلق اعداد و شمار کے بموجب اس کی صلاحیت میں اضافہ مویشی استعمال کرنے والے زراعتی سیکٹروں کے نمو کے مقابلے میں زیادہ شرحوں سے نہیں ہو رہا تھا بلکہ موخر الذکر میں عددی اضافے کے برابر کیا جا رہا تھا (جزوی طور پر اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ان مشینوں کی منڈی میں ایک حد تک توسیع ہوگئی تھی جو بار برداری میں مویشیوں کی جگہ لے رہی تھیں)۔ نشوونما کے اس نیم جمودی نمونے میں قابل فروخت مویشیوں کی کھپت میں بالائی گروہوں کے گھرانوں کا رفتہ رفتہ بڑھتا ہوا حصہ نظر آنے لگا۔ مویشیوں کی اندرونی منڈی کی نشوونما میں حاوی عنصر اب بھی چھوٹے کاشت کار کی مانگ ہے جو منڈی میں فروخت ہونے والے تین چوتھائی مویشی خریدتا ہے۔ مویشیوں کی افزائش سے متعلق 20 سے 30 فیصدی تک اخراجات جنس تجارت کے تعلقات کے ذریعے ہوئے۔

دوسرے بنیادی ذرائع پیداوار کی، خاص طور سے بیجوں کی (خصوصاً اناج پیدا کرنے والے علاقوں میں) اور کھاد کی بڑے پیمانے کی تجدید پیداوار خود کفیل وضع کی بنیاد پر کی جاتی تھی۔ لیکن پچھلے چند برسوں میں ''سبز انقلاب'' نے بیجوں کی افزائش کو زراعت کے ایک خاص شعبے کی حیثیت سے بڑھاوا دیا ہے۔ پچھلے کچھ عرصے سے خود کفیل بنیاد پر تیار کی جانے والی کھادوں کے گھٹتے ہوئے حصے کی وجہ یہ ہے کہ کیمیاوی کھادوں کا اثر بڑھ رہا ہے حالانکہ اس سے مختلف علاقے اور کاشتکاروں کے مختلف گروہ غیر مساوی انداز میں متاثر ہو رہے ہیں۔

ہندستان کی کثیر تشکیلی معیشت کے ارتقا کا نہایت ہی اہم پہلو یہ ہے کہ گاؤں کے اندر ذرائع پیداوار کی تجدید پیداوار کی خود کفیل بنیادوں کا انتشار نہایت ہی سست رفتار سے عمل میں آ رہا ہے اور وہ مختلف علاقوں اور پیداوار کے مختلف سیکٹروں کو غیر مساوی طور پر متاثر کرتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ ملک کی زراعت کی

اجناس واشیا کی پیداواری قوتوں کو تبدیل کرنے میں عملاً کوئی حصہ نہیں لیتا یا اگر لیتا بھی ہے تو بہت کم کیونکہ جنس تجارت کے تبادلے کی ضرورتیں روایتی وضع کیا شیا اور خدمات سے پوری ہوتی ہیں۔ اس صورت حال میں محنت کی کارگزاری اس سطح تک ہی بڑھ سکتی ہے جو بہترین صورت میں سادہ امداد باہمی کی خصوصیت ہے اوران کے اندر بھی وہ تمام صورتوں میں نہیں ہوتی۔ اس لئے تجدید پیداوار کی روایتی شکلوں کے جنس تجارت کی شکلوں میں ارتقا کا نتیجہ یہ نہیں ہوسکا کہ قدرتی عناصر، اجناس واشیا کی پیداواری قوتوں، تواریخی پیداواری تجربے اور کسانوں کے تجربے اور ترکیبوں کے متعلق معلومات کے اتحاد پر مبنی روایتی زراعتی نمونے کا شیرازہ منتشر ہو جاتا۔ لیکن اس ارتقا کی تواریخی اہمیت اس حقیقت میں مضمر ہے کہ یہ کم پیداوار دینے والے اور بحرانوں میں مبتلا نمونوں کو جدید ترین نمونوں سے بدلنے کے لئے زمین ہموار کرتا ہے۔ جب اس صدی کی ساتویں دہائی کے اواخر میں (جنس تجارت کی پیداوار اور تبادلے کے ارتقا کی نسبتی سطح کے اعتبار سے) زیادہ ترقی یافتہ علاقوں میں بڑے کاشت کاروں کے بعض گروہوں نے صنعتی ذرائع پیداوار اور زرعی معیشت کے نئے طریقوں سے نسبتاً وسیع پیمانے پر استفادہ شروع کیا تو اس عمل کے لئے زرعی تجدید پیداوار میں خودکفیل تعلقات کے انتشار کی پہلے کی پوری روش نے تیاری کی تھی۔

موجودہ صدی کی ساتویں دہائی کے اواخر اور آٹھویں دہائی کے شروع میں جب ہندستان میں ''سبز انقلاب'' زور شور سے جاری تھا، تو ایک نئی وضع کی جنس تجارت کی پیداوار شروع ہوئی۔ اس کی خصوصیت تجدید پیداوار کے عمل کا بنیادی طور پر نئی (روایتی تشکیل سے مختلف) تشکیل تھی۔ یعنی یہ کہ تجسیم شدہ محنت کا، جو مختلف سیکٹروں کے درمیان جنس تجارت کے تبادلے کی بڑھتی ہوئی بنیاد پر ظہور میں آئی تھی، حصہ بڑھ گیا تھا۔ لیکن سرمایہ داری سے پہلے کی تشکیلوں کے باقی ضرر رساں اثر، کارخانوں میں تیار مال کے لئے محدود دیہی منڈی کا اور دیہات میں خودکفیل تعلقات کی باقیات کا اثر یہ ہوا ہے کہ زراعت میں پیداواری قوتوں کے مادی عناصر جدید ٹکنیکی ترقی کا انقلاب خیز اثر محدود ہو کر رہ گیا۔ اس صورت حال میں نئی وضع کی جنس تجارت کی پیداوار کے ساتھ شدید سماجی و معاشی تضادات پیدا ہو جاتے ہیں۔

منڈی اور زراعت میں نجی صرفہ

ہندستانی دیہات میں محنت کی سماجی کارگزاری کم ہونے کی وجہ سے نجی صرفے کی ترکیب و تشکیل

غذا، کپڑے، ایندھن وغیرہ، جیسی ضروریات پر مبنی ہوتی ہے۔ نجی صرفے کا 80 یا 90 فیصدی حصہ ان چیزوں پر ہی صرف ہوتا ہے۔ یہ واضح کرنے کے لئے خاصا مواد ہے کہ زرعی آبادی کے دونوں بڑے گروہوں یعنی زرعی پیداوار کرنے والوں اور زرعی مزدوروں کے اندر غذا اور ایندھن کے علاوہ روزمرہ کے دوسرے تمام وسائل معاش کی تجدید پیداوار پر جنس تجارت وزر کے تعلقات کا غلبہ ہے۔

زراعتی پیداوار کرنے والوں کے سیکٹر میں غذائی تجدید پیداوار کی خودکفیل بنیاد کے کٹاؤ کی حد علاقوں کے اعتبار سے بہت بدلتی رہتی ہے۔ عام طور سے دیکھا جائے تو غذا پیدا کرنے والے علاقوں کی بہ نسبت صنعتی فصلیں پیدا کرنے والے علاقوں میں یہ زیادہ شدید ہے۔ لیکن غذا پیدا کرنے والے علاقوں کی بات تو اور رہی، صنعتی فصل پیدا کرنے والے بہت سے علاقوں میں بھی اکثر صورتوں میں کسانوں کے غذائی وسائل خود اپنے کنبے کے اندر ہی سے حاصل کئے جاتے ہیں منڈی میں نہیں خریدے جاتے۔

بہت سے کسانوں میں یہ رجحان ہے کہ وہ اپنی ضرورت کی قریب قریب ساری غذا کی فراہمی کی ضمانت گزارے کی فصل سے کرنا پسند کرتے ہیں۔ یہ امر اس کا ذمہ دار ہے کہ ہندستانی دیہات میں غذا کے ذخیرے کی تجدید پیداوار میں خودکفیل تعلقات نسبتاً مستحکم حیثیت رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں دیہات میں نسبتاً حد سے زیادہ آبادی بڑھ جانے اور اس کے ساتھ کسانوں کی مزروعہ زمین کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے اور روایتی زراعت کے وسیع سیکٹر میں زمین کا قطعہ چھوٹا ہو جانے سے کسان کی سماجی نفسیات کے ان عناصر کے کٹاؤ کی رفتار سست پڑ جاتی ہے جنہیں اپنی ہستی کو باقی رکھنے کی روایتی جبلت کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اور اس کا ظہار ''معاشی خودکفالت'' کی خواہش میں ہوتا ہے یعنی یہ کہ غذا کی اتنی مقدار پیدا کر لی جائے جو کنبے بھر کو کافی ہو اور اس کے لئے خود اپنے ذرائع پر بھروسہ کیا جائے۔ بحیثیت مجموعی اس عمل سے منڈی کی پیداواری نقل وحرکت کی صلاحیت میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

غذائی تجدید پیداوار کی خودکفیل کے کٹاؤ پر نسبتاً حد سے زیادہ آبادی کے عنصر کے علاوہ زرعی پیداوار کی منڈی میں قیمتوں کی تشکیل کے اس نظام کا بھی مانع اثر پڑتا ہے جو پیدا کرنے والے کسان کے لئے ناموافق ہوتا ہے۔ ایک طویل تواریخی ارتقا کے دوران میں جب روایتی سیکٹر میں تخصیصی منڈی کی تشکیل ہوئی، یہ منڈی زمین جوتنے والے سے اکثر سنگ دلی سے پیش آئی ہے۔ منڈی میں استحکام نہ ہونے سے زرعی پیداوار کی قیمتوں میں تیزی سے اتار چڑھاؤ ہوتا تھا۔ بین الاقوامی تقسیم محنت کے دائرے میں

نوآبادیاتی اور محکوم ملکوں کی حیثیت چونکہ غیر موافقانہ تھی اس لئے صورت اور بھی خراب تھی۔ان تمام باتوں نے نہ صرف چھوٹے بلکہ بڑے کاست کاروں کو مجبور کر دیا کہ وہ خود اپنے ذرائع پر بھروسہ کرتے ہوئے بنیادی ذرائع معاش کی تجدید پیداوار کر کے معاشی تباہی سے اپنی حفاظت کا انتظام کریں۔اس اعتبار سے بھی بڑے روایتی چھوٹے کھیتوں میں بعض خصوصیات مشترک تھیں۔

ہندستانی دیہی آبادی روایتی قسم کی ''دکھاوے کی باتوں'' (جیسے مختلف مذہبی رسموں کی ادائی اور شادی بیاہ دھوم دھام) پر اس کے علاوہ دوسری ضرورتوں جیسے کہ مقدمے بازی پر بڑی رقمیں صرف کرتی تھی جن سے اندرونی منڈی کو نشوونما اور ترقی دینے میں کوئی مدد نہیں ملتی تھی۔اور یہ صرفے کے روایتی نمونے کی ایک امتیازی کرداری خصوصیت تھی۔مغربی اتر پردیش میں اس صدی کی چھٹی دہائی کے وسط تک بھی روایتی رسموں اور مقدموں پر کاشت کار کنبوں کے ذاتی نقد مصارف کا کوئی پانچواں حصہ لگ جاتا تھا۔جن کنبوں کے پاس 25 ایکڑ سے زیادہ زمینیں تھیں ان کے ہاں یہ تناسب 23 فیصدی تک تھا۔13

ہندستان کے زراعت کے معاشی مرکزوں نے اور اعداد وشمار کے ہندستانی علمی ادارے نے جو مطالعے کئے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ اس صدی کی چھٹی دہائی کے اواخر اور ساتویں دہائی کے آغاز میں کاشتکاروں کو ذاتی صرفے کے لئے مجموعی طور پر جو فنڈ مہیا تھا اس کا کوئی آدھا حصہ (بعض ریاستوں اور خطوں میں اس میں خفیف کمی بیشی تھی) خود ان کے اپنے کنبوں کے اندر جنس کی صورت میں حاصل ہوتا تھا۔دوسرے نصف حصے کی تجدید جنس تجارت کے تبادلے کے دوران میں ہوتی تھی۔

چھوٹے اور بہت چھوٹے کاشتکاروں کے نجی صرفے (خاص طور سے اس کے اشیائے خوردنی کے حصے) کی شکل خود کفیل تھی اور وہ ایسی معیشت کی نمائندگی کرتے تھے جس کی غالب حیثیت صارفانہ تھی۔ ان کاشت کاروں کی رائے کے مطابق معاشی سرگرمی کا خاص مقصد خود اپنے کنبوں کے لئے معاش کے بنیادی ذرائع کی تجدید پیداوار تھے۔

پیداوار کرنے والے کے سماجی ومعاشی کردار کو پہچاننے کی کسوٹی بلاشبہ پیداوار کا مقصد ہوتا ہے۔ تیسری دنیا کی زرعی معشیت کے بہت سارے غیر ملکی اس کسوٹی کو خاص اہمیت دیتے ہیں۔چنانچہ کلفٹن وھارٹن لکھتے ہیں: ''گزارے کے کاشتکار، یا 'کسان، کی تعریف بیان کرنے کا سب سے زیادہ عام نکتۂ آغاز یہ ہے کہ کھیتی کرنے والے کنبے کا پیداوار کرنے کا مقصد کنبے کے لئے غذا پیدا کرنا ہوتا ہے نہ کہ

تجارتی پیمانے پر فروخت کرنا۔ پیداوار اور صرفے کے درمیان براہ راست اور قریبی باہمی تعلق ہوتا ہے۔ کاشتکاری میں پیداواری سرگرمی کا مقصد کنبے کی بقا ہوتا ہے۔''14 لیکن دو قسموں کے کھیتوں یعنی صرف ذرائع معاش کی تجدید پیداوار کرنے والے کھیتوں کے درمیان (جو مغربی اصلاح میں اس قسم کے ہوتے ہیں جن میں جمع شروع ہو چکی ہے یا جو جمع فراہم کرنے والے کھیتوں میں تبدیل ہونے لگے ہیں) محض فروخت شدہ اشیا کے مقداری اشاریے پر بھروسہ کرتے ہوئے امتیاز کرنا حق بجانب نہیں ہے۔ لیکن جب کنبوں کی مجموعی پیداوار کے 50 فیصدی حصے کے فروخت کر دئے جانے کو وھارٹن دو قسموں کے کھیتوں کے درمیان بڑا بٹوارہ قرار دیتے ہیں تو وہ ایسا ہی کرتے ہیں۔15 ہندستان کے زرعی و معاشیاتی مرکزوں، خصوصاً ویدڑبھ اور مغربی گوداوری کے مرکزوں نے جو جائزے اس صدی کی چھٹی دہائی کے اواخر اور ساتویں دہائی کے آغاز میں لئے ہیں وہ ایسی صورت حال کی جانب اشارہ کرتے ہیں جہاں کاشتکاری کے روایتی طریقوں کے متواتر موجود رہتے ہوئے پیداوار کرنے والے کے ''کنبے کی بقا'' کا انحصار (ان میں چھوٹے پیداوار کرنے والے شامل ہیں) صرف اس بات پر تھا کہ وہ اپنی پیداوار کے آدھے سے کہیں زیادہ حصے کو فروخت کر دے (یعنی جب کہ کنبے کے اجرتی فنڈ کے بیشتر حصے کی جنس تجارت کی شکل میں تجدید پیداوار ہو جائے)۔ اس کے حصے کی جنس تجارت کی شکل میں تجدید پیداوار ہو جائے)۔ اس کے برعکس کنبے کے گزارے کی ضروریات سے فاضل پیداوار (جمع کی تخلیق) ایک عام مظہر کی حیثیت سے ان کھیتوں میں دیکھی جا سکتی ہے جن میں فروخت کی جانے والی پیداوار ابھی 50 فیصدی کی سطح تک نہیں پہنچی ہے مگر جو خاصے بڑے پیمانے پر خاص طور سے منڈی کے لئے پیداوار کر رہے ہیں (بالائی پرت کی معیشتوں میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے اور ریزرو بینک آف انڈیا نے 1962-1961 کے اپنے جائزے میں اس کی وضاحت کی ہے۔ جدول 5 ملاحظہ فرمائیے)۔

لیکن آیئے، اب خود کفالتی روایتی کھیتوں کی جانب واپس چلیں۔ اصلیت میں پہلے چاروں طرف سے بندان معاشی اکائیوں کے اندر جنس تجارت اور زر کے تعلقات کے گھسنے کی حد کا انحصار سماجی تقسیم محنت میں ان کی شمولیت کی حد پر اور خاص طور سے، ان کے باہر بحیثیت مجموعی معاشی ارتقا پر ہوتا ہے جو چھوٹے پیمانے پر پیدا کرنے والوں کے لئے نقد آمدنی کے نئے وسائل کے نمودار ہونے کا، زیادہ تر صورتوں میں محنت فروخت کرنے کے امکانات کے نمودار ہونے کا تعین کرتا ہے۔ پھر یہ کہ ہمیں نسبتاً حد سے زیادہ

آبادی کے مزاحمتی تاثر کو بھی دیکھنا چاہئے جو ہندستانی دیہات کا خاصہ ہے۔اس سے معاش کے ذرائع پر جن میں نقد آمدنی کے وسائل بھی شامل ہیں غیر ضروری دباؤ پڑتا ہے، آمدنی کے زیادہ سے زیادہ بلند ہونے میں رکاوٹ پڑتی ہے اور اس طرح عام کاشتکار کے لئے ترجیحی ذریعہ معاش کی حیثیت سے زمین اور اس کی کاشت کی اہمیت مستحکم حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔اس طرح نسبتاً حد سے زیادہ آبادی چھوٹے پیمانے پر پیدا کرنے والوں میں تجدید پیداوار کی خود کفالتی بنیاد کے کٹاؤ میں حصہ لینا تو درکنار درحقیقت اس کو محفوظ کر دیتی ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، اب ہندستانی کاشتکار تجدید پیداوار کا جو عمل برقرار رکھتے ہیں اس کا بڑی حد تک انحصار جنس تجارت کے تبادلے پر ہوتا ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ باقاعدگی کی بنیاد پر تجدید پیداوار کے عمل دوہرانے کی غرض سے چھوٹے کاشتکار کو اپنی پیداوار کا ایک حصہ منڈی میں فروخت کرنا پڑتا ہے اور اپنی ضرورت کا پیداواری اور صرفے کا سامان خریدنا پڑتا ہے۔ورنہ اسے آمدنی کے دوسرے ذرائع استعمال کرنے پڑیں مثلاً یہ کہ اپنی کھیتی باڑی کے کام میں جب کبھی فرصت کا وقت آئے تو پیداوار کرنے والے دوسرے لوگوں کے ہاتھ اپنی قوت محنت فروخت کر کے آمدنی حاصل کریں۔لیکن چھوٹے کاشتکار کے سماجی حالات اسے مجبور کرتے ہیں کہ وہ معاشی ضرورت کے مطالبے سے کہیں زیادہ فروخت کرے۔اپنی پیداوار کی ''فاضل'' فروخت سے جو نقدی حاصل ہوتی ہے وہ طرح طرح کی ایسی واجبات ادا کرنے پر صرف ہو جاتی ہے جن کا تجدید پیداوار کے معمولات سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا (بے حد اونچا نقد لگان اور مہاجن کا سود، محصولات، سوداگری سرمائے کو خراج نیز نجی صرفہ جس کا تعین روایتی سماجی فرائض سے ہوتا ہے وغیرہ)۔

زمینی جائداد، سودخوری اور ایسے ہی دوسرے ادارے پیداوار کرنے والے بعض مالدار لوگوں کو بھی اپنی فاضل پیداوار کے ایک بڑے حصے سے محروم کر سکتے ہیں مگر وہ چھوٹے کاشتکار کی اہم ترین ضرورتوں کے بھی ایک حصے کو جذب کر لیتے ہیں اور اس طرح اس کے صرفے کی سطح بڑی حد تک گرا دیتے ہیں۔ ہندستانی معاشیات دانوں خاص طور پر وی۔کے۔آر۔وی۔راؤ نے پیداوار کے ''فاضل'' حصے کو جو منڈی میں فروخت کیا جاتا ہے بجا طور پر ''آڑے وقت کی زائد پیداوار'' (distress surplus) کہا ہے۔ چنانچہ، چھوٹے کاشتکار کو اپنی کفالت کے لئے جو فنڈ مہیا ہوتا ہے وہ اکثر ایک تابع متبادل ہو جاتا ہے جس

کی بدلتی ہوئی حیثیت کا انحصار کھیتی کی تجدید پیداوار کی ضرورت پر نہیں بلکہ ان حالات پر ہوتا ہے جن کا کھیتی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

کاشتکاروں کو جو ذرائع معاش مہیا ہیں ان کو نقدی میں تبدیل کرنے کی حد کے مجموعی اشاریے کا تعین ایسی معاشی تشکیل کے اندر کسی خاص مدت میں عوامل کے دو مجموعے کرتے ہیں۔ اول تو خود کفالتی معیشت کا متواتر کٹاؤ (پیداواری تخصیص وغیرہ کے ذریعے) اور دوسرے، منڈی کی صورت حال میں مخصوص تبدیلیاں جن سے کسی مرکز کے گرد جنس کی صورت میں صرفے کی مقدار میں مدتی اتار چڑھاؤ پیدا ہوتے ہیں۔

ہندستانی زرعی مزدوروں کی آمدنی کی ترکیب وتشکیل کے تجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ اس آمدنی کے وسائل کی مختلف شکلوں کے باوجود اس کا قریب آدھا حصہ نقدی کی شکل میں ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ نقدی اور جنس کی صورت میں آمدنی کے حصوں کے تناسب میں علاقائی اعتبار سے خاصے اتار چڑھاؤ موجود ہیں۔ انجام کار اس آمدنی کا تعین مختلف علاقوں میں جنس تجارت اور زر کے تعلقات کے ارتقا سے ہوتا ہے۔ ان مزدوروں کو جنس کی صورت میں جو اشیا ملتی ہیں (جنس کی صورت میں اجرتیں اور انفرادی قطعات سے حاصل کی ہوئی آمدنی) ان کا ایک حصہ بعد میں منڈی میں جا کر تبدیل ہو جاتا ہے۔ چھوٹے کاشتکاروں کی طرح ایسی صورت بھی منڈی کی مشینری اپنے اوپر غلبہ رکھنے والے سماجی گروہوں کی زرعی مزدوروں کی اصل اجرتوں کے ایک حصے کو ہتھیانے میں مدد دیتی ہے۔

اجرت کی شکلوں کے ارتقا میں عام رجحان یہ ہے کہ جنس کی صورت میں معاوضہ دینے کے بجائے نقد ادائیگی کو رواج دیا جا رہا ہے۔ چھوٹے پیمانے کی پیداوار میں جہاں زرعی مزدوروں کا خاصا بڑا حصہ لگا ہوا ہے خود کفالتی تعلقات عام ہیں۔ اس سے نقد ادائیگی کے نظام قیام میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ مغربی گوداوری جیسے ترقی یافتہ ضلع میں بھی 58-1957 اور 60-1959 میں چھوٹے کاشتکاروں نے جن میں سے ہر ایک کے پاس 10 ایکڑ تک زمین تھی زرعی مزدوروں کی اجرتوں کے تین میں سے ایک حصے سے لے کر پانچ میں سے دو حصوں تک جنس کی صورت میں ادا کی جب کہ بڑے کاشتکاروں نے جن میں سے ہر ایک کی زمینیں 20 ایکڑ سے زیادہ تھیں اجرتوں کا پانچ میں سے صرف ایک حصہ جنس کی صورت میں ادا کیا۔16 پنجاب میں زرعی مزدوروں کی اجرت جنس کی صورت میں ادا کرنے کا پرانا رواج تھا۔ وہاں

صرف بہت بڑے کھیتوں میں جنس کی جگہ نقد مزدوری دینے کا رواج تیزی سے عام ہوتا جا رہا ہے۔اس کے باوجود کہ یہ عمل ''سبز انقلاب'' کے ساتھ ساتھ رونما ہو رہا ہے جس نے پنجاب ہی میں نہایت شاندار کامیابی حاصل کی۔ساتھویں دہائی کے اواخر میں اشوک رودرا نے پنجاب کے بڑے بڑے فارموں کے ایک بڑے گروہ کا جائزہ لیا جس سے ''مدتی مزدوروں'' کی اجرتوں کی نقد ادائگی اور جنس ادائگی میں مندرجہ ذیل تناسب ظاہر ہوا۔17

کھیتی کا رقبہ (ایکڑ میں)	اجرت بصورت جنس کل میزان کا فیصد	کھیتی کا رقبہ (ایکڑ میں)	اجرت بصورت جنس کل میزان کا فیصد
20 سے 25	61.9	50 سے 70	51.6
25 سے 30	54.9	85 سے 100	28.2
30 سے 40	35.3	100 سے 150	37.6
40 سے 50	61.4	150 اور اس سے زیادہ	34.9

بصورت جنس ادائیگی کا حصہ فی کنبہ اوسطاً 50.8 فیصد تھا۔

صرف 75 ایکڑ اور اس سے زیادہ مزروعہ زمینوں کے فارموں نے اجرتیں بصورت جنس ادا کرنے کے بجائے سرگرمی سے نقد دینی شروع کیں۔اس حقیقت سے ظاہر ہوتا ہے کہ پنجاب میں (ہندستانی معیار کے مطابق) سب سے بڑے کاشتکاروں نے ہی مزدوروں اور مالکوں کے درمیان سماجی تعلقات کو جدید بنانے میں پیش قدمی کی ہے اور یہ کہ وہ مدتی مزدوروں کی خدمات سے استفادہ کرتے ہیں۔جن فارموں کی 20 سے 70 ایکڑ تک زمین ہے وہ اوسطاً 1.1 سے 2 تک مستقل مزدور ملازم رکھتے ہیں جب کہ 70 ایکڑ اور اس سے زیادہ زمین والے فارم میں 3.6 سے 5.7 مزدور ملازم ہیں۔اس سے اس قسم کے فارموں کی بلند درجے کی سرمایہ دارانہ پختگی کا اظہار ہوتا ہے۔

جنس کی صورت میں اجرتوں کی ادائیگی کی جگہ نقد اجرتوں کو دینے کا عمل ایسا ہے جس میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔کبھی کبھار جنس کی صورت میں اجرت کا غلبہ ہوتا ہے۔اجرت کی شکلوں کے ناہموار ارتقا سے اندازہ ہوتا ہے کہ جنس کی صورت میں محنت کے بظاہر یکساں معاوضے کی ادائگیوں میں بنیادی طور پر

غیر مشابہ قسمیں پوشیدہ ہیں۔ ان میں سے ایک تو مزدور اور اس کے مالک کے درمیان سادہ خود کفیل تبادلے کا نتیجہ ہے جب کہ دوسرے کی خصوصی قدر تبادلے ہے۔

نقد ادائیگیوں کا دور دورہ سب سے زیادہ اس وقت ہوتا ہے جب جنس تجارت کی قیمتیں چڑھی ہوئی ہیں جب کہ بصورت جنس ادائیگیاں اس وقت عام ہوتی ہیں جب قیمتیں گر جاتی ہیں۔

اگر ہم ان پائیدار اشاریوں کو پیش نظر رکھیں جو ایک طرف معاش کے فنڈ کے تجارتی بن جانے کے اصل درجے کو ظاہر کرتے ہیں اور دوسری طرف زراعت پیشہ آبادی کے دو خاص گروہوں کے اندر جنس تجارت کی بدلتی ہوئی قیمتوں کے اثر کے تحت مخالف رجحان کو، تو ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اس صدی کی چھٹی دہائی کے اواخر اور ساتویں دہائی کے آغاز میں ہندستانی دیہات میں صرف ہونے والی غذا کا کائی نصف حصہ جنس تجارت کی شکل میں پیدا کیا گیا تھا۔

بحیثیت مجموعی تجدید پیداوار کے عمل میں جنس تجارت کے تعلقات کا حصہ

''سبز انقلاب'' سے پہلے ہندستان کی زراعت میں جنس تجارت کی پیداوار کے قائم ہونے کی امتیازی خصوصیت پیداواری عمل کے دونوں حلقوں میں خود کفالتی وضع کے تعلقات میں نمایاں طور پر ناہموار کٹاؤ تھی۔ ذرائع پیداوار کی تجدید پیداوار کی بہ نسبت قوت محنت کی تجدید پیداوار خود کفالتی معیشت کی بیڑیوں سے کہیں زیادہ حد تک آزاد ہوگئی۔ جنس تجارت میں سے جو چیزیں زراعت میں مصرف میں آئیں ان کی ترکیب و تشکیل کا اس سے تعین ہوا۔ ترقی یافتہ اور پسماندہ خطوں میں ان چیزوں پر معاش کے فنڈ کا غلبہ تھا۔

ویدربھ اور مغربی گوداوری جیسے نسبتاً ترقی یافتہ علاقوں تک میں کاشتکار کنبوں اور اجرتی مزدوروں کے کنبوں کو معاش کے جو ذرائع مہیا تھے وہ زرعی پیداوار کرنے والوں میں نقد مصرف میں آنے والی مجموعی پیداوار میں علی الترتیب 69.1 اور 55.8 فیصدی تھے۔ اڑیسہ میں یہ عدد 76.9 فیصدی تھا۔[18] جنس تجارت میں سے باقی جو اشیا مصرف میں آئیں ان سے مویشیوں کے چارے، مویشیوں کی دیکھ بھال اور تعداد میں کمی کو پورا کرنے، بیج اور کھاد کی ضرورتیں پوری ہوئیں۔

جنس تجارت میں جو اشیا مصرف میں آئیں ان کا بڑا حصہ ترقی یافتہ ضلعوں کے کاشتکاروں کی اوپر

کی پرت میں بھی معاش کے فنڈ میں صرف ہوا۔ مثلاً 57-1906 میں ویدڑبھ میں اوپر کی پرت کے 4ء9 فیصدی کاشتکاروں نے، جن میں سے ہر ایک کی زیر کاشت زمینیں اوسطاً 93.4 ایکڑ تھیں، جنس تجارت میں سے اپنے مصرف میں لانے والی کلاشیا کا 53.7 فیصدی حصہ (خود اپنے اہل خاندان اور اجرتی مزدوروں کی) محنت کی تجدید پر اور صرف 14.3 فیصدی حصہ آلات زراعت، مویشیوں اور کھادوں جیسے اخراجات پر لگایا تھا۔ اس طرح موجودہ صدی کی ساتویں دہائی کے شروع تک (1) ذاتی مصرف کی منڈی کی تشکیل پیداواری مصرف کی منڈی کی بہ نسبت کہیں زیادہ تیزی سے ہوتی رہی، (2) خود زرعی سیکٹر میں پیداوار کی تجدید سے جو اشیا حاصل عام طور پر انہیں موخرالذکر جذب کرتی رہی، (3) صنعتی سیکٹر نے جس میں بڑے پیمانے کی صنعت اور جنس تجارت کی چھوٹے پیمانے کی پیداوار دونوں شامل ہیں، زراعت میں پیداواری صرفے میں نہایت ہی خفیف سا حصہ ادا کیا۔ جدید ترین ذرائع پیداوار کی محدود منڈی غالباً جن علاقوں اور معیشتوں کی خدمت انجام دیتی تھی ان کی تعداد محدود تھی۔ مثلاً 1968 میں جو معدنی کھاد مصرف میں آئی اس کا تقریباً 80 فیصدی حصہ 20 فیصدی اضلاع میں استعمال ہوا۔ 19

ہندستانی دیہات میں جدید ترین ذرائع پیداوار کی بڑھتی ہوئی مانگ کے سلسلے میں جو نیا جوش آیا ہے اس نے منڈی کی اس تشکیل کو کسی حد تک بدل دیا ہے۔ یہ اوپر کی پرت کے کنبوں کے وسیلے سے مرتب ہوئی ہے۔ لیکن یہ فرض کر لینا ابھی قبل از وقت ہوگا کہ بڑے کھیتوں میں بھی ذاتی اور پیداواری صرفے کا باہمی تناسب موخرالذکر کے حق میں بدل گیا ہے۔ واحد استثنیٰ سرمایہ دارانہ تشکیل کے نسبتاً محدود اور نہایت اعلیٰ ترقی یافتہ ذیلی زمرے ہیں، مثلاً پنجاب میں۔

تو پھر جنس تجارت کی زرعی اشیا ای تقسیم کا ہندستان میں خاکہ کیا ہے؟ موجودہ صدی کی ساتویں دہائی کے پہلے نصف حصے سے متعلق جو اعداد و شمار مہیا ہیں ان کی بنیاد پر سب سے پہلے تو ہم وہ فرق معلوم کر سکتے ہیں جو زرعی پیداوار کرنے والوں کے سیکٹر کی فروخت کی ہوئی اشیا کی مقدار اور منڈی میں فروخت ہونے والی مجموعی زرعی پیداوار کی مقدار کے درمیان ہے۔

زرعی پیداوار کرنے والے کی سیکٹر نے اپنی فصل کی مجموعی پیداوار کے 33.9 فیصدی حصے کو اپنے طور پر یا آڑھتیوں کے وسیلے سے تجارتی پیمانے پر فروخت کیا۔ 20 بعد میں اس کا ایک حصہ نقد لگان،

مہاجن کے نقد سود، محصول وغیرہ کی شکل میں بلا معاوضہ وصول کر لیا گیا۔ اس لئے خود اپنے سیکٹر نیز دوسرے سیکٹروں سے سامان خریدنے کے لئے کاشتکاروں کے پاس اس سے کم رقم باقی رہ گئی جو انہیں منڈی میں خود اپنی پیداوار فروخت کر کے حاصل ہوئی تھی۔ زرعی اشیا کی فروخت کے متعلق وزارت غذا وزراعت کی رپورٹوں کے بموجب زراعت کی کلیدی شاخ یعنی فصلوں کی پیداوار کا 40 یا 47 فیصدی حصہ دراصل منڈی میں فروخت ہوا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس واضح عدم توازن کا سبب کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ پہلے تو زمین کا لگان اور مہاجن کا سود وغیرہ جنس کی صورت میں ادا کرنے سے اس کی مقدار میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ استحصال کرنے والوں نے ان وصولیوں کو جن کا انہوں نے کوئی معاوضہ ادا نہیں کیا، قدر تبادلہ میں بدل لیا اور منڈی میں اس کے دام وصول کر لئے۔ اس طرح منڈی میں پہنچنے والی تمام چیزوں کی قدر اور سیکٹر میں بچ رہنے والی نقد رقم کے درمیان فرق ایک طرح کا خراج تھا جو ہندستانی سماج میں سرمایہ داری فرق سے پہلے دور میں استحصال کرنے والے حلقوں کو اور ریاست کو دیا جاتا تھا۔ یہ فرق بہت زیادہ تھا یعنی فصل کی مجموعی پیداوار کی قدر کا 15-20 فیصدی اور منڈی میں فروخت ہونے والی اشیاء کا 33 سے 40 فیصدی۔

وزارت غذا وزراعت، منصوبہ بندی کے کمیشن، ریزرو بینک آف انڈیا اور اطلاقی معاشیاتی تحقیق کی قومی کونسل کے سرکاری اعداد وشمار کی بنیاد پر ہندستان میں فصلوں کی پیداوار کی تقسیم کا ایک مجموعی خاکہ مرتب کیا جا سکتا ہے۔ (جدول 4 ملاحظہ فرمائیے)۔

جیسا کہ جدول سے ظاہر ہے موجودہ صدی کی ساتویں دہائی کے وسط میں کھیتوں سیکٹر نے پیداوار میں جنس تجارت کی اشیا کی وہ مقدار اپنے مصرف میں لی جو منڈی میں فروخت شدہ ان کی مجموعی اشیا کی قدر کے صرف آدھے کے برابر تھی (51.1 فیصدی)۔ تجدید پیداوار میں استعمال ہونے والی اشیا کا کل 30 فیصدی حصہ جنس تجارت کی شکل میں تصرف میں آیا باقی خود کفالتی شکل میں صرف کیا گیا۔

فصلوں کی پیداوار کا وہ حصہ جو استحصال کرنے والے مختلف طبقوں خصوصاً سرمایہ داری سے پہلے کے پرتوں اور ریاست نے لگان، مہاجن کے سود، محصولوں وغیرہ کی شکل میں ہتھیا لیا تھا، خاصا بڑا تھا، فصلوں کی مجموعی پیداوار کا 8 . 7 1 فیصدی اور منڈی میں فروخت ہونے والی پیداوار کا 39.2 فیصدی۔ 21

جدول4

ہندستان میں فصلوں کی پیداوار کی تقسیم کا خاکہ، 60-1964

اشیا کی تقسیم	مجموعی		جنس تجارت کی اشیا	
	ارب روپے	فیصد	فیصدارب روپے	فیصد
کھیتوں کے سیکٹر میں صرفہ:				
پیداوار میں....	61.8	77.8	18.5	51.1
غیر پیداوار حلقے میں	3.5	4.4	3.5	9.7
میزان.....	65.3	82.2	22.0	60.8
کھیتوں کے سیکٹر بلا معاوضہ نکالا گیا	14.2	17.8	14.2	39.2
کل میزان.....	79.5	100.0	36.2	100.0

اس میں شک نہیں کہ مختلف علاقوں کی اصل سماجی ومعاشی صورت حال میں علاقوائی ردوبدل کے مطابق اس خراج کی مقدار میں جو کاشتکار ادا کرتے ہیں اور جو جنس تجارت کی صورت اختیار کر لیتی ہے مذکورہ بالا اعداد سے بڑے پیمانے پر مختلف ہوسکتی ہے۔لیکن عام طور پر ان علاقوں میں جہاں اناج اور خصوصاً دھان پیدا ہوتا ہے منڈی میں فروخت ہونے والی پیداوار میں اس خراج کا حصہ سب سے زیادہ ہوتا ہے۔دیہی قرضوں کے متعلق جائزوں کے مطابق جو ریزرو بینک آف انڈیا نے 58-1957 اور 60-1959 میں لئے تھے،صرف جنس کی صورت میں لگان منڈی میں فصل کی فروخت پیداوار کا تخجر (تامل ناڈو) میں 41 فیصدی تھا،کرشنا (آندھرا پردیش) میں 33.9 فیصدی اور بردوان (مغربی بنگال) میں 31.9 فیصدی۔

ان اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ (1) ہندستان کی معیشت قدر تبادلہ کی پیداوار کی جانب اس قسم

کے زرعی ارتقا کی خصوصیت کا اظہار کرتی ہے جو صرف جزوی طور پر ہی زراعت میں سماجی تقسیم محنت پر مبنی ہے؛ (2) جنس تجارت کی پیداوار کا ارتقا اور جنس تجارت کے حلقے سے نکال لئے جانے والے اس خراج سے جس کی کمی اشیا کے واپس بہاؤ سے پوری نہ ہوتی ہو، معکوس نسبت میں ہوتی ہے۔ ایسی صورت حال میں جب کہ محنت کی کارگزاری کی سطح انتہائی پست ہو، خراج کی شکل میں پیداوار کی بڑی مقدار کو زرعی حلقے سے نکال لینے سے ہندستان کی زرعی معیشت میں سماجی تقسیم محنت کے ارتقا میں شدید رکاوٹ پیدا ہوئی ہے اور جنس تجارت کی پیداوار کی نشوونما رک گئی ہے؛ (3) زرعی تعلقات کی ایک قسم میں سماجی اعتبار سے نہایت متنوع تصویر پیش کرتی ہیں۔ ان تعلقات کی ایک قسم کو روایتاً ''افقی'' کہتے ہیں (پیداوار کرنے والوں کے درمیان اصل جنس تجارت کا تبادلہ)، جب کہ دوسری قسم کو ''عمودی'' نظام تعلقات کہتے ہیں (پیداواری حلقے سے پیداوار کی یک طرفہ بے معاوضہ نکاس اور پھر اس کی فروخت)۔ دوسری قسم کے تعلقات اصل میں ان تعلقات کی نمائندگی کرتے ہیں جو سرمایہ داری سے پہلے کی استحصالی وضع کی ملکیت کا (یا ریاستی جبر کا) خاصہ ہیں۔ دو قسموں کے یہ تعلقات بنیادی طور پر مختلف قسموں کے پیداوار کرنے والوں سے متعلق ہوتے ہیں ___ ایک طرف جنس تجارت پیدا کرنے والا اور دوسری طرف تبادلے کی قدروں کا سادہ پیدا کرنے والا (عموماً قلاش کسان جو روایتی تشکیلوں کی نمائندگی کرتا ہے) جو خود کفالتی بنیاد پر اپنی پیداوار کی تجدید کرتا ہے۔ دونوں کے درمیان عبوری وضع کے پیداوار کرنے والوں کا ایک وسیع سلسلہ ہوتا ہے۔

ہندستانی زرعی معیشت میں درحقیقت دو مخالف قسموں کے سماجی تعلقات کی موجودگی جس کا اظہار جنس تجارت کی اور قدر تبادلے کی عام شکل میں نمودار ہونے سے ہوتا ہے، تحقیق کرنے والے کو اکساتی ہے کہ وہ ان تعلقات کو دریافت کرنے پر خاص توجہ دے جو ''جنس تجارت کی پیداوار'' کے زمرے کی خصوصیت کا اظہار کرتے ہیں (یہ نسبتاً اس بڑے زمرے سے علیحدہ ہے جس میں ''جنس تجارت وزر کے تعلقات'' ہوتے ہیں)۔ اشیا کا منڈی میں بڑا نکاس یعنی زراعت میں ''جنس تجارت'' کو عام کرنے کی بلند سطح سے یہ کسی طرح ظاہر نہیں ہوتا کہ اس میں جنس تجارت کی پیداوار کی سطح اسی کے مطابق ہوگئی ہے۔ چنانچہ اس سے تقسیم محنت کی ترقی کی سطح ظاہر نہیں ہوتی جو جنس تجارت کی پیداوار کی بنیاد ہوتی ہے۔ درحقیقت جنس تجارت کی پیداوار کی سطح جانچنے کی سب سے زیادہ قابل اعتماد کسوٹی یہ ہے کہ تجارتی اشیا

تجدید پیداوار کے دوران کس حد تک تصرف میں آتی ہیں۔ زرعی معیشت میں ''جنس تجارت کی پیداوار'' کی ٹھیک ٹھیک حد بندی اس لئے اور بھی زیادہ اہم ہوتی ہے کہ ہندستان اور مشرق کے دوسرے ترقی پذیر ملکوں میں روایتی طریقہ پیداوار کا انتشار معیشت کی وجہ سے ظاہر ہوتا ہے اور ''جنس تجارت کی پیداوار'' میں زراعی پیداوار کی تجارت کو عام کرنے اور تجدید پیداوار کو تجارتی بنانے کی سطح کے درمیان واضح عدم توازن نمایاں ہو کر سامنے آجاتا ہے۔ مارکس نے اس قسم کی معیشت ہی کو پیش نظر رکھتے ہوئے لکھا تھا:

''سرمایہ دارانہ طریقہ پیداوار کی خرابیاں جس میں پیداوار کرنے والے کا انحصار اپنی اشیائے پیداوار کی نقد قیمت پر ہوتا ہے یہاں اسی لئے ان خرابیوں سے مل جاتی ہیں جو سرمایہ دارانہ طریقہ پیداوار کی نامکمل نشوونما سے پیدا ہوتی ہیں۔ ان حالات کے بغیر جو کسان کو اپنی پیداوار کو جنس تجارت کی حیثیت سے حاصل کرنے کے قابل بناتے ہیں وہ سوداگر اور صنعت کار بن جاتا ہے۔''22

منڈی میں فروخت شدہ پیداوار کا تناسب اور کھیتوں کے سیکٹر کے اندر کنبوں کے مختلف زمروں میں زرعی پیداوار کا ارتکاز اس اعتبار سے خاص توجہ کا محتاج ہے۔ اس موضوع پر غالباً سب سے زیادہ مکمل اعداد وشمار ریزرو بینک آف انڈیا نے 62-1961 کے دیہی معیشت کے اپنے جائزے میں فراہم کئے ہیں۔ (جدول 5 ملاحظہ فرمائیے)۔

جدول 5

ہندستان میں کاشتکاروں کے کنبوں کے مختلف زمروں میں مجموعی اور فروخت شدہ زرعی پیداوار 62-161----23

زمرہ بہ اعتبار جائداد، روپیہ فی کنبہ	کنبوں کا حصہ فیصد	مجموعی پیداوار کا ارتکاز فیصد	قابل فروخت پیداوار کا ارتکاز فیصد	مجموعی پیداوار میں فروخت شدہ پیداوار کا فیصد تناسب	فصلوں کی پیداوار فروخت کرنے والے کنبوں کا فیصد تناسب

1000 سے کم	16.2	4.5	2.8	19.8	43.5
1000 تا 2500	24.8	11.2	7.9	22.1	56.8
2500 تا 5000	23.3	16.7	13.4	25.3	70.7
5000 تا 10000	18.6	21.1	19.6	29.2	81.5
10000 تا 20000	10.7	20.1	21.6	33.7	89.7
20000 اور اس سے زیادہ	6.4	26.4	34.7	41.4	94.2
میزان	100.0	100.0	100.0	31.4	68.4

جدول سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو کنبے باقاعدہ طور پر کم وبیش خاصی رقمیں بچا لیتے ہیں (وہ کاشتکار جن کے پاس 20 ہزار روپے یا اس سے زیادہ مالیت کی جائداد ہے) وہ کھیتوں کی مجموعی پیداوار کا 26.4 فیصدی اور جنس تجارت کا 34 فیصدی سے زیادہ حصہ اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جنس تجارت کا 44 فیصدی اور مجموعی پیداوار کا 50 فیصدی سے زیادہ حصہ چھوٹے کاشتکار، جن کے پاس 10 ہزار روپے سے کم مالیت کی جائداد ہے، اپنے پاس رکھتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر کی حالت اتنی بھی نہ تھی کہ سادہ تجدید پیداوار تک برقرار رکھ سکیں۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ تقریباً ایک تہائی کاشتکار، زیادہ تر وہ جو نسبتاً نیچے کے زمروں میں آتے تھے، اپنی پیداوار لے کر منڈی تک بھی نہ پہنچے۔ یہ یا تو وہ کاشتکار تھے جو قطعی طور پر خود کفیل تھے یا وہ جن کی پیداوار اگرچہ جنس تجارت کی پیداوار کے لئے مقرر کی گئی مگر درحقیقت سرمایہ داری سے پہلے کے راستوں سے نکالی گئی۔ اس کے برعکس کاشتکاروں کے بالائی گروہ کی صورت میں منڈی میں فروخت شدہ پیداوار مجموعی پیداوار کا 41.4 فیصدی تھی۔

چھوٹے پیمانے پر پیداوار کرنے والوں کی جنس تجارت کی پیداوار کی رسد پر قومی معیشت بہت بڑی حد تک منحصر رہی۔ چھوٹے پیمانے پر پیدا کرنے والے سرمایہ داری سے پہلے کے تعلقات میں جکڑے ہوئے تھے اور اس انحصار نے بحرانی رجحانات بڑھانے میں مدد دی۔ ان رجحانات کے خراب اثر کو اس صدی کی ساتویں دہائی کے اواخر اور آٹھویں دہائی کے آغاز یعنی ''سبز انقلاب'' شروع ہو جانے تک کمزور کرنے میں ناکامی ہوئی۔

''سبز انقلاب'' سے پہلے، بحیثیت مجموعی، ہندستان کی زرعی معیشت کی خصوصیت ایسا ارتقا تھا جس کے تحت بالائی پرتوں کے کاشتکاروں کا قابل فروخت پیداوار میں سست رفتاری سے بس اتنا اضافہ ہو رہا تھا کہ خودمختار پیدا کرنے والوں کی حیثیت سے چھوٹے کاشتکاروں کے گھٹتے ہوئے حصے کی کمی پوری ہو جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کاشتکاروں کا سیکٹر منڈی میں جو پیداوار بھیجتا تھا اس کا تناسب کم وبیش ایک ہی سطح پر رہا۔ ریزرو بینک آف انڈیا کے فراہم کئے ہوئے اعداد وشمار کے بموجب اس سیکٹر نے 1951-1952 میں فصل کی مجموعی پیداوار کا 35 فیصدی حصہ منڈی میں فروخت کیا اور 1961-62 میں 33.9 فیصدی۔

ہندستان میں زرعی تجدید پیداوار کے عمل کے تجارتی بننے کے بنیادی اشاریوں کا جب پچھلی صدی کے اواخر میں روس کے ایسے ہی اشاریوں سے موازنہ کیا جائے تو پتہ چلے گا کہ سماجی تقسیم محنت اور اس کا وسیلہ بننے والی جنس تجارت کی پیداوار کے ارتقا کے اعتبار سے ''سبز انقلاب'' شروع ہونے تک ہندستان کی بحیثیت مجموعی زراعت ابھی اس منزل تک نہیں پہنچی تھی جو روس کے کالی مٹی (چرنوزیم) کے پسماندہ علاقوں میں مذکورہ دور میں آ چکی تھی۔ کاشتکاری کے چند ہی علاقوں میں (پنجاب، مغربی اتر پردیش، ساحل آندھرا، ویدربھ کے چند ضلعوں اور ضلع تنجور میں) یہ سطح قریب قریب حاصل ہو چکی تھی (یا اس پر کچھ سبقت حاصل کر لی گئی تھی)۔ لینن نے اپنی تصنیف ''روس میں سرمایہ داری کا ارتقا'' میں جو شہادت پیش کی ہے اس کے بموجب کالی مٹی کے وسطی علاقوں میں روسی کسانوں نے 1889 میں اپنے کل اخراجات کا 49.14 فیصدی حصہ نقد لگایا۔[24] ہندستان میں اس کے مقابلے میں ان تمام خطوں میں سے جہاں کھیتوں کے انتظام کے مطالعے کئے گئے ہیں یہی تناسب چھٹی دہائی کے دوسرے نصف حصے میں ویدربھ کے اکولا اور امراوتی ضلعوں میں 62.5 فیصدی تھا اور مغربی گوداوری میں 56.2 فیصدی۔ دوسری جگہوں میں نقد اخراجات کا تناسب 19 سے 37 فیصدی تک تھا۔[25]

ہندستانی زراعت میں جنس تجارت کی پیداوار کی ترقی نہایت سست رفتاری سے ہوئی (موجودہ صدی کی چھٹی دہائی اور ساتویں دہائی کے شروع کے جو اعداد وشمار مہیا ہیں ان سے جنس تجارت کی پیداوار کی ترکیب وتشکیل میں نیم جمودی کیفیت ظاہر ہوتی ہے)۔ علاوہ ازیں مختلف خطوں میں اس عمل نے انتہائی ناہموار طریقے سے ترقی کی۔ یہی وجہ ہے کہ سماج کے ایک پرت کی حیثیت سے ہندستان کی پیٹی بورژوازی

کی، جو معاشی اعتبار سے چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی پیداوار پر مبنی تھی، ترکیب وتشکیل کی اتنی بہت سی مختلف علاقائی صورتیں ہیں۔

خلاصہ یہ کہ روایتی کسان جنہیں بے دخل کیا جارہا تھا ہندستان کی زراعت پیشہ آبادی کی اکثریت پر مشتمل تھے۔ترقی کر کے پیٹی بورژوا طبقے کے زمرے میں پہنچنے میں ابھی ناکام رہنے پر ان کسانوں کی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی اور وہ کنگال ہوتے گئے کیونکہ سابقہ طریقہ پیداوار روبہ زوال تھا اور منتشر ہورہا تھا۔

ہندستان کی زرعی معیشت میں نظام ڈھالنے والی تشکیل

ابتدائی منزل میں سماجی تقسیم محنت کی کمزوری اور نیم جمودی سماجی ومعاشی تشکیلوں پر ان کے مختلف رکاوٹی عناصر کے غلبے نے مل کر ہندستان کے زرعی نظام کی قوت محرکہ انتہائی کمزور کردی۔یہی وجہ ہے کہ چھٹی اور خصوصاً ساتویں دہائیوں میں قومی معیشت کی بہت سی مختلف معاشی تشکیلوں کے اندر نمایاں طور پر غیر مساوی ترقی ہوئی ہے۔اس کے علاوہ اور کچھ ہو بھی نہیں سکتا تھا۔دیہات سے باہر کے نظاموں کی سماجی ومعاشی قوت محرکہ زرعی نظام کی قوت محرکہ سے کہیں زیادہ شدید ثابت ہوئی۔ملک کی زرعی معیشت میں قوت محرکہ کے سب سے زیادہ حامل عنصر یعنی نوزائیدہ سرمایہ دارانہ تشکیل نے بھی پرانی سماجی ومعاشی تشکیلوں کے زیر اثر وسعت اور خصوصاً گہرائی کے اعتبار سے اس قدر سست رفتاری سے نشوونما حاصل کی کہ شہری سرمایہ داری کی رفتار کو نہ پہنچ سکی، بڑے سرمائے سے قدم ملانے کا تو ذکر ہی کیا (حالیہ چند برسوں میں اس اعتبار سے بعض تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں جن پر بعد میں بحث کی جائیگی)۔

قومی آزادی حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ تیسری دنیا کے بہت سے دوسرے ملکوں کی طرح ہندستان کو بنیادی طور پر نئی صورت حال کا سامنا ہوا۔عام طور سے قومی معیشت اور خاص طور سے زرعی سیکٹر میں تشکیلوں کا ایک نظام قائم کرنے میں ریاست کی مداخلت کے معروضی لوازمات فراہم ہوگئے۔

تشکیلوں کا ایک نظام قائم کرنے کا مسئلہ اتنا وسیع ہے کہ ہمیں اس کے صرف چند پہلوؤں پر ہی غور کرنے پر اکتفا کرنا چاہئے۔معقول بات یہ ہوگی کہ ہم سرمایہ دارانہ تشکیل کے قائم ہونے کے دونوں نمونوں کی خصوصیات واضح کرنے سے ابتدا کریں۔یہ ہم پہلے ہی بیان کرآئے ہیں کہ سرمایہ دارانہ تشکیل کو ہندستانی زراعت میں سرکردہ تشکیل کا مقام حاصل تھا۔

سرمایہ دارانہ تشکیل

سابقہ نظام کی ابتدائی سماجی ومعاشی سے قطع نظر سرمایہ داری کی دونوں بنیادی قسمیں اپنی ابتدا میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ پہلی قسم کی وہ سرمایہ داری ہے جو پیداوار کے معاشی قوانین کے دائرے سے باہر کے طریقوں سے (پیداوار کرنے والوں پر برسر اقتدار طبقے کا براہ راست جبر، مہاجنوں اور تاجروں کے استحصال سے ان کا مفلس وقلاش اور تباہ برباد ہونا وغیرہ) براہ راست پیدا کرنے والوں کی بے دخلی کی بنیاد پر نمودار ہورہی اور فروغ پارہی ہے۔ سرمایہ داری کی دوسری قسم وہ ہے جو جنس تجارت کی پیداوار کے قوانین (سب سے پہلے قدر کے اہم ترین قانون کے) تابع ہوتی ہے اور براہ راست پیداوار کرنے والوں میں برسرعمل ہوتی ہے۔

لینن نے لکھا ہے:

''سرمایہ داری کی دو مختلف قسمیں ہوتی ہیں ___ بے شمار بقیہ مراعات کے ساتھ زمینداروں کی نیم جاگیردارانہ سرمایہ داری، جو سب سے زیادہ رجعت پسند ہوتی ہے اور عوام کو سب سے زیادہ مصیبت میں مبتلا کرتی ہے۔ آزاد کاشتکاروں کی سرمایہ داری بھی ہوتی ہے جو زیادہ جمہوری ہوتی ہے عوام کو کم مصیبتیں برداشت کرنی ہوتی ہیں اور اس میں بقیہ مراعات بھی کم ہوتی ہیں۔''26

''پروشیائی'' (''زمیندار'') سرمایہ داری کا جو تصور لینن نے پیش کیا ہے وہ اسی وضع کی سرمایہ داری کا احاطہ کرتا ہے جو اس سے پہلے کے طریقے پیداوار پر اقتدار رکھنے والے طبقے کے ہاتھوں براہ راست پیداوار کرنے والے کے جبریہ غصب کی بنیاد پر نشوونما پاتی ہے۔ یہ رجعت پسند اور ''چندہ'' وضع کی سرمایہ داری ہوتی ہے۔ بقول لینن، زراعت میں سرمایہ دارانہ ارتقا کے زمینداری کے راستے کی کرداری خصوصیت یہ حقیقت ہے کہ ''زمین کی ملکیت میں قرون وسطی کے تعلقات بیک جنبش ختم نہیں کر دئے جاتے بلکہ رفتہ رفتہ انہیں سرمایہ داری کے حسب حال بدل لیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے وہ عرصہ دراز تک نیم جاگیردارانہ خدوخال رکھتی ہے۔''27 اس وضع کا سرمایہ دارانہ ارتقا کسانوں کے انتشار کی قدرتی روش کو مسخ کر دیتا ہے اور انہیں بدترین صورتوں کی جانب بڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک سرے پر تباہی اور کنگال آجاتی ہے اور دوسرے سرے پر مٹھی بھر ''کولک'' (مالدار کسان) نمودار ہوجاتے ہیں۔ بحیثیت مجموعی سرمایہ دارانہ ارتقا کا یہ نمونہ ''پرولتاریوں سے زیادہ کنگال پیدا کرتا ہے''۔28

جس ملک کی معیشت میں جاگیرداری کی جگہ سرمایہ داری لے رہی ہو، اگر سرمایہ دارانہ ارتقا کے قدامت پرست نمونے کا غلبہ ہو تو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشی ترقی کی رفتار سست پڑ جاتی ہے اور سماج کی زندگی میں رجعت پسندانہ رجحانات پیدا ہو جاتے ہیں۔

اس کے برعکس سرمایہ دارانہ ارتقا کا ''امریکی'' (''کسان'') راستہ اس وضع کی سرمایہ داری کی نمائندگی کرتا ہے جس نے سرمایہ داری سے پہلے کی جائداد کی شکلوں سے آزاد (یا انقلاب کے ذریعے آزاد کرائی ہوئی) سطح پر براہ راست پیدا کرنے والوں کے درمیان تعلقات کی بنیاد پر ترقی کی۔

سرمایہ داری سے پہلے کی تشکیل سے سرمایہ داری کی تشکیل میں مختلف ملکوں کے عبور کے دوران طبقاتی جدوجہد کے نتیجے نے انجام کار اس بات کا تعین کیا کہ کس وضع کی سرمایہ داری نے دوسری وضع کی سرمایہ داری پر سبقت حاصل کر کے ترقی کی، کس نے اور کس حد تک غلبہ حاصل کیا۔

ہندستان کی زراعت میں سرمایہ دارانہ ارتقا کے قدامت پرست نمونے نے غلبہ حاصل کر لیا ہے کیونکہ تیسری دنیا کے دیگر ملکوں کی طرح اس کی معیشت کو عالمی سرمایہ دارانہ نظام میں ماتحت ثانوی درجے کے جزو ترکیبی کی حیثیت سے گھسیٹ لایا گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ جائداد کی پرانی شکلوں کو جو درمیانی معاشی تشکیلوں میں سرطان کی گلٹی کی طرح نمو پا رہی تھیں، نکالا نہیں گیا تھا۔

قدامت پرست وضع کی ہندستانی زرعی سرمایہ داری کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے طبقاتی ستونوں کی تشکیل بحیثیت مجموعی زمیندار طبقے سے نہیں ہوتی (جیسا کہ پروشیائی اور روسی قسم کے قدامت پرست ارتقا میں ہوا تھا) بلکہ دیہی برادری کے، سماجی اعتبار سے مختلف استحصال کرنے والے بالائی حلقوں سے ہوتی ہے (جو اکثر کسی حد تک ایک دوسرے سے الگ تھلگ تھے)۔ ان میں مالدار مالکان زمین کے وہ گروہ بھی شامل تھے جو سابقہ جاگیردار طبقے کی دومنزلہ تشکیل کی نچلی پرت مرتب کرتے تھے نیز سوداگر اور مہاجن بھی جو نوآبادیاتی حکمرانی کے زمانے میں اکثر و بیشتر ایک خاص سماجی گروہ ترتیب دیتے تھے اور بے دخل کرنے کے فرائض اس پیمانے پر انجام دیتے تھے جس کا یورپی ملکوں میں سے کسی کو بھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔

برطانوی نوآبادیاتی حکمرانی کی طویل مدت نے ہندستان کی زرعی معیشت کی ابتدائی جمع میں متعدد نہایت مخصوص پہلو پیدا کر دئے تھے۔ ان میں خاص طور پر قابل غور اس عمل کی اندرونی عدم تکمیل ہے۔

بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ ابتدائی جمع ''وسعت میں'' ہوئی، اس نے اپنے مدار میں زرعی معیشت کے نئے اجزا کو اور دیہی برادری کے نئے حصوں کو گھسیٹ لیا اور ایسا کرتے ہوئے روایتی تشکیلوں کا کٹاؤ کیا۔ مگر اس نے ''گہرائی میں'' بہت کم ارتقا کیا یعنی اس کے ساتھ ساتھ سرمایہ دارانہ طرز پیداوار کی یا اس کے مطابق طبقاتی شکلوں کی نشوونما نہیں ہوئی۔ بہ الفاظ دگر برطانوی نوآبادیاتی حکمرانی کے پورے دور میں اور پھر ہندستان کے سیاسی آزادی حاصل کر لینے کے بعد دیہات میں استحصال کرنے والے بے دخل کرنے کا جو فرض شدت سے انجام دیتے رہے اس کے نتائج کو سماجی و معاشی عمل کی اگلی سرمایہ دارانہ شکل نے مناسب طریقے سے ''منہا نہیں کیا''۔ روز افزوں پیمانے پر جمود کے غار میں اترتی ہوئی درمیانی سماجی و معاشی تشکیلیں جن کا پھیلاؤ بڑھ رہا تھا اسی قسم کے ارتقا کی پیداوار تھیں۔ اس کا نتیجہ بڑی تعداد رہا تھا اسی قسم کے ارتقا کی پیداوار تھیں۔ اس کا نتیجہ بڑھ رہا تھا اسی قسم کے ارتقا کی پیداوار تھیں۔ اس کا نتیجہ بڑی تعداد میں کسانوں کے کنگال ہو جانے میں ظاہر ہوا جنہوں نے ہندستانی سماج میں ایک پائیدار سماجی گروہ قائم کر دیا۔

اس طرح برطانوی نوآبادیاتی حکمرانی کے تحت ہندستان میں بحیثیت مجموعی سماجی و معاشی ارتقا سے اور خاص طور پر دیہات میں پیداوار کرنے والوں کی بڑے پیمانے پر بے دخلی سے پیدا ہونے والی قدامت پرست وضع کی سرمایہ داری کے لوازمات تک سے پوری طرح استفادہ نہیں کیا جا سکا۔

چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی پیداوار کے قیام اور چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی تشکیل میں اس کے ارتقا میں بہت تاخیر ہوگئی۔ سماجی تقسیم محنت میں تبدیلیاں بہت سست رفتاری سے ہوئیں (اور ہو رہی ہیں)۔ خود کفالتی اور نیم خود کفالتی تعلقات پر مبنی معاشی تشکیلوں میں زرعی پیداوار کا بڑا حصہ پیدا ہوا۔ زمین کی ملکیت کی روایتی شکلوں سے زمین پر کسان کی نجی ملکیت کے نمودار ہونے کا عمل جس نے جنس تجارت کی تشکیل کی قدرتی بنیاد قائم کی بڑی حد تک مسخ ہو گیا۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ زمین کی ملکیت کے رعیت داری جیسے تواریخی اعتبار سے ترقی پسند نظام کو بھی جو برطانوی استعماریت پسندوں کے لائے ہوئے ''زرعی انقلابوں'' کی پیداوار تھا، مارکس نے ''کسان کی جائداد کا فرانسیسی نظام کا اڑایا ہوا خاکہ''[29] قرار دیا تھا۔ برطانوی استعماریت پسندوں کی کھڑی کی ہوئی مخصوص رکاوٹوں نے بھی جن کا اظہار نسبتاً حد سے زیادہ آبادی میں اور ذرائع پیداوار کی صنعت پر پابندیوں میں ہوا، چھوٹے پیمانے کی

جنس تجارت کی تشکیل کی ترقی کو روکا۔ اس صورت حال میں موخرالذکر سے جو سرمایہ داری پیدا ہوئی وہ سابقہ معاشی شکلوں کی باقیات سے آلودہ تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہندستان میں کسانوں کی معیشت کے سرمایہ دارانہ ارتقا پر قدامت پرستانہ رجحان کا غلبہ تھا۔ ایک سرے پر سرمائے کی ابتدائی جمع نے کسانوں میں املاک کے پرانے تعلقات کو بہت استعمال کیا (قرض کے بندھنوں کے ذریعے پیدا کرنے والے کی بے دخلی، پیداوار کرنے والوں پر دلالوں اور تاجروں کا جبر واستبداد، اقتدار واطاعت کی روایتی صورتوں سے ان مزدوروں کی جن کا استحصال کیا جاتا ہے معاش کے فنڈ کے ایک حصہ سے محرومی وغیرہ)۔ دوسرے سرے پر ان تمام باتوں کی وجہ سے محتاجگی، ''غیر پرولتاریائی ناداری'' بڑھ گئی جو ''کسانوں کے انتشار کی سب سے نچلی اور بدترین شکل'' ہے۔30 کنگال آبادی کا ایک حصہ اجرتی زرعی مزدوروں میں تبدیل ہوگیا جن میں سے بیشتر کا معاشی اور غیر معاشی دونوں طریقوں سے استحصال ہوا۔

دیہی انتشار کے عام قدامت پرست خاکے کے اندر ہندستان کے دیہات میں بعض انحراف دیکھے جاسکتے ہیں جو یا تو بدترین صورتوں کی جانب ہوتے ہیں (مثلاً کسانوں کی کثیر تعداد میں محتاجگی اور مٹھی بھر سودخور کسانوں کا ظہور) یا انتشار کی خالص نمونے کی جانب جہاں جنس تجارت کی پیداوار کے معاشی قوانین حاوی ہوتے ہیں (اس کا مندرجہ ذیل سطور میں مفصل بیان ہوگا)۔

آزادی کے بعد ہندستان میں جو زرعی اصلاحات کی گئی ہیں انہوں نے عام طور پر سرمایہ دارانہ تشکیل کے حق میں تبدیلیوں کی رفتار بڑھادی ہے اور ''نیچے سے'' ابھرنے کا موقع دینے سے زیادہ سرمایہ داری کو ''رائج کیا ہے۔

اول تو اصلاحات نے زمین کی نجی ملکیت کے حقوق کا ایک متحدہ نظام سارے ملک میں رائج کیا (کچھ علاقے اس سے مستثنیٰ ہیں جہاں ریاستی ملکیت قائم کردی گئی تھی اور زمین کے مالک حکومت کے لگان دار بن گئے تھے) اور زمینی تعلقات کو خاص جاگیردارانہ باقیات سے پاک کیا جو زمین کی ملکیت کے حقوق کے مرابتی نظام کی شکل میں تھے (نظام زمینداری کا خاتمہ)۔

دوسرے، اصلاحات نے روایتی طریقہ پیداوار کا شیرازہ منتشر کرنے کی اور درمیانی تشکیلوں کے نمو کی رفتار بڑھائی۔ انہوں نے اس وضع کی سرمایہ داری کے لئے بھی زمین ہموار کی جو پیداوار کرنے

والوں کے خلاف پرانے سماج میں استحصال کرنے والے طبقوں کے براہ راست تشدد کی بنیاد پر ابھرتی ہے (زمین سے لگان داروں کی بے دخلی)۔

تیسرے، اصلاحات کا نتیجہ یہ ہوا کہ کسانوں کے حق میں زمین کی ملکیت کی کچھ ازسرنو تقسیم ہوئی (عموماً معاوضہ ادا کرنے کی شرائط پر) جس سے چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی تشکیل کی نشوونما کے امکانات بڑھ گئے۔ لیکن چونکہ ان سماجی پرتوں کی ملکیت کی بنیادوں کو جو ابتدائی جمع کو کرتی تھیں جوں کا توں برقرار رہنے دیا گیا اس لئے براہ راست پیدا کرنے والے کو یہ اصلاحات زمین سے بے دخل کر دئے جانے سے محفوظ نہ کر سکیں۔

نتیجہ یہ ہے کہ ہندستان میں اصلاحات کے بعد زمین کے تعلقات میں جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں انہوں نے زمین کے مسئلے پر دیہی آبادی کے غالب طبقوں کے درمیان بنیادی زرعی تصادم میں اضافہ کر دیا ہے۔

کثیر تشکیلی ملک میں سرمایہ دارانہ زرعی ارتقا کے دو نمونوں کا مسئلہ اصل میں تشکیلوں کے ایک ہی نظام کے قیام کے دو طریقوں کا مسئلہ ہوتا ہے (ایک ہی اس اعتبار سے کہ اس کے اندر سرمایہ داری ہی نظام ڈھالنے والی تشکیل ہوتی ہے)۔ آج ہندستان میں ایک شکل پر دوسری شکل کی واضح فتح کو ظاہر کرنے والی علامتیں نظر نہیں آ رہیں اور ملک اب بھی اس دور سے گزر رہا ہے جس کو لینن نے ''سرمایہ داری کے قومی راستے کے حتمی استحکام سے پہلے کا'' 31 دور کہا ہے۔

اس صورت حال نے ہندستان میں ایک نئے عمل کے نمودار ہونے میں سہولت پیدا کی، جس کے لئے حالات اس وقت پیدا ہو گئے تھے جب ملک میں قومی ریاست قائم ہوئی تھی۔ ہمارے ذہن میں تشکیلوں کے اس بنیادی طور پر نئے نظام کے قیام کے لئے مطلوبہ لوازمات کا پیدا ہونا ہے جس میں ایسی ریاستی ملکیت نظام مرتب کرنے والے عنصر کا کردار ادا کرتی ہے جس میں مفادات عامہ نجی مفادات کو مٹاتے نہیں مگر ان پر غلبہ حاصل کر لیتے ہیں۔

یہ عمل تیسری دنیا کے متعدد ملکوں میں پختگی کی الگ الگ منزلوں میں گزرتے ہوئے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زرعی ارتقا کی رفتار پر اس کے اثر کا مطالعہ صرف ہندستان کے ہی نہیں بلکہ اس سے وسیع تر پس منظر میں کیا جائے۔

ریاستی ملکیت کی ایک خاص شکل

جنس تجارت کی پیداوار کی نشوونما اور چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی تشکیل کی جو سرمایہ دارانہ تعلقات کے قیام کی سب سے بھاری بنیاد ہوتی ہے، تقویت جس قدر زور دار طریقے سے ہوتی ہے اسی قدر شدت سے زرعی سرمایہ داری ترقی کرتی ہے۔ لیکن قطع نظر اس کے کہ زرعی اصلاحات جو تیسری دنیا کے بہت سے ملکوں میں آج کل کی جارہی ہیں، زراعت میں چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی تشکیل کی تقویت کے لئے کس حد تک زمین ہموار کرتی ہیں، ان ممالک میں اس تشکیل کی توسیع پر پابندی عائد کرنے کا رجحان نظر آرہا ہے۔ درحقیقت اس رجحان کا مطلب اس تشکیل کی بنیاد کو مٹانا ہے۔

چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی پیداوار کا سماجی و معاشی تغیر و تبدل، جو بنیادی طور پر نئی وضع کے پیداواری تعلقات کی طرف لے جاتا ہے، تیسری دنیا میں تشکیلوں کے نظام کی ہمہ گیر تبدیلی کی خاص سمتوں میں سے ایک ہے۔ اس قسم کا تغیر لانے میں سیاسی، انتظامی اور معاشی طاقت کو ریاست ظاہر کرتی ہے۔

اگرچہ تیسری دنیا کی حکومتیں ذیلی زرعی تشکیلوں کے کلیدی عناصر پر یا بیرونی مگر زراعت کے لئے ضروری عناصر پر (یعنی آبپاشی کی بڑی بڑی تعمیرات، برقی قوت کی صنعت وغیرہ پر) عام طور سے کنٹرول نافذ کرتی ہیں، مگر کاشتکاری کے نظام کے میدان عمل میں ریاستی ملکیت ابھی قائم نہیں ہوئی ہے۔ صرف شمالی افریقہ کے کچھ ممالک اس سے مستثنیٰ ہیں۔ براہ راست زرعی معیشت میں جہاں کہیں کسی حد تک نمایاں ریاستی مداخلت ہوئی ہے وہاں وہ دوسرے طریقے سے ہوئی ہے یعنی پیداوار کی فروخت پر ریاستی اجارہ داری قائم کردی گئی۔ عملی طور پر اس عمل کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ نجی سرمائے کے کلیدی عناصر (خواہ وہ سرمایہ داری سے پہلے کا سوداگری یا سرمایہ دارانہ تجارتی سرمایہ ہو) یا تو مکمل طور پر غائب ہوجاتے ہیں یا پبلک سیکٹر کے ماتحت ہوجاتے ہیں۔

اگر معاشی دائرے سے باہر کا یہ اقدام ریاست کرتی ہے اور قومی پیمانے پر کرتی ہے تو قومی معیشت کے بہت سے سیکٹروں میں پیداواری تعلقات بنیادی طور پر بدل جاتے ہیں۔ جنس تجارت کی گردش پر ریاستی رائج کرنے سے ایک طرف تو منڈی میں لائی گئی زرعی پیداوار کے لئے اور دوسری طرف زرعی تجدید پیداوار سے متعلق صنعتی سامان کے لئے گھریلو منڈی میں اجارہ دارانہ قیمتوں کے ذریعے جنس

تجارت کے تبادلے کا ایک خاص نظام قائم کرنے کا امکان پیدا ہو جاتا ہے۔ اس نظام کے تحت چھوٹے پیمانے پر پیدا کرنے والا جو اپنے ذرائع پیداوار کا آپ مالک ہوتا ہے صرف اپنے گزارے کے فنڈ کو ہی واپس کر سکتا ہے اور عام طور سے اپنی پیدا کی ہوئی ساری فاضل پیداوار کو اپنے قبضے میں نہیں لے سکتا۔ بہ الفاظ دیگر چھوٹے پیمانے پر پیدا کرنے والا اپنی املاک سے فاضل پیداوار حاصل کرنے کے امکان سے محروم رہ جاتا ہے۔ اس ملکیت کو ریاست نے جنس تجارت کی گردش پر اپنی اجارہ داری کے ذریعے ہتھیا لیا ہے اگرچہ نام کو وہ پیداوار کرنے والے کے پاس رہتی ہے۔ اس طرح چھوٹے پیمانے پر پیدا کرنے والے مزدور بن جاتا ہے جو پرولتاریہ سے دو بنیادی اسباب سے مختلف ہوتا ہے: (الف) پیداوار کی انفرادی نوعیت سے جو خودمختاری کی مشابہت برقرار رکھتی ہے؛ (ب) ان ذرائع پیداوار کی موجودگی سے جو محنت کے ایسے عناصر کی حیثیت سے نمودار ہوتے ہیں جو ابھی معروضی طور پر پیداوار کرنے والے کے تابع ہوتے ہیں۔

ان تعلقات کے تحت جنس تجارت کا ''افقی'' تبادلہ اگر انفرادی طور پر پیدا کرنے والوں کے درمیان ہوتا ہے تو چھوٹے کاشتکار کی صورت میں اس کا واحد مقصد ذریعہ معاش کے لئے تجدید پیداوار ہوتا ہے۔ ''عمودی'' رشتوں کے حاوی ہونے سے اس چیز کا امکان ختم ہو جاتا ہے کہ اس تبادلے کا امکانی نتیجہ ہوتا یعنی چھوٹے پیمانے کی پیداوار میں جمع کی تشکیل۔ بہ الفاظ دیگر جنس تجارت کی پیداوار کے قوانین کے دباؤ سے جو انتشار ہوتا ہے وہ رک جاتا ہے۔

ایسی صورت حال میں حکومت کو چاہئے کہ وہ زرعی تجدید پیداوار اور سب سے پہلے چھوٹے پیمانے پر پیداوار کرنے والوں کے سیکٹر میں خاص منتظم کی حیثیت سے یہ کرے کہ اپنی جمع کی ہوئی پیداوار کو اس طرح از سر نو تقسیم کرے کہ وہ معیشت کے اسی سیکٹر کے حق میں ہو۔ اس طرح جمع کی نجی شکل کی جگہ رفتہ رفتہ پبلک شکل آ جاتی ہے۔

منڈی کے میدانِ عمل میں ریاستی اجارہ داری کا رجحان بعض صورتوں میں جنس تجارت کے تبادلے کے تعلقات کے حسب معمول راستوں سے نوخیز سرمایہ دارانہ تشکیل کے اندر توسیع شدہ تجدید پیداوار میں رکاٹیں کھڑی کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دیہات میں نئے سماجی اداروں (امداد باہمی وغیرہ) کو فروغ دے کر اور ان پر موثر کنٹرول نافذ کر کے سرمائے کی ابتدائی جمع کو حکومت موثر طریقے سے روک سکتی ہے۔

چنانچہ آج تیسری دنیا کے بعض ملکوں کے زرعی ارتقا کی نمایاں خصوصیت اس حقیقت میں مضمر ہے کہ زرعی پیداوار کرنے والوں کے لئے قدر پر مبنی جنس تجارت کے تبادلے کے امکانات کی جگہ، جن کے لئے معروضی حالات زرعی اصلاحات کی وجہ سے بہتر ہو گئے تھے، ریاست اور پیداوار کرنے والے کے درمیان قدر کے دائرے سے باہر تعلقات قائم ہو گئے ہیں، پیداوار کی لاگت سے قطع نظر تبادلہ شروع ہو گیا ہے۔ جنس تجارت کے تبادلے کے حلقے میں ریاستی اجارہ داریوں کے قیام کے عمل سے جس کی رفتار ترقی پذیر ملکوں میں سماجی تبدیلی رونما ہونے کے ساتھ ساتھ بڑھتی رہتی ہے، خیال ہوتا ہے کہ چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی پیداوار کا چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی خودمختار تشکیل میں تبدیل ہونے کا امکان، وہ امکان جو سرمایہ داری سے پہلے کی استحصالی وضع کی ملکیت کے خاتمے سے پیدا ہوا ہے، آج تیسری دنیا کے بہت سے ملکوں کی زرعی معیشت میں اگر ختم نہیں ہو گیا تو شدید طور پر محدود ضرور ہو گیا ہے۔ چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی پیداوار کا حسب معمول اپنے ارتقا کے راستے سے ہٹ کر ریاستی املاک سے اتصال کا رجحان (جس کے نتیجے میں بنیادی طور پر نئی وضع کے پیداواری تعلقات نمودار ہو جاتے ہیں) زرعی تشکیلوں کی ایسی تبدیلی کی نشاندہی کرتا ہے جو زرعی ارتقا کو سرمایہ دارانہ طریقہ پیداوار کے دائرے سے باہر لے جاتی ہے۔

زراعت میں نظام ڈھالنے والی تشکیل کی حیثیت کو ناگزیر طور پر سرمایہ دارانہ تشکیل کھو دی گی کیونکہ چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی پیداوار کو سرمایہ داری سے پہلے کی استحصالی وضع کی ملکیت کے خاتمے کے ساتھ ساتھ دن بدن زیادہ حد تک ریاستی کنٹرول کے تحت لایا جا رہا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ ریاستی اجارہ دارانہ قیمتوں، جنس تجارت کے منضبط بہاؤ وغیرہ کے ذریعے تشکیل شدہ سرمایہ دارانہ پیداوار کے ''داخلے'' اور ''اخراج'' کے راستے ریاست روز افزوں پیمانے پر بند کر رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ زرعی سرمایہ دارانہ تشکیل کے وہ کثیر تعداد سہارے ختم ہو جاتے ہیں جن کی شکل چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی پیداوار ہوتی ہے جو خودمختار پیداوار کرنے والا جاری رکھتا ہے، اور اس کے ساتھ وہ کھلی منڈی بھی ختم ہو جاتی ہے جو سرمائے کے بلا روک ٹوک خود بخود بڑھانے کی اہم اور اولین شرط ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ان کثیر تشکیلی ملکوں میں جنہیں بنیادی تبدیلی سے سابقہ نہیں پڑا ہے، سرمایہ دارانہ زرعی ارتقا کے دو نمونوں کا مسئلہ آج اس کے مقابلے میں غالب حیثیت

رکھنے والے اس سماجی ومعاشی مسئلے کے تابع ہے جو ان ملکوں کو درپیش ہے یعنی یہ کہ ریاستی سیکٹر کو نظام ڈھالنے کی ایسی تشکیل کیسے بنایا جائے جس کے اندر نجی مفاد پر سماجی مفاد کا غلبہ ہو (مگر فی الحال نجی مفاد کا یکسر خاتمہ نہ کیا جائے)۔

یہ کہنے کی تو چنداں ضرورت نہیں کہ ایسے ملکوں میں ریاستی سیکٹر کی نشوونما براہ راست طریقے سے نہیں ہو رہی اور سلسلے وار ایسی منزلوں سے گزر رہی ہے جن میں ریاست کے وسیلے سے تغیرات ملک کی معیشت کی مختلف شاخوں کو مختلف طریقے سے اثر انداز کر رہے ہیں۔

جنوبی ایشیا کے بعض ممالک آجکل ریاستی ملکیت کے ارتقا میں ایک عجیب مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ مثلاً ہندستان میں ریاستی زرعی ملکیت کے پھیلاؤ میں اضافہ کے معنے صرف یہ نہیں ہیں کہ زرعی ذیلی تشکیلوں کو ریاست اپنے کنٹرول میں لے رہی ہے۔ اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ بعض خاص زرعی اشیا کی فروخت پر اور زراعت کو بعض صنعتی سامان خاص طور پر معدنی کھادیں مہیا کرنے پر ریاستی اجارہ داری قائم ہو رہی ہے۔ فی الحال یہ اجارہ داریاں ''حلقہ سوئم'' کے نجی سرمائے کے ساتھ ساتھ قائم ہیں اور اکثر ان کا عامل ہونا اس شرط پر ممکن ہوتا ہے کہ وہ نجی سرمائے پر بھروسہ کریں جس کی سرگرمی پر حکومت کا نظم وضبط کیا جاتا ہے۔

تو قدر کے حلقے سے باہر جو تعلقات ہندستان میں زرعی معیشت کے ''حلقہ سوئم'' میں ریاستی اجارہ داریوں کے رواج سے پیدا ہوئے ان کی سماجی حقیقت کیا ہے؟

پچھلے کچھ عرصے سے ملک کے حکمراں حلقوں نے غذائی بحران پر عبور حاصل کرنے کی فوری ضرورت کے پیش نظر اناج کی قومی قیمتیں بہت ہی اونچی سطح پر برقرار رکھنے کی پالیسی اختیار کی ہے (اب تک اناج ہی کی فصل ایسی ہے جس کی ملک میں شدت سے کھیتی کی جاتی ہے)۔ ہندستان میں اور اسی طرح پاکستان کی موجودہ سرحدوں کے اندر گندم کی خریداری کی ریاستی قیمتیں ساتویں دہائی کے اواخر میں عالمی منڈی کی قیمتوں کی بہ نسبت قریب قریب دگنی تھیں۔ ان اونچی قیمتوں کی بدولت زراعت میں صنعتی مال لگانے کے اخراجات کا حصہ کم کرنا ممکن ہوسکا جس میں ریاستی امداد شامل تھی۔

جنس تجارت کے تبادلے کی شرائط میں ریاست کی رائج کی ہوئی تبدیلیوں نے ان علاقوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے جہاں سماجی محنت کی پیداواری قوت بڑھ رہی ہے جب کہ انفرادی (اوسط علاقائی)

پیداواری لاگت قومی اوسط کی بہ نسبت گھٹ رہی ہے۔ یہ وہ علاقے ہیں جہاں ''سبز انقلاب'' آیا ہے۔ ان علاقوں میں منڈی میں فروخت ہونے والا اناج پیدا کرنے والے، جن کی تعداد نسبتاً محدود ہے، جو سب بڑے بڑے کاشتکار ہیں اور جو اپنی سہولتوں کو جدید بنا رہے ہیں، جنس تجارت کے تبادلے کی تبدیل شدہ شرائط سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ بڑے بڑے نیم جاگیردار مالکان زمین بھی جو لگان بصورت جنس وصول کرتے ہیں، اناج کی قیمتوں کو ریاستی سہارا ملنے سے خاصی بڑی حد تک فائدہ اٹھاتے ہیں۔ حالیہ تخمینوں کے بموجب ہندستان اور پاکستان میں اناج کی قیمتوں کو سہارا دینے کے لئے حکومت کے خرچ کئے ہوئے ہر دس میں سے صرف ایک روپیہ چھوٹے کاشتکار تک پہنچتا ہے۔32

ہندستان اور پاکستان کی زراعت کے ''حلقہ سوئم'' میں ریاستی مداخلت کی نمایاں سماجی خصوصیت اس حقیقت پر مشتمل ہے کہ تحفظ کی پالیسی کی مدد سے جس کا اہتمام موجودہ زرعی تعلقات کے دائرے کے اندر کیا جاتا ہے، قومی آمدنی کا ایک حصہ بعد میں کبھی کسی تلافی کے بغیر (سب سے پہلے خاص خریدار سیکٹر کا یعنی شہری اور دیہی محنت کش عوام کی آمدنی) چنندہ مالکان زمین کے دو گروہوں کی جیبوں میں از سر نو تقسیم ہو جاتا ہے اور وہ اسے کھا کھا کر موٹے ہو رہے ہیں (ان میں وہ مالکان زمین شامل ہیں جو خود اپنی کھیتوں کا انتظام کرتے ہیں اور وہ بھی جو طفیلیوں کی زندگی بسر کرتے ہیں)۔ اس طرح ہندستان ریاستی ملکیت کے ارتقا میں اس منزل سے گزر رہا ہے جب کہ ''حلقہ سوئم'' میں (خصوصاً بڑے سرمایہ داروں کی ملکیت جزوی طور پر قومیائی جانے کے ذریعے) اس کے خاصے قوی ہو جانے کے ساتھ ساتھ زرعی سرمایہ داری کا روز افزوں ارتقا ہو رہا ہے۔ بہ الفاظ دگر زرعی پیداوار بڑھانے کے لئے قدر کے دائرے سے باہر کا جو طریقہ حکومت نے کام میں لیا ہے وہ اب تک سرمائے کے خلاف کام کرنے کے بجائے اس کے حق میں کارفرما ہے۔ اس صورت حال میں ہندستان کے ریاستی سیکٹر کی سماجی نوعیت کی تبدیلی اور بھی زیادہ فوری توجہ کی طلب گار ہے۔

ہندستان کی زرعی معیشت میں درمیانی سماجی و معاشی تشکیلیں

سابقہ طریقہ پیداوار کے منتشر ہو جانے سے جو درمیانی سماجی و معاشی تشکیلیں نمودار ہوئی ہیں انہوں نے ہندستان کی زرعی معیشت میں طرح طرح کی صورتیں اختیار کی ہیں۔ ان تشکیلوں کے نمودار

ہونے میں مدد دینے کا ایک سب سے زیادہ عام عمل بٹائی کا طریقہ ہے جو مالکان زمین کے آخری مقصد کی یعنی لگان کی صورت میں زیادہ سے زیادہ قدر تبادلہ حاصل کرنے کی تکمیل میں پٹے کی دیگر صورتوں کی بہ نسبت زیادہ موزوں ہے۔

بٹائی کی سماجی نوعیت

ہندستان میں برطانوی نوآبادیاتی اقتدار کے آخری پچاس سال سے متعلق اعداد وشمار کے تجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ بڑے بڑے مالکان زمین اور مہاجنوں کے ہاتھوں چھوٹے مالکان زمین کی بے دخلی اور بٹائی کے طریقے کے پھیلنے میں براہ راست ایک تعلق ہے۔ بٹائی کے نظام کے اندر مالکان زمین اور پیدا کرنے والے کے درمیان مختلف قسموں کی ''ساجھے داری'' پیدا ہوگئی۔لیکن تمام قسمیں صرف پرانی ٹکنیکی بنیادوں پر ہی قائم تھیں۔ان قسموں کے نمودار ہونے سے روایتی کاشتکاری کا شیرازہ منتشر ہونے کی عکاسی ہوئی اور ابتدائی جمع میں اگلی منزل آ گئی۔

نسبتاً حد سے آبادی بڑھ جانے سے زمین کی زبردست طلب اور زمین کی اصل رسد کے درمیان نمایاں فرق اور اس کے نتیجے میں بہت زیادہ لگان حاصل کرنے کا امکان، پھر جدید ذرائع پیداوار کی قومی تجدید پیداوار کی غیر موجودگی، ان کے بے پناہ مہنگے دام اور ''حلقہ سوئم'' میں نجی ملکیت والی اجارہ داری کا عمل_ ان تمام باتوں نے مل کر ایک ایسی صورت پیدا کر دی جس میں بٹائی پر مبنی کاشتکاری کا سرمایہ دارانہ وضع کی پیداوار میں تبدیل ہونا ناواجب طول عمل ہو گیا۔نوآبادیاتی حکمرانی کے دور میں بٹائی کے ارتقا کو معیشت کی جمودی درمیانی شکلوں نے روکے رکھا تھا۔ بٹائی میں پیداوار کرنے والے اور زمین کے مالک کے درمیان ذرائع پیداوار کی از سرنو تقسیم کے سلسلے میں، خواہ کچھ ہی تبدیلیاں کیوں نہ رونما ہوئی ہوں، بٹائی کے دائرے کے اندر نمودار ہونے والے ہر قسم کے نظام کی بنیاد زندہ محنت اور اس کی کھپت ہی رہی۔ٹکنیکی بنیاد کی بے حرکتی کے باعث جامد ہو جانے والی سماجی محنت کی سادہ پیداواری قوت، اور اس کے ساتھ ہی براہ راست پیداوار کرنے والے کا بری طرح استحصال جس میں زمین کا مالک پیداوار کرنے والے کے ذرائع معاش کے ایک حصہ کو بھی باقاعدگی سے ہڑپ کرتا رہتا ہے، بقول مارکس ''مفلوج شکل میں'' قوت محنت کی تجدید پیداوار___ یہ تمام مظاہر بٹائی کی ہر قسم میں موجود ہوتے ہیں اور انہوں نے ان معاشی

صورتوں کا اندرونی اتحاد قائم کیا جو اس کی بنیاد پر رونما ہوئیں۔ بٹائی داروں نے، خواہ وہ بے دخلی کی کسی بھی منزل میں کیوں نہ پہنچ چکے ہوں، ہندستان کے دیہات میں کنگال آبادی کی ایک سب سے زیادہ کثیر تعداد پرت کی تشکیل کی۔

یہ کہنے کی تو چنداں ضرورت نہیں کہ بٹائی کی ہندستانی شکل نے تکنیکی ترقی کو شدت کے ساتھ محدود کر دیا (یہ ضرور ہے کہ پچھلی دہائی میں ہندستان کے بعض علاقوں میں بٹائی کے حلقے میں مزید سرمایہ کاری ہوئی ہے لیکن یہ زیادہ تر معدنی کھادوں کی شکل میں ہوئی)۔

مندرجہ بالا کی بنیاد پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ مغربی نمونے کے برعکس مشرقی طرز کی بٹائی درمیانی تشکیلوں کی اس قسم سے تعلق رکھتی ہے جس کا کام ''کسانیت کو ختم کرنا''، سرمایہ داری کے لئے زمین ہموار کرنا پیداوار کرنے والے کے لئے انتہائی تکلیف دہ شکل میں ہوتا ہے مگر جس میں سرمایہ دارانہ پیداواری تعلقات پیدا کرنے کی نہایت ہی خفیف صلاحیت ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے ہی یہ سرمایہ دارانہ ارتقا کی بدترین قسم، قدامت پرست کے قلعے کا کام کرتی ہے۔

آیئے، اب ہم ہندستان کی درمیان تشکیلوں پر زرعی اصلاحات کے اثر کا پٹے داری کی نشوونما کے وسیلے سے مطالعہ کریں۔

سب سے پہلے تو زرعی اصلاحات نے بڑے پیمانے کی زمینی ملکیت کی غیر مرکزیت کو اکسا دیا، کیونکہ زمینداروں نے دیہات میں صورت حال شدید ہونے کے پیش نظر اپنی زمین کا کچھ حصہ کھلی منڈی میں فروخت کر دیا۔

دوسرے، حسب مراتب زمین کے حق ملکیت کے (یعنی زمینداری نظام کے) خاتمے اور سارے ملک میں زمین کی ملکیت کے یکساں نظام کے نافذ ہو جانے سے کھلی منڈی کی لگان داری بڑی شدت کے ساتھ ایک عام وضع کی حیثیت سے قائم ہو رہی ہے۔ لگان داری کی اس وضع کے تحت لگان کی شرحیں ہر پابندی سے بے نیاز ہوتی ہیں (ظاہر ہے کہ یہیں سے قانون کی خلاف ورزی ہوتی ہے)۔

تیسرے، زرعی اصلاحات سے جو تدابیر اختیار کی گئیں جیسے کہ بٹائی کی اجازت کے ساتھ ساتھ مستقل اور شکمی لگان داری کی ممانعت، زمین کی ملکیت کی حد بندی کا خطرہ وغیرہ، ان سب نے ایک طرف تو بٹائی کی ترقی میں شدت پیدا کر دی ہے اور دوسری طرف ''کھلی''، سرکاری طور پر ضبط تحریر میں آئی

ہوئی لگان داری کی جگہ ''خفیہ'' قسم کی لگان داری کو دے دی ہے جس میں پٹے پر پیدا کرنے والا لگان دار تصور نہیں کیا جاتا۔

چوتھے، ان تمام عناصر نے مل کر لگان داری کی شرائط بد سے بدتر کر دی ہیں اور دوسرے اسباب کے ساتھ مل کر لگان بڑھا دیا ہے۔

اگر اصلاعی سطح پر کئے گئے بہت سارے جائزوں کی شہادت کچھ روشنی ڈال سکتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ صدی کی ساتویں کے آغاز میں ''غیر محفوظ'' وضع کی لگان داری (جس میں بٹائی کی درمیانی صورتیں بھی شامل ہیں) ہندستان کی کاشت کوئی ایک تہائی رقبہ میں پھیل گئی جس میں لگان داری کی غالب شکل بٹائی تھی۔

قابل غور امر یہ ہے کہ زرعی اصلاحات نے چھوٹے مالکان زمین کی بے دخلی میں رکاوٹ نہیں ڈالی۔ اصلاحات کے بعد کے زمانے میں یہ عمل مسلسل جاری رہا۔ قدرتی طور پر اس کا فوری نتیجہ یہ ہے کہ بعض ریاستوں میں بٹائی کے نظام کا پھیلاؤ متواتر جاری ہے۔ ایک سرکاری دستاویز میں نہایت موزوں الفاظ میں واضح کیا گیا ہے: ''لگان داری ایک مستقل مسئلہ ہے۔ اسے ایک شکل میں ختم نہیں کر پاتے کہ وہ دوسری شکل میں نمودار ہو جاتی ہے۔''33

سرمائے کی بدترین اور پست ترین شکلوں کا ارتقا

ہندستان دیہات میں روایتی سماجی و معاشی تشکیل کے کٹاؤ میں مہاجنی اور سوداگری سرمائے نے بڑا رول ادا کیا ہے۔ قرض کے بندھنوں میں براہ راست زرعی پیداوار کرنے والوں کی کثیر تعداد کی جکڑ بندی اس قسم کے پیداواری تعلقات کے قیام کی نشاندہی کرتی ہے جن کے متعلق مارکس نے لکھا تھا کہ وہ ''رذیل ترین استحصال ہوتے ہیں جس میں سرمائے اور محنت کے درمیان ایسے تعلقات نہیں ہوتے جو نئی پیداواری قوتوں کے ارتقا کی بنیاد کے حامل ہوں اور جو نئی تواریخی ہیئتوں کی ابتدا کی حیثیت رکھتے ہوں... سرمایہ ایک ایسا استحصال کرتا ہے جو سرمایہ دارانہ طریقہ پیداوار کی نمائندی نہیں کرتا۔''34 اس وضع کے تعلقات کے باعث درمیانی تشکیل اس میں ظاہر ہوتی ہے کہ ''سرمایہ پیداوار پر کنٹرول حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے اور اس کے نتیجے میں صرف رسمی سرمائے کی نمائندگی کرتا ہے۔''35 درحقیقت وہ چھوٹے

پیمانے پر پیداوار کرنے والے کی ملکیت اس سے الگ کر لیتا ہے جبکہ قانوناً اس کو کلی یا جزوی طور پر اس کے مالک رہنے دیتا ہے۔

سرمائے کی بدترین اور پست ترین شکلوں ___ مہاجنی اور سوداگری _ میں اصلاحات کے بعد کے دور میں نمایاں تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں۔ ان تبدیلیوں کے بنیادی رجحانات میں سے ایک دیہات میں ابتدائی جمع کا مزید استحکام ہے۔ سب سے پہلے تو سیکٹروں کے درمیان سوداگری اور مہاجنی سرمائے کے ارتکاز میں خاصا اضافہ ہوا ہے۔ ایک طرف تو بڑے شہری مہاجنی، سوداگری اور تجارتی و صنعتی سرمائے ''حلقہ سوئم'' میں اپنے اداروں کے ذریعے اس جمع پونجی کو جذب کر رہے ہیں جو دیہی علاقوں میں ان کے چھوٹے بھائیوں نے اکٹھی کی تھی۔ دوسری طرف وہ سرمائے کے ایک حصہ کو الگ ہونے اور دیہات میں چلے جانے دیتے ہیں جہاں وہ ابتدائی جمع میں ہی مدد دیتا ہے۔ ریزرو بینک آف انڈیا کے جائزے کے بموجب اس صدی کی چھٹی دہائی کے آغاز میں ہی دیہی باشندوں کو جو قرضے دئے گئے ان کے 50 سے 66 فیصدی تک شہری علاقوں سے آئے تھے۔36 اس طرح ہمیں تجارتی اور مہاجنی سرمائے کے متحدہ نظام کی تشکیل کی جانب رجحان نظر آ رہا ہے، متحدہ اس اعتبار سے کہ شہر اور گاؤں میں ان استحصال کرنے والوں کے درمیان زیادہ حد تک تعلق باہمی اور انحصار باہمی پیدا ہو رہا ہے جو اس سرمائے کی بڑی مقدار کو حرکت میں لاتے ہیں۔

دوسرے، اس صدی کی پانچویں دہائی میں مہاجنی سرمائے کے استبدادی اثر سے ہندستان کی زراعت کی کسی حد تک نجات کے بعد، مہاجنوں کے ہاتھوں ہندستانی دیہات کے استحصال میں زرعی خالص پیداوار کی شرح میں اضافے کی بہ نسبت خصوصاً چھٹی دہائی میں اور نسبتاً کم حد تک ساتویں دہائی میں دوبارہ زیادہ تیزی سے اضافہ ہونے لگا۔ مثلاً ریزرو بینک آف انڈیا کے اعداد و شمار کے بموجب 52-1951 میں دیہی کنبے نجی طور سے سود پر قرض دینے والے مہاجنوں کے 12 ارب 90 کروڑ روپیے کے قرضدار تھے۔ 1962 کے وسط تک یہ قرضہ بڑھ کر 23 ارب 80 کروڑ روپیے ہو گیا۔ یہ 83 فیصدی کا اضافہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی، اعداد و شمار کی مرکزی تنظیم کے بیان کے بموجب کل زرعی پیداوار (جس میں ماہی گیری اور جنگلات کی پیداوار بھی شامل تھی) 51-1950 اور 62-1961 کے دوران میں 47 ارب 80 کروڑ بڑھ کر 67 ارب 80 کروڑ روپیے ہو گئی جو 41 فیصدی کا اضافہ تھا

(جاری قیمتوں میں)۔ گاؤں میں پیدا کرنے والوں سے نجی قرضہ دینے والوں نے پیداوار کی جو اشیا وصول کیں ان کے حصے اور مجموعی مقدار میں بھی اسی مطابقت سے اضافہ ہوا ہوگا۔ اس صدی کی چھٹی دہائی میں مہاجنوں نے جنگ کے فوراً بعد کے زمانے میں افراط زر کا غذی اور ابتدائی اصلاحات کے بعد رفتہ رفتہ حسب معمول توازن قائم کرلیا۔ بہت سی ریاستوں میں اب پھر زمین ہی مہاجنوں کے حملے کا خاص نشانہ بن گئی۔

تیسرے، دیہات میں قرض دینے والوں کی سماجی ساخت میں نمایاں تبدیلی واقع ہوگئی ہے۔ ''پیشہ ور'' مہاجنوں کو دیہی قرض کے دائرے سے سود کا بیوپار کرنے والے وہ لوگ نکال باہر کر رہے ہیں جو کاشتکار ذاتوں سے تعلق رکھتے ہیں (ان میں سب سے پہلے مالدار مالکان زمین ہیں)۔ ریزرو بینک آف انڈیا کے اعداد وشمار کے بموجب ساتویں دہائی کے شروع میں قابل وصول نقد رقم کی شکل میں نجی قرضوں کے اثاثے کے کوئی 80 فیصدی کے مالک قرض دینے والے ''کاشتکار'' تھے۔ اس طرح ہندستان زراعت میں ابتدائی جمع نئی بنیادوں پر قائم کی جارہی ہے۔ اس عمل کے اب خاص نمائندے صاحب جائداد حلقے ہیں جو دیہات میں نشوونما پاکر سرمایہ دار کاروباری بنتے جارہے ہیں۔ اس کے ساتھ پیشہ ور مہاجن اور تاجر بھی زمینیں خرید رہے ہیں۔ پورے ہندستان میں تین چہروں کے استحصال کرنے والے نمودار ہوئے: مہاجن ___ سوداگر ___ مالدار مالک زمین۔

دیہی قرضے کے سلسلے کی بعض کڑیوں میں جو سرمایہ لگا ہوا ہے اس کے سود کی شرحوں میں کچھ کمی کا رجحان بھی پایا جاتا ہے۔ یہ رجحان اس وجہ سے پیدا ہوا کہ ایک طرف تو امداد باہمی کے قرضوں کا نظام بتدریج پھیل رہا ہے اور اس کی وجہ سے امداد باہمی کے قرضوں کے سرمائے اور نجی قرضوں کے سرمائے کے درمیان مقابلہ ہو رہا ہے اور دوسری طرف فاضل نقد وسائل کے مالکوں کے درمیان جو انہیں منافع بخش کاروبار میں لگانے کے متلاشی ہوتے ہیں۔ دیہی قرضوں کی دوسری شاخوں میں نجی قرضوں پر سود کی شرحیں بڑھنے کا واضح رجحان پایا جاتا ہے۔ سود کی شرحوں کی نقل وحرکت میں مخالف رجحانات اختلافات کو گہرا کرنے کو مزید بڑھاوا دیتے ہیں۔

دیہات میں نجی قرضے اور گردش کے سرمائے کی سب سے بڑی خصوصیت اب بھی یہی حقیقت ہے کہ یہ سرمایہ اصلاحات کے بعد کی سرمایہ داری سے اپنے میں مطابقت پیدا کرنے کے باوجود چھوٹے

پیمانے کی جنس تجارت کی پیداوار کا اور موخرالذکر سے جو سرمایہ دارانہ عناصر پیدا ہوتے ہیں ان کا بڑی حد تک مخالف ہے۔

اجرتی مزدور کے بھیس میں کنگال

ہندستان کی زرعی معیشت کی نسبتاً زیادہ امتیازی خصوصیات میں ایک یہ تھی کہ شدید نوآبادیاتی استبداد کے دوران میں جب دیہی محنت کش عوام (چھوٹے قطعات اراضی کے مالک، اہل حرفہ، خودمختار پیدا کرنے والے دوسرے زمروں کے لوگوں) کی کثیر تعداد میں بے دخلی شروع ہوئی تو اسی وقت تک ہندستانی دیہات نے ان لوگوں کی ایک پرت کو وہیں روک لیا تھا جو ہر طرح کی جائداد سے قطعی محروم تھے (''برادری کے ملازمین''، بے زمین زرعی مزدور وغیرہ)۔ ہندستان کے بعض حصوں میں یہ حلقہ تعداد میں خاصا بڑا تھا۔ یہ محتاج لوگ جو پہلے کی تقسیم محنت کی تخلیق تھے، تابعداری کی مختلف شرائط پر زرعی پیداوار میں شامل تھے۔ اس لئے برطانوی استعماریت پسندوں کا ''بے دخلی کا مقصد'' دو طریقوں سے ظاہر ہوا۔ ایک طرف تو سماجی تعلقات کا روایتی نظام درہم برہم ہوا اور اس کے نتیجے میں دیہی برادری کے بے جائداد ارکین اپنی معاش کے ذرائع کے نئے گروہ شامل ہو گئے جو وہ چھوٹے کاشتکار تھے جنہیں اپنی جائداد سے محروم کیا جا رہا تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ جب تک ہندستان نے خودمختاری حاصل کی اس وقت تک ہر طرح کی جائداد سے محروم دیہی آبادی بے انتہا بڑھ چکی تھی۔ لیکن جیسا کہ ہندستانی تجربے سے ظاہر ہوا ہے، سرمایہ دارانہ طریقہ پیداوار کی بنیادی شرائط کی، جو پیداوار کے حالات اور ذرائع سے پیداوار کرنے والوں کی کثیر تعداد کی مکمل علیحدگی سے ابھر کر سامنے آتی ہیں، سرمایہ دارانہ پیداوار کی مناسب نشوونما کی صورت میں تکمیل نہیں ہوئی ہے۔ بے دخل کاشتکار کو بدترین شرائط پر (بٹائی پر) زمین سے براہ راست منسلک رکھنے کے علاوہ دوسرے شکلوں کو بھی بڑے پیمانے پر فروغ حاصل ہوا۔ ان میں خاص طور سے قابل غور ایک طرف تو اس بے دخل کاشت کار کی قوت محنت کی خرید و فروخت کے تعلقات ہیں جو سرمایہ دارانہ طریقۂ پیداوار کے عمل سے لاتعلق ہیں اور دوسری طرف سے وہ تعلقات جو پیدا کرنے والے کے استحصال کی کرداری خصوصیت ظاہر کرنے والے اقتدار و غلامی کے رشتے سے منسلک ہیں۔

ریزورو بینک آف انڈیا اور اطلاقی معاشی تحقیق کی قومی کونسل کی معلومات کے بموجب موجودہ صدی کی ساتویں دہائی کی پہلی تہائی مدت میں آدھے سے زیادہ دیہی کنبوں کی آمدنی کا خاص یا ضمنی ذریعہ اجرتیں تھیں۔ زرعی ومعاشی تحقیق کے مرکزوں کے ''کھیتوں کے انتظام کے مطالعوں'' اور ریزرو بینک آف انڈیا اور اطلاقی معاشی تحقیق کی قومی کونسل کے جائزوں کی شہادت کی بنیاد پر اعداد کا موازنہ کر کے یہ ظاہر کیا جاسکتا ہے کہ زرعی پیداوار میں مصروف اجرتی کا بڑا حصہ (کام کرنے کے وقت کے اعتبار سے غالباً دو تہائی سے تین چوتھائی تک) زراعت کے خودکفیل، نیم خودکفیل اور چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کے سیکٹروں میں استعمال ہوا تھا۔ موخرالذکر سیکٹر نے صرف گزارے کے فنڈ کی تجدید پیداوار کی اور کوئی زائد قدر (یا پیداوار) تخلیق نہیں کی یا اجرتی محنت گزارے کو ہی پیدا کرنے والی وضع کے ایسے کنبوں میں لگی جو اپنی اس زائد پیداوار کو اپنے مصرف میں لے آتے تھے جو باہر کی محنت کے استحصال سے حاصل ہوتی تھی۔ چنانچہ ایسے زراعت پیشہ کنبوں میں جو زائد پیداوار جمع کر رہے تھے باہر کی محنت کا نسبتاً قلیل حصہ کام میں لیا جاتا تھا۔

کاشتکار مختلف اسباب کی بنا پر باہر کی محنت کا استفادہ کرتے ہیں۔ محنت کی منڈی میں اجرتی محنت کی غیر معاشی مانگ روایتی سماجی اداروں کے باعث بہت ہی زیادہ ہوتی ہے (اونچی ذات کے افراد کو جسمانی محنت کرنے پر پابندی، دیہی برادری میں سماجی وقار اور جسمانی محنت کے درمیان معکوس تناسب وغیرہ)۔ لیکن زرعی پیداوار کی جانب بیرونی محنت کی بڑے پیمانے پر کشش میں مدا اہم ترین عنصر، جس میں حسب معمول معاشی ضرورتیں شامل نہیں ہوتیں، اب بھی چھوٹے پیمانے کی پیداوار میں ذرائع معاش کے لئے جدوجہد ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ دیہات میں حد سے زیادہ آبادی کے زیر اثر نہ صرف پوری طرح بے دخل کی ہوئی دیہی آبادی کے لئے بلکہ متعدد کاشتکار کنبوں کے لئے بھی ضرورت کے مطابق کام مہیا نہیں ہوتا (زرعی ومعاشی تحقیق کے مرکزوں کی معلومات کے بموجب ہندستان کے مختلف علاقوں میں ان کاشتکار کنبوں نے اپنی کاشت میں کنبے کے تندرست افراد کے کام کرنے کے کل گھنٹوں میں سے سال میں پانچویں حصے سے لے کر پانچ میں سے دو حصوں تک سے استفادہ کیا)۔ جو چھوٹے چھوٹے کاشتکار معاشی اعتبار سے ابتر حالت میں ہیں وہ اپنے کھیتوں سے باہر کہیں اور کام کی تلاش کرتے ہیں۔ دوسری طرف فصل کے موقع پر

مختصر مدت میں فوری کام انجام دینے کے لئے انہیں اس صورت میں روز افروں پیمانے پر باہر کے مزدور رکھنے پڑتے ہیں جبکہ کنبے کی فاضل محنت ناکافی ہوتی ہے۔اس طرح چھوٹے پیمانے پر پیداوار کرنے والا منڈی کے ذریعے محنت کے تبادلے کے حق میں فیصلہ کرتا ہے اور اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ باہر مزدوری پر کام کرنے کے دوران حاصل ہونے والی مزدوری اور مختصر مدتوں کے لئے باہر کے مزدور رکھنے کے مجموعی اخراجات کے درمیان فرق سے اپنی آمدنی میں اضافہ کرے۔اس طرح دیہات کی حد سے زیادہ آبادی خود اپنی ایسی مشینری بنالیتی ہے جو بے دخل اور کنگال آبادی کی جس میں ''پیشہ ور'' زرعی مزدور بھی شامل ہوتے ہیں آمدنیوں کی سطح برابر کرنے کی جانب مائل ہوتی ہے۔

سادہ تجدید پیداوار کی بنیاد پر اپنے وظائف پورے کرنے والی زرعی تشکیلوں میں باہر کی جو محنت انجام دی جاتی ہے اس کو سیاسی و معاشیاتی اصطلاح کے صحیح معنوں میں اجرتی محنت قرار نہیں دیا جاسکتا، اس کو ایسی محنت تصور نہیں کیا جاسکتا جو قدر زائد پیدا کرتی ہو جس میں بعد میں اضافہ کرلیا جائے۔ان تشکیلوں میں جو اجرتی مزدور کام پر لگائے جاتے ہیں وہ ابتدائی زرعی پرولتاریہ کی ایک قسم کا زمرہ مرتب کرتے ہیں۔کثیر تشکیلی زرعی معیشت کے تحت مزدوروں کا یہ زمرہ قوت محنت فروخت کرنے والوں کا سب سے بڑا دستہ ہوتا ہے۔مختلف علاقوں میں اس کی تقسیم کی حد سرمایہ دارانہ تشکیل کی ترقی کے تناسب معکوس میں اور نسبتاً حد سے زائد آبادی کی سطح کے براہ راست تناسب میں ہوتی ہے۔اس وضع کا اجرتی مزدور پوری طرح قلاش ہوتا ہے کیونکہ وہ قدر زائد تخلیق نہیں کرتا، زرعی معیشت کے بہت سے سیکٹروں میں تو وہ قدر متبادلہ تک پیدا نہیں کرتا اور وہ اپنے کام سے ضرورت کے کم از کم ذرائع معاش بھی حاصل نہیں کر پاتا۔کسی زرعی سماج میں کسی خاص علاقے کے قلاش ہونے کی حد کا بڑی حد تک صحیح اندازہ زرعی پرولتاری نما کے تناسب اور اس کے ذاتی صرفے کی جسامت سے لگایا جاسکتا ہے۔

رہا محنت فروخت کرنے والوں کی خاصیت کی مختلف انواع کے اعتبار سے تقسیم کا سوال تو کسی خاص علاقے میں جس وضع کی پیداوار حاوی ہوتی ہے وہی پیداوار میں لگنے والی باہر کی محنت کی معاشی نوعیت متعین کرتی ہے۔

کھیتوں کے انتظام کے مطالعے واضح کرتے ہیں کہ زراعت میں جو اجرتی مزدور لگائے جاتے ہیں وہ مختلف وضع کے کھیتوں اور علاقوں میں تقسیم کا نہایت ہی ناہموار خاکہ پیش کرتے ہیں۔ویڈربھ،

مغربی گوداوری اور پنجاب کے ضلعوں میں 57 سے 79 فیصدی تک مزدوران کھیتوں میں لگائے گئے جہاں زائد پیداوار جمع ہوتی ہے۔ پہلے دو علاقوں میں 42 سے 68 فیصدی تک مزدوران کھیتوں میں لگائے گئے جن کی سالانہ جمع 1000 روپیوں سے زیادہ تھی (جدول 6 ملاحظہ فرمایئے)۔اس کے برعکس مدراس اور مغربی بنگال کے ضلعوں میں، احمد نگر اور سمبلپور میں باہر کے مزدوروں کا بڑا حصہ محض اپنا گزارہ کرنے والے کنبوں میں مرکوز تھا اور باہر کے جتنے مزدور ملازم رکھے گئے تھے ان میں سے آدھے سے زیادہ (اور بعض اوقات 86 سے 100 فیصدی تک) ان کاشتکاروں نے رکھے تھے جن کا اپنا گزارہ بھی بمشکل ہوتا ہے۔

ہندستانی زراعت میں باہر کے مزدوروں سے کام لینے کے کئی رجحانات پائے جاتے ہیں۔سب سے پہلے تو مزدوری پر رکھنے کے ''جاگیری'' نظام کے غائب ہونے کے نتیجے میں چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی تشکیل کے ابھر آنے کے زیر اثر جس کے نمائندے خود اپنے کنبے کے افراد کی محنت پر بھروسہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ہمیں باہر کے مزدور گھٹانے کا رجحان نظر آتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی کاروباری کاشتکاری کی مسلسل نشوونما سے جو سرمایہ دارانہ کاشتکاری کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے، باہر کے مزدوروں کی وہی مانگ بڑھ رہی ہے جو پیداوار کی ضرورتوں سے پیدا ہوتی ہے۔اس عمل میں ''سبز انقلاب'' نے سہولت پیدا کر دی ہے۔ جو موجودہ مرحلے میں مزدوروں کی زیادہ مانگ پیدا کرتا ہے کیونکہ فی ایکڑ پیداوار میں خاصا اضافہ ہو گیا ہے۔لیکن یہ رجحان رفتہ رفتہ ایک اور رجحان کے زیر اثر گھٹ رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ کھیتی کے خاص خاص کام مشینی کئے جارہے ہیں۔

باہر کے مزدوروں کی بین تشکیلی اس نقل وحرکت کی مخالفت ایک اور رجحان پیدا کرتا ہے جو دیہات میں حد سے زیادہ آبادی سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ رجحان باہر کے مزدوروں کے بڑے حصے کو چھوٹی اور بہت چھوٹی پیداوار کے اندر رکھنے کا ہے۔آج کل ہندستانی دیہات کی حقیقتیں یہ ظاہر کرتیں کہ دیہات میں حد سے زیادہ آبادی کا بھاری بوجھ کم ہو رہا ہے۔اس لئے وہ ''باہمی امداد'' جو منڈی کے ذریعے اپنی محنت کا تبادلہ کر کے کنگال ہو جانے والے لوگ ہی فراہم کر سکتے ہیں پیداوار کرنے والے ان کثیر تعداد لوگوں کو بدستور سہارا دیتی رہے گی جو چھوٹے پیمانے کی پیداوار میں مصروف ہیں۔

جس مزدور کا استحصال کیا جاتا ہے اور فاضل پیداوار حاصل کرنے والے جو کنبے اس کی محنت

مصرف میں لاتے ہیں ان کے درمیان جو تعلقات موجود ہیں ان پر خاص توجہ دینی چاہئے کیونکہ صرف ایسے ہی کنبوں میں ایسی پیداوار کے عناصر مل سکتے ہیں جس کا مقصد سرمایہ دارانہ جمع ہو۔ فریقین کے درمیان...اس تبادلے کے آزاد تعلقات کے مقابلے میں، جو قدر تبادلہ پر مبنی ہو اقتدار اور غلامی کے تعلقات پر مبنی نہ ہو 37 (مارکس کے قول کے بموجب اس وضع کا تبادلہ ''اجرتی محنت'' کے زمرے کی ایک علامت ہے)، ہندستانی دیہات اور خاص طور سے نسبتاً بڑے کھیتوں میں ہی اپنے مالک پر مزدور کے انحصار کی مختلف شکلیں عام ہوگئی ہیں۔ ان شکلوں سے انجام کار مزدور کے گزارے کا فنڈ کم ہوتے ہوتے قلیل ترین رہ جاتا ہے۔

جدول 6

ہندستان کے مختلف علاقوں میں فاضل پیداوار جمع کرنے والے کھیتوں پر اور گزارہ کرنے والے کھیتوں پر باہر کے مزدوروں کا ارتکاز 55-1954 تا 60-1959، فیصد 38

ریاست اور ضلع	فاضل پیداوار جمع کرنے والے کھیت	گزارہ کرنے والے کھیت
	میزان:	جن میں سے وہ کھیت:
	جن میں سے وہ کھیت جو اپنے اخراجات پورے کرتے جن کی جمع کی ہوئی ہیں۔	
	قدر 0 0 5 سے جو اپنے اخراجات پورے نہیں 1000 روپیہ تک کرتے۔	
	ہے سالانہ	

وہ اضلاع جن میں اجرتی مزدور زیادہ تر ان کھیتوں میں ہیں جو فاضل پیداوار کرتے ہیں

وہ اضلاع جن میں اجرتی مزدور زیادہ تر ان کھیتوں میں ہیں جو فاضل پیداوار جمع کرتے ہیں

اپنے مالک پر مزدور کے ذاتی انحصار کی دو صورتیں ایسی ہیں جو ہندستانی دیہات میں بڑی ہی عام ہوگئی ہیں۔ پہلے تو ہمیں وہ انحصار نظر آتا ہے جو روایتی اداروں پر مبنی ہے یہ شکل ہندستانی سماج میں ذات برادری کے اس نظام سے پیدا ہوتی ہے جو اب بھی چلا آ رہا ہے۔ یہی ایک حقیقت کہ زرعی مزدوروں کی بہت بڑی تعداد دیہی آبادی کے سب سے نچلے طبقے یعنی ''اچھوتوں'' سے تعلق رکھتی ہے، مالکوں کو اس بات کا موقع دیتی ہے کہ وہ ان کو کم از کم شرح پر اجرت دیں۔ بعض ہندستانی ریاستوں میں زرعی مزدوروں کا بڑا حصہ، یہاں پر ہی مشتمل ہے۔ 51-1950 میں مدراس کے زرعی مزدوروں کے 34 فیصدی کنبے ان پر ہی مشتمل تھے، بہار میں 38.5 فیصدی، اتر پردیش میں 55 فیصدی، اڑیسہ 60.9 فیصدی اور پنجاب میں تو 82 فیصدی۔ 39

دوسرے، یہ انفرادی انحصار ہوتا ہے کیونکہ یہ ایک خاص مزدور کو ایک خاص مالک سے وابستہ کر دیتا ہے۔ اس قسم کا انحصار عام طور پر مزدور کو قرضے کے بندھنوں سے باندھ کر برقرار رکھا جاتا ہے (قرضہ عموماً نسلاً درنسلاً چلا آتا ہے جس کے نتیجے میں مزدور اور اس کے کنبے کا انفرادی انحصار کئی کئی قرنوں میں پھیلا ہوتا ہے)۔ 57-1956 میں زرعی مزدوروں کے کوئی 63.5 فیصدی کنبے اس طرح مقروض تھے۔ جب کہ 1951-1950 میں 44.5 فیصدی کنبے مقروض تھے۔ فی کنبہ اوسط قرض 88 روپے یعنی کنبے کے مجموعی اخراجات کا 14.3 فیصدی تھا۔

تبادلے کی قدروں کی پیداوار کی جانب زرعی معیشت کے عبور کے ساتھ ساتھ یہ نہیں ہوتا کہ باہر کے کھیت مزدور کے بندھن ٹوٹ جائیں یا غیر معاشی جبر ختم ہو جائیں۔ مجموعی پیداواری تعلقات کے ارتقا میں یہ پہلو ایک خاص مرحلے سے مطابقت رکھتا ہے۔ اس مرحلے کی کرداری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ نئے کو (پیداوار کی تشکیل جس کی جمع جنس تجارت کے تعلقات کے وسیلے سے ہوتی ہے) گویا پرانے پر منڈھ دیا جاتا ہے، پرانے کو بدلا نہیں جاتا (آزاد مزدور کا نہیں، منحصر مزدور کا استحصال کیا جاتا ہے)۔ جس مزدور کا

استحصال کیا جاتا ہے اس کے بندھن آج دیہی مالک کے لئے اپنی جمودی حالت میں ابتدائی سرمائے کی جمع کے وظائف پورے کرتے ہیں اور اس وضع کے بڑے پیمانے کے تعلقات کو ظاہر کرتے ہیں جو درمیانی ومعاشی تشکیلوں کا خاصہ ہوتے ہیں۔

آج کی ہندستانی زراعت میں اجرتی محنت کی تشکیل کا عمل اپنی جبلی خصوصیات سمیت ابھی ابتدائی مرحلے میں ہے۔اس کے ساتھ ہی ساتھ وہ مختلف علاقوں میں اپنے ارتقا کا انتہائی غیر یکساں خاکہ پیش کرتا ہے اور اس کا آغاز گذشتہ صدی کے مختلف دوروں سے نظر آتا ہے۔1960 کی دوسری نصف دہائی سے ''سبز انقلاب'' نے بعض علاقوں میں اجرتی محنت کی تشکیل کی رفتار بڑھادی۔فاضل پیداوار حاصل کرنے والے کھیتوں کی ٹکنیکی بنیاد کے متواتر جدید کئے جاتے رہنے سے زرعی مزدوروں کے جدید طبقے کے قیام میں سہولت پیدا ہوگئی۔

اس طرح غلامی کی شرائط کی بنیاد پر یا اپنے ذرائع معاش کے لئے اپنی قوت محنت کو کھلی منڈی میں تبادلے پیش کرنے کی بنیاد پر پیداوار میں مزدوروں کی جو کثیر تعداد لگی ہوئی ہے وہ ایک طبقہ نہیں بلکہ سماجی پرتوں کا ایک مجموعہ ہے جن کی معاشی شکل وصورت کا تعین موجودہ معاشی تشکیلوں کے کردار سے ہوتا ہے۔

یہ حقیقت کہ اس مجموعے پر سرمایہ داری سے پہلے کی اور درمیانی تشکیلوں کے گروہوں کا غلبہ ہے مزدوروں کی سماجی نفسیات اور سماجی ومعاشی مطالبات پر بڑا اثر ڈالتی ہے۔موخرالذکر میں سب سے اہم قطعہ زمین دیا جانا یعنی خودمختاری کے ساتھ پیداوار کرنے والے کی حیثیت سے مزدور کا اپنے حق کو جتانا، غیر معاشی جبر کا خاتمہ کر کے سماجی مساوات قائم کرنا یعنی ''اچھوٹ'' کے درجے کے خاتمہ کرنا، قوت محنت کو اجرت پر حاصل کرنے میں محکومی کے تعلقات کی مختلف صورتوں کے مٹانے کے ذریعے اجرتیں بڑھوانا، تجارت اور آڑھت کے اجارہ دارانہ سرمائے کو ختم کر کے منڈی میں کنٹرول کے اور باقاعدگی لانے کی ریاستی نظام کو جاری کر کے اشیائے خورونی کی قیمتیں گھٹانا اور ان میں استحکام پیدا کرنا ہے۔مجموعی طور پر یہ مطالبات اس امر کی فوری ضرورت کی عکاشی کرتے ہیں کہ بورژوا طرز سے پہلے کی اور ''جدید بنائی'' طرزوں کی نجی استحصال املاک کی اجارہ داری کو مٹایا جائے۔

دیہات کے چیدہ لوگ دیہات میں چیدہ لوگوں کی تشکیل کے سماجی ومعاشی پہلو

اصلاحات کے بعد کے زمانے میں ہندستان کے دیہات میں جو تبدیلیاں رونما ہوئیں ان کا ایک خاص نتیجہ یہ تھا کہ بڑے مالکان زمین کا نسبتاً ہم رنگ طبقہ بن گیا۔ یہ ہمرنگی قومی پیمانے پر یکساں حقوق ملکیت زمین کے نظام کے قیام پر محمول کی جاسکتی ہے۔

اس طبقے میں جو خاص تبدیلی آئی تھی وہ یہی تھی کہ یہ بڑی بڑی زمینوں کے مالکوں کے ہی طبقے کا نچلا حصہ تھا یعنی ان پر مشتمل تھا جو دیہات میں رہتے تھے، جو مراعات یافتہ جاگیردار حلقوں کے نسبتاً اور قطعاً ہر دو اعتبار سے کمزور ہو جانے کے بعد اب اس طبقے کا سب سے زیادہ بااثر حصہ ہیں۔ اب وہ دیہات کے چیدہ لوگ بن گئے ہیں۔ سترھویں بار قومی انتخابی جائزہ لیا گیا تو اس کے بموجب اس صدی کی ساتویں دہائی کے شروع میں بڑے مالکان زمین (جن کے پاس 30 ایکڑ سے زیادہ زمین تھی) قابل کاشت کل زمین کے کوئی چوتھائی حصے کے مالک تھے۔ اس زمین کے بڑے حصے کو بھی انہوں نے اپنے اکٹھا کر لیا تھا جو لگان داروں کو دی گئی تھی۔ آٹھویں دہائی کے شروع میں زمین کی حد بندی کے قوانین کے بموجب بڑی بڑی ملکیتوں (50 ایکڑ سے زیادہ زمین کی ملکیتوں) کا محض 1.5 فیصدی حصہ بعد میں ازسرنو تقسیم کے لئے لیا گیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی زرعی اصلاحات نے بڑی ملکیت اراضی کی بنیاد پر درمیانی تشکیلوں کے قیام میں سہولت پیدا کر دی۔ لیکن بٹائی داروں کو زمین لگان پر دینا (جس میں زمین کے مالک اور پیداوار کرنے والے کے درمیان ساجھے داری کی مختلف صورتیں شامل ہیں) سب سے بڑے مالکان زمین یعنی زمینداروں اور جاگیرداروں کی نہیں بلکہ بڑے مالکان زمین کے ان نچلے حلقوں کے لوگوں کی خصوصیت تھی (جن میں وہ بھی شامل ہیں جو بڑی بڑی مراعات رکھنے والے مالکان زمین میں سے آئے ہیں) جو گاؤں میں رہتے تھے اور بٹائی دار کی فصل کی پیداوار تقسیم کے عمل کی نگرانی کرتے تھے۔ صاف ظاہر ہے کہ بٹائی کی جانب عبور کی ترغیبات کا اطلاق زمینداروں کے بالائی گروہ پر کیا گیا تھا۔ بڑے مالکان زمین کے نچلے حلقے زرعی قوانین کی اس مد سے بہت ہی کم متاثر نہیں ہوئے۔ جب کہ بعض ریاستوں میں تو بالکل ہی متاثر نہیں ہوئے۔ بڑے مالکان زمین کا سماجی ومعاشی اعتبار سے ایک متحدہ طبقہ تخلیق کرنے کا رجحان تمام ریاستوں میں زرعی قوانین کی تعمیل میں صاف طور سے دیکھا جاسکتا ہے۔ اس رجحان نے اصلاحات کے

بعد کے ہندستانی دیہات میں چیدہ لوگوں کی سرمایہ داری کو مستحکم کرنے میں بڑی حد تک سہولت پیدا کی۔

جہاں تک بڑے مالکان کی زمینوں پر معاشی نظام میں تبدیلی کا سوال ہے تو ان کی جستجو یہی رہی کہ نوآبادیاتی حکمرانی کے دور کی طرح ہی، کاشتکاری کی زرعی ٹکنیکی بنیاد تبدیل کئے بغیر، لگان داروں کے استحصال میں شدت پیدا کر کے لگان بڑی مقدار میں اکٹھا کریں۔ اصلاحات کے بعد کے زمانے میں بہت سے علاقوں میں اس سے لگان بڑھانے کا رجحان پیدا ہوا۔

زمین کو بنیادی طور پر صاف کرنا تبدیلیوں کا ایک اور نمونہ تھا جو کسانوں پر براہ راست اور بڑے پیمانے پر تشدد کرنے پر مبنی تھا۔ کسانوں کو اپنی زمین سے بے دخل کرنا اب لگان داری کی زیادہ سخت شرائط پر کاشتکاروں کو دوبارہ لگان پر دینے کا ذریعہ نہیں رہا بلکہ بڑے مالکان زمین کی کاروباری کاشتکاری قائم کرنے کی بنیادی شرط بن گیا۔ حالیہ چند برسوں میں ''سبز انقلاب'' کی ترقی کے سلسلے میں یہ رجحان اور بھی شدت اختیار کر گیا ہے۔ ''سبز انقلاب'' بڑے مالکان زمین کو بے پناہ مواقع فراہم کرتا ہے کہ وہ براہ راست پیداوار کرنے والے کے لگان کا استحصال کر کے ہی نہیں بلکہ خود اپنی معیشتوں میں بھی سرمایہ لگا کر بڑا پیشہ کمائیں۔ اس عمل کی ایک کرداری خصوصیت یہ ہے کہ لگان داروں کی بنیادی بے دخلی سے بڑے مالکان زمین کے جو فارم قائم ہوئے ہیں وہ نئے ٹکنیکی ساز و سامان پر مبنی ہیں۔

چھوٹے پیمانے کے مالکان زمین کی بے دخلی، پیداوار کرنے والے کو ذرائع پیداوار سے منسلک کرنے کی بدترین شکل کی حیثیت سے بٹائی کی ترقی، زمینوں کی صفائی اور مالکان زمین کے کاروباری کاشتکاری فارموں کا قیام ___ یہ طویل عمل (جو مرحلوں یعنی اپنے اندرونی ارتقا کے اعتبار سے مکمل ہے) ہندستانی دیہات میں سرمایہ دارانہ ارتقا کے قدامت پرست راستے کی کرداری خصوصیت واضح کرتا ہے۔ اس عمل کی نمایاں خصوصیت مختلف علاقوں میں اس کے مرحلوں کے ارتقا میں یکسانیت کا فقدان ہے۔ بعض علاقوں میں ابتدائی مرحلے عام ہیں جیسے مغربی بنگال میں جہاں تمام مزروعہ زمینوں میں بٹائی کے پٹوں کا تناسب جو موجودہ صدی کی چوتھی دہائی کے اواخر میں 22.5 فیصدی تھا ساتویں دہائی کے شروع میں بڑھ کر 30.3 فیصدی ہو گیا۔ 40 دوسرے علاقوں میں اس عمل کے آخری مرحلے زیادہ شدت کے ساتھ ترقی کر رہے ہیں، مثلاً پنجاب میں جہاں زمین سے کسانوں کی بے دخلی کے باوجود بٹائی کے تناسب میں کمی کا رجحان پایا جاتا ہے۔ وہاں 1955 اور 1964 کے درمیان مندرج لگان داروں کی تعداد

583400 سے گھٹ کر 80500 رہ گئی۔ 41 اس تیز کمی کی ایک حد تک وجہ یہ ہے کہ ''خفیہ'' لگان داری میں مالکان زمین جن بٹائی داروں کا استحصال کرتے ہیں ان میں سے سب کے نام درج نہیں کرائے گئے۔

اس کے ساتھ ہی ہندستان میں بڑے مالکان زمین قرضے دینے کا سرمایہ خود اپنے قبضے میں رکھ رہے ہیں اور نجی دیہی قرضوں میں اپنے لئے کلیدی مقام حاصل کر رہے ہیں۔ ریزرو بینک آف انڈیا کی معلومات کے بموجب 1952 اور 1962 کے درمیان نقد واجبات کی شکل میں دیہی نجی قرضوں کے اثاثے کا حصہ جو ''کاشتکاروں'' یعنی بڑے دیہی مہاجنوں کے ہاتھوں میں جمع تھا، تمام ''کاشتکاروں'' کے ملکیت کے اثاثوں کا 31 فیصدی سے بڑھ کر 56 فیصدی ہو گیا جب کہ مہاجنوں کا یہ گروہ دیہات کے کل کنبوں میں 2 فیصدی سے بھی کم تھا۔

بڑے مالکان زمین نے جو وسائل جمع کر لئے ہیں ان کا خاصا بڑا حصہ خاص طور پر موجودہ صدی کی چھٹی دہائی میں اور ساتویں دہائی کے وسط میں بڑے پیمانے پر دلالی کی تجارت پر صرف کیا۔ اس طرح بڑے بڑے ''پیشہ ور'' تاجروں کے ساتھ مل کر انہوں نے دیہی منڈی پر اپنی اجارہ داری قائم کر لی۔

ریزرو بینک آف انڈیا کے فراہم کئے ہوئے اعداد و شمار کے تجزیے سے پتہ چلتا ہے کہ بڑے مالکان زمین کے طاقتور گروہ نے کم از کم 1960 کے وسط میں اپنی جمع کا بڑا حصہ، اربوں روپیہ، غیر پیداواری مگر نہایت ہی منافع بخش دائرے یعنی تجارتی اور مہاجنی سرمائے کے لئے وقف کر دیا۔

پچھلے پندرہ بیس برس میں ایک رجحان یہ پیدا ہوا ہے کہ ایک طرف تو دیہات میں استحصال کرنے والے بالائی طبقے کے تجارت، سٹے بازی، قرضے دینے کے مفادات اور دوسری طرف شہری بورژوازی کے بعض گروہوں کے مفادات آپس میں مل جائیں۔ اس رجحان نے ملک گیر پیمانے پر سماجی ردعمل کے کردار کو متعین کیا ہے۔ یہ حقیقت کہ موجودہ، دیہی دائرے سے باہر کے سماج میں بڑے مالکان زمین ایک زبردست قوت کی حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے خود ''اپنی'' اور ''غیروں'' کی یعنی شہر کی نقد دولت ڈھیروں جمع کر لی جو انہوں نے استحصال کے سرمایہ داری سے پہلے کے طریقوں سے بھی حاصل کی تھی، قومی بورژوازی میں رجعت پسندانہ رجحانات کو لازمی طور پر شدید کرتی ہے اور رجعت پرست وضع کے سرمایہ دارانہ حلقوں کے مزید سماجی و سیاسی استحکام کو بڑھاوا دیتی ہے۔

دیہات کے چیدہ لوگوں کے حلقے کے قیام کے سماجی وسیاسی پہلو

بدستور چلے آنے والے روایتی سماجی اداروں کواوران میں سب سے پہلے ذات برادری کے نظام کو بڑے مالکان زمین خوداپنے مقاصد کے لئے سرگرمی سے استعمال کرتے ہیں۔ذات برادری کا نظام ان کے لئے دوہرا کام انجام دے رہا ہے۔اول تو دیہات کی بحیثیت مجموعی صورت حال کے بڑھتے ہوئے کھنچاؤ کے تحت دیہی آبادی میں طبقاتی اور ذات برادری کی تفریق محدود صاحب جائداد گروہوں اور سب سے پہلے دیہات کے مالکان زمین میں سے چیدہ لوگوں کوموقع دیتی ہے کہ وہ خوداپنے اور کسانوں کے مفادات کے اختلاف کومختلف ذاتوں کے باہمی مفادات کے تصادم کی حیثیت سے پیش کریں اور اس تدبیر سے قدرے کامیابی کے ساتھ فائدہ اٹھا کرخوداپنی مراعات اور جائداد کی حفاظت کریں۔دوسرے، ذات برداری کی تشکیل بڑے مالکان زمین کو''قانوناً''حق دیتی ہے کہ وہ غیر معاشی جبر کے طریقوں کوکام میں لاکراپنی دولت میں اضافہ کرتے رہیں (جن زرعی مزدوروں کا تعلق''اچھوتوں'' سے ہے ان کے استحصال میں یہ طریقے خاص طور سے زیادہ ظالمانہ ہیں)۔یہی وجہ ہے کہ دیہات کے چیدہ لوگ''چھوت چھات'' کے نظام میں کسی قسم کی کمزوری پیدا ہونے کی نہایت شدت سے مزاحمت کرتے ہیں۔

ہندستانی عمرانیات داں بلجیت سنگھ نے بڑے مالکان زمین کے لئے دیہی برادری میں ذات برادری کی تقسیم کی اہمیت کونہایت موزوں پیرائے میں بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

''جاگیردارانہ تشکیل کے قانوناً خاتمے کے بعد اسے برقرار رکھنے والی ذات کے اندر باہمی تعلقات زمین کے متعلق کسی ترقی پسند تحریک کے خلاف ایک طاقتور محاذ پیش کرتے ہیں۔ہر گاؤں میں تمام ذاتوں پر دوایک ذاتیں حاوی ہوتی ہیں اور یہ ہمیشہ مالکان زمین ہوتے ہیں۔رہنمائی بھی اس کوحاصل ہوتی ہے جس کے پاس زمین رہنماؤں اور چیدہ لوگوں کی ذاتوں کے نجی مفادات باقی لوگوں کے مشترک مفادات کے برعکس ہوتے ہیں۔لیکن چونکہ بحیثیت مجموعی گاؤں کے سماج میں وہ حاوی ہوتے ہیں اس لئے امداد باہمی کی کاشتکاری، زمین کی ملکیت کی حد بندی اور زمین کی ازسرنو تقسیم کے خلاف جدوجہد میں وہ تمام گروہوں کوشامل کر لیتے ہیں۔یہ ذات بندی کے سماج کی ستم ظریفی ہے کہ چوٹی کے چند لوگ اپنے مستقل حقوق میں کسی قسم کی کمی کی مخالفت ان لوگوں کی مدد سے ہی کرتے ہیں جوان کی موجودگی سے مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں۔''42

سیاسی بالائی تشکیل میں اور سب سے پہلے اس کے اہم ترین عنصر یعنی ریاستی اقتدار کے نظام میں مالکان زمین کی ''دوسری پرت'' کی کثیر تعداد میں سرایت کیفیتی اعتبار سے ایک نئے عمل کو ظاہر کرتی ہے جس کے حالات آزادی حاصل کرنے کے دوران میں اس وقت پیدا ہوئے جب نوآبادیاتی سیاسی تشکیلیں ختم کی جارہی تھیں۔

ہندستان کی آزادی کے پہلے دس پندرہ سال میں نئی دفتر شاہی پرت مرتب ہوئی جو دیہات کے چیدہ لوگوں کے نمائندوں پر مشتمل تھی اور زیادہ تر اضلاعی اور ریاستی سطح پر قائم ہوئی تھی۔ رشتہ داریوں کے شاخ در شاخ نظام کو، جسے مختلف کڑیوں نے جوڑ رکھا ہے جس میں مشترک ذات برادری کے طرح طرح کے تعلقات بھی شامل ہیں، استعمال کر کے زمینی جائداد رکھنے والے مالدار کنبوں کے نمائندوں نے فوج، پولیس، بڑی عدالتوں اور دوسرے سرکاری اداروں میں اہم عہدے حاصل کر لئے ہیں۔ وہ پردیشوں کی قانون ساز اسمبلیوں میں گھس آتے ہیں تاکہ دیہات میں حکومت کی پالیسی پر اپنا اثر ڈال کر سکیں۔ دیہی علاقوں میں ''پنچایتی راج'' کے ادارے قائم کرنے کی غرض سے جو اقدامات چھٹی دہائی کے اواخر میں شروع کئے گئے تھے انہوں نے ریاستی اقتدار پر اثر و رسوخ حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کا ایک وسیع محاذ کھول دیا ہے۔ ان اداروں میں سے بیشتر میں کلیدی عہدوں پر قبضہ کرنے میں بڑے مالکان زمین کو، بااقتدار ذاتوں کے گروہوں کے بڑے لوگوں کو ہی کامیابی حاصل ہوئی۔

اصلاحات کے بعد کے زمانے میں جو واقعات رونما ہوئے ان کا نہایت ہی اہم نتیجہ یہ ہے کہ دیہات میں مقیم بڑے مالکان زمین نے خود اپنے طور پر ایک سیاسی قوت کی صورت اختیار کر لی ہے اور ہندستانی سیاست میں وہ ان گروہوں اور جماعتوں کی حمایت کرتے ہیں جو ان کے مفادات کی وکالت کرتے ہیں۔

دیہات کے چیدہ لوگ سماجی برادری کی ایک علیحدہ قسم

دیہات کے چیدہ لوگوں کے حلقے کا قیام ایک پیچ در پیچ اور کثیر پہلو عمل ہے جو سماج کی زندگی کے معاشی اور سماجی و سیاسی دونوں رخوں کو اثر انداز کرتا ہے۔ ہندستانی دیہات کے چیدہ لوگوں کا حلقہ اپنی موجودشکل میں نسبتاً حال ہی میں قائم ہوا ہے۔ یہ ایک ایسے سماج کے تشکیلی تغیرات کے باعث قائم ہوا اور

بعد میں تقویت حاصل کی جو ایک زمانے میں استعماریت پسندوں کے پیروں تلے کچلا پڑا تھا (اس میں سب سے پہلے تو یہ ہوا کہ برطانوی سامراجیوں کے سیاسی اقتدار کے خاتمے کے نتیجے میں جاگیرداری کی بالائی پرت ہٹادی گئی)۔

محققین دیہات میں استحصال کرنے والوں کی دوسری قسموں سے دیہات کے چیدہ لوگوں کے حلقے کو عام طور پر اس کی متعدد خصوصیات کا حوالہ دے کر علیحدہ کرتے ہیں۔ان میں سب سے پہلے اس کی سماجی ومعاشی کرداری خصوصیات ہیں۔ چنانچہ ریزرو بینک آف انڈیا نے ایسے بڑے مالکان زمین کے بالائی حلقے کو الگ کرلیا ہے جو جدید بنیادوں پر خود اپنے فارم منظم کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی گاؤں کے غریبوں کا استحصال کرنے کے لئے ابتدائی جمع کے طریقوں پر بھی شدت سے عمل کرتے ہیں۔ وہ انہیں ''کلیدی کاشتکار'' کہتا ہے اور وضاحت یوں کرتا ہے کہ''کلیدی کاشتکار'' ایک نئے ابھرنے والے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں جو دیہات میں تاجروں کے دلال بنتے ہیں اور چھوٹے کاشتکاروں اور لگاداروں کو قرضے دیتے ہیں۔'' 43

چیدہ لوگوں کی معاشی تشکیل کا لب لباب یہ ہے کہ دیہات میں استحصال کرنے والوں کا ایک خاص گروہ روز افزوں سماجی ومعاشی وظائف انجام دینے شروع کر دیتا ہے جن کا اظہار دوسروں کی محنت اور جائداد پر قابض ہونے کی صورت میں ہوتا ہے۔

اس عمل کے ساتھ ساتھ استحصال کرنے والوں کے مختلف گروہوں کے درمیان اس پرانی ''تقسیم محنت'' کا کٹاؤ جاری رہتا ہے جس کے تحت استحصال کا ہر وظیفہ ایک خاص سماجی حلقہ انجام دیا کرتا تھا۔ یہ تو صاف ہے کہ ایسی کثیر انواع کی سرگرمیاں جن کا مقصد دوسروں کی محنت اور جائداد پر قبضہ جمانا ہوتا ہے متعدد علاقوں میں دیہات کے چیدہ لوگوں کے حلقے میں برطانوی استعماریت پسندوں کے بھگائے جانے سے بہت پہلے بھی نظر آتی تھیں۔لیکن آزادی کے بعد سے ان عوامل نے ایک عمومی صورت اور تیز رفتار اختیار کرلی ہے۔

عبوری وضع کی طبقاتی تشکیل کی حیثیت سے چیدہ لوگوں کے حلقے میں خود اس کے انتشار کے عناصر موجود ہوتے ہیں اور سرمایہ دارانہ ارتقا جس قدر شدت اختیار کرے گا وہ اسی قدر زیادہ نمایاں ہو جائیں گے۔ یہ عمل دیہات کے چیدہ لوگوں کے حلقے کی کاٹ کرتا رہے گا اور نئے سماجی ومعاشی گروہوں کے قیام

کا باعث ہوگا جن میں زراعت کے حلقے میں مصروف عمل سرمایہ دار اور مالیاتی سرمایہ دار وغیرہ شامل ہوں گے۔ سرمایہ دارانہ سماجی تقسیم محنت سے جن مخصوص قسموں کی سرگرمی پیدا ہوگی، یہ گروہ اسی کی بنیاد پر قائم ہوں گے۔

بحیثیت مجموعی ہندستان کے سماجی و معاشی نظام کے طویل ارتقا کے دوران میں دیہات کے چیدہ لوگوں کا حلقہ اپنی موجودہ شکل میں اس سے پہلے کے استحصال کرنے والے طبقوں کی اسی طرح ''نفی'' ہیں جس طرح اپنے تمام درجوں سمیت جو اصلیت میں نئی بنیاد پر ابھرتے ہیں، نوخیز سرمایہ دار طبقہ عصر حاضرہ کے دیہی چیدہ لوگوں کے حلقے کی نفی ہے۔

بالائی تشکیل اور دوسرے سماجی اداروں سے دیہات کے چیدہ لوگوں کے حلقے کے عمل باہمی کے تجزیے سے وہ ایک سماجی قوت کی حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس عمل باہمی کا بنیادی اظہار دولت اور اقتدار کا مدغم ہونا ہے۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جو قوت کی محروطی تشکیل کے مطابق رفتار پکڑ رہا ہے: درجہ جتنا بلند ہوتا ہے، دولت اور قوت کا ارتکاز اتنا ہی شدید اور واضح ہوتا ہے۔ آزادی کے بعد کے زمانے میں اقتدار کے وظائف اور سماجی و معاشی وظائف کو متحد کرنے کا رجحان تیز رفتاری سے بڑھا ہے۔ اس رجحان کا مقصد ایک خاص گروہ کی ذاتی دولت میں اضافہ کرنا ہے اور وہ اس گروہ کو ایک خاص سماجی حلقے میں تبدیل کرنے میں ممد و معاون ہوتا ہے جو باقی دیہی آبادی کا مخالف ہوتا ہے۔

لیکن اس عمل کے دوران میں اقتدار کا ڈھانچہ چند افرادی اقتدار کی شکل اختیار کر لیتا ہے (دیہات کے چیدہ لوگوں کے حلقے کی کرداری خصوصیت ظاہر کرنے کے لئے ہندستانی معاشیات داں ''چند افرادی حکومت'' کی اصطلاح عام طور پر استعمال کرتے ہیں جو حسب حال ہے)۔ اقتدار کے اس ڈھانچے کا قیام ٹھیک اس وجہ سے ممکن ہو سکا کہ دیہی معیشت میں وہ سماجی تشکیلیں حاوی تھیں جن میں خود کفالتی وضع کے تعلقات اور سماجی رشتوں کے ''عمودی'' نظام کا غلبہ تھا۔

ایک دوسرے کے لئے ناگوار اگر ساتھ ہی ایک دوسرے پر باہمی منحصر سماجی گروہوں (ذاتوں) میں سماج کی تقسیم دیہات میں اقتدار کی چند افرادی نوعیت میں شدت پیدا کر دیتی ہے اور دیہی چند افرادی اقتدار کو اپنی کارروائیاں جاری رکھنے میں روز افزوں آزادی فراہم کرتی ہے۔ اس صدی کی ساتویں دہائی میں ہندستان میں اعتدال پسندانہ اصلاحات میں جو رکاوٹیں پیدا ہوئی تھیں وہ انفرادی بڑے مالکان زمین

نے اتنی نہیں جتنی سماجی قوت کی حیثیت سے دیہی بااثر چند افرادی حلقے نے پیدا کی تھیں۔

دیہی بااثر چند افرادی حلقے کی تقویت سے دیہات میں ان بنیادی سماجی تغیرات کو خطرہ لاحق ہوتا ہے جن کی تعمیل کی توقع حکومت سے کی جاتی ہے۔ دیہات کے چیدہ لوگوں کے حلقے کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے نتیجے میں، جو پردیشوں کی سطح تک ریاستی اقتدار کے نظام میں غالباً سب سے زیادہ بااثر قوت بنتا جارہا ہے، ممکن ہے یہ سماجی تغیرات رجعت پرستانہ شکل اختیار کرلیں اور سماجی ترقی کے اہم ترین مفادات کے خلاف جائیں۔

دولت اور اقتدار کے اتصال پر مبنی دیہی سماج کے چند افرادی ڈھانچے کو اس کے مقابلے میں نئے جمہوری ادارے قائم کر کے ہی تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس دھانچے کو تو بالکل ہی مٹا دینا چاہئے۔ ایسا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ بڑے پیمانے پر زمین کی ملکیت کو ختم کر دیا جائے جو دیہات کے چیدہ لوگوں کے سب سے زیادہ طاقتور دستے کے متواتر موجود رہنے کی بنیاد ہوتی ہے۔

چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی پیداوار کی کاروباری اور سرمایہ دارانہ پیداوار میں ارتقائی تبدیلی کے لئے حالات

سرمایہ دارانہ ارتقا کے دور جحانوں کا انتہائی اہم ایک پہلو ان تمام سماجی و معاشی حالات کا مجموعہ ہے جو کاروباری اور سرمایہ دارانہ پیداوار میں چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی پیداوار کی ارتقائی تبدیلی پر حاوی ہوتا ہے۔

اصلاحات کے بعد کے زمانے میں بڑے بڑے جاگیرداروں کی زمینوں کے ایک حصے کی کسانوں میں ازسرنو تقسیم نے چھوٹے پیمانے کی پیداوار کے انفرادی سیکٹروں کو مستحکم کیا۔ ہندستان کے منصوبہ بندی کے کمیشن کی معلومات کے بموجب کوئی 30 لاکھ لگان داروں نے (جن میں ان ریاستوں کے بٹائی دار بھی شامل ہیں جہاں بٹائی پر لگان داری کاشتکاری کی قانونی شکل ہے) 70 لاکھ ایکڑ سے زیادہ زمین حاصل کی جو ہندستان میں کل زیر کاشت زمین کے 2 فیصدی حصے سے کچھ ہی زیادہ ہے۔ جاگیردار بچولیوں کے نظام کے خاتمے کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً 2 کروڑ مالکان زمین نے ''محفوظ'' لگان داروں کے تعلقات ریاست سے براہ راست قائم کر دئے۔ 44 زمین کی ازسرنو تقسیم نے چھوٹے مالکان زمین کے

ان نقصانات کو کسی حد تک پورا کر دیا جو انہیں متواتر نے دخلی سے اٹھانے پڑے تھے۔

چھوٹے پیمانے کی پیداوار کی، جس میں محنت کے خود اپنے عناصر (سب سے پہلے زمین کے) ہوتے ہیں، ایک حد تک توسیع ایسی حالت میں جاری رہتی ہے جب کہ وہ طبقاتی پرتیں جو درمیانی زرعی تشکیلوں کی نمائندگی کرتی ہیں اور ان پر مبنی قدامت پرست وضع کی سرمایہ داری دیہی معیشت کے کلیدی سیکٹروں پر قابض رہتی ہے۔ ان پرتوں کی جائداد سماجی تقسیم محنت اور جنس تجارت کی معیشت میں رخنہ ڈالتی ہے اور انجام کار دیہات میں سماجی و معاشی ارتقا کے مجموعی عمل کو مسخ کر ڈالتی ہے، ملک کے مختلف حصوں میں مختلف حد تک اسے بدترین سماجی شکلوں میں بدل ڈالتی ہے۔

زمینی جائداد کے اثر

اس عمل کا اظہار زمین کو برسرکار لگانے کے ان طریقوں سے ہوتا ہے جن پر دیہات میں کاروبار کرنے والے عمل کرتے ہیں برسرکار لگانے کا یہ عمل ایسی شرطوں پر انجام دیا جاتا ہے جو پیداوار کے لئے اور اس میں لگنے والی محنت کے لئے مشکل ترین ہوتی ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ ہندستان میں ایسے علاقے موجود ہیں جہاں ایک طرف تو جنس تجارت کی پیداوار اور تجارتی کاشتکاری میں اضافے اور دوسری طرف کاشتکاروں کے بالائی حلقوں میں پٹے کی زمینوں کے ارتکاز کے درمیان تناسبی انحصار پیدا ہو رہا ہے (ان علاقوں میں مثلاً پنجاب کے کچھ اضلاع، آندھرا پردیش میں تجارتی پیمانے پر دھان کی کاشت کے علاقے شامل ہیں)۔ اس زمین کا ایک حصہ کاروباری مقاصد کے لئے پٹے پر دے دیا جاتا ہے۔

لیکن تجارتی پٹوں کی بڑے پیمانے پر ترقی کے مقابلے میں لگان کی اونچی سطح آتی ہے جو موجودہ ذرائع معاش خصوصاً زمین پر تباہ شدہ کسانوں کی کثیر تعداد کے دباؤ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس سے ایک ایسی حالت پیدا ہوتی ہے جو اس کے بالکل برعکس ہے جو بہت سے اب ترقی یافتہ ملکوں میں پٹے کی زمین کی منڈیوں میں عام تھی: پٹے کی زمینوں کے بہت بڑے حصے کو لینے والے مالدار کسان نہیں ہوتے بلکہ گزارہ حاصل کرنے والے چھوٹے کاشتکار ہوتے ہیں کیونکہ تجارتی وضع کے کاشتکاروں سے مقابلہ کرتے ہوئے وہ بہت ہی اونچا لگان دینے کو راضی ہو جاتے ہیں۔ 45 موازنے کے اعداد و شمار سے ظاہر ہوتا ہے کہ چھٹی دہائی کے وسط میں پٹے پر دی ہوئی زمینوں کے کل رقبے میں تاجرانہ پٹوں کا حصہ اس حصے کے مقابلے

میں کئی گنا کم تھا جو روس میں انیسویں صدی کے آخر میں دیکھنے میں آتا تھا جہاں لینن کے حساب کے بموجب وہ پٹے پر دی ہوئی کل زمین کا کوئی 50 فیصدی تھا۔46

گذشتہ چند عشروں میں روایتی وضع کے سرمائے کے لئے جس کی نامیاتی تشکیل بہت ہی پست ہے، زمین کو برسرکار لگانے کے حالات بہت ہی بگڑ گئے ہیں۔ عملی طور سے دیکھا جائے تو جہاں لگائی ہوئی محنت ایک ہی سطح پر قائم رہی وہاں مجموعی پیداوار کی قیمت کی بہ نسبت لگان بہت تیزی کے ساتھ بڑھا (مجموعی پیداوار کی قیمت کی بہ نسبت قریب افراط زر کاغذی کے عناصر کے زیر اثر ہی اضافہ ہوا)۔ اس لئے لگان دار کی حاصل شدہ پیداوار میں زمین کے لگان کا تناسب بڑھنے کی جانب مائل نظر آیا۔ پنجاب میں کئی عشروں کی مدت کے دوران لگان کے رجحانات کی وضاحت کرنے والے جو اعداد و شمار مہیا ہیں ان سے اس عام نتیجے کی تصدیق ہوتی ہے (جدول 7)۔

یہی وجہ ہے کہ جنس تجارت پیدا کرنے والے لگان دار کے لئے لگان کی شرطوں میں بذریعہ قانون باقاعدگی لانے کا مسئلہ فوری اہمیت اختیار کرتا جا رہا ہے۔ لیکن توسیع شدہ تجدید پیداوار کے مفادات سے مطابقت رکھتے ہوئے زمین کے لگانی معاہدوں کا نظام جاری کرنے کی جدوجہد ابھی تک کوئی خاص کامیابی حاصل کرنے میں ناکام رہی ہے۔

جن اسباب کا اوپر ذکر آچکا ہے ان کے باعث ہندستان میں، اور اسی طرح ایشیا کے بہت سے دوسرے ترقی پذیر ملکوں میں، کاشت کا سرمایہ لگان کی زمینوں پر اپنے قدم مضبوطی سے نہیں جما سکا ہے۔ سرمائے کی جو نامیاتی تشکیل موجود ہے اس میں قدر زائد کی پیداوار کی سرمایہ دارانہ مشینری سرمایہ دار مالکوں کی زمینوں پنجاب میں لگان پر دی ہوئی زمین پر پست نامیاتی تشکیل والے سرمائے کے تحت سرمایہ دارانہ کھیتوں کے انتظام کے امکانات 47 پر ہی کارگزار طریقے سے کام کر سکتی ہے جہاں سرمائے کے استعمال کی راہ میں رکاوٹیں موجود نہیں ہوتیں۔

یہاں ہمیں سرمایہ دارانہ زرعی ترقی کی وہ صورت نظر آتی ہے جہاں اس کی ایک اولین شرط زمین کی ملکیت اور کھیتوں میں عدم وحدت نہیں بلکہ وحدت ہے۔

ارتقا کا یہ رجحان سرمائے اور زمینی ملکیت کے درمیان تعلقات کے ارتقا کی ایک تاریخی منزل کی عکاسی کرتا ہے جہاں نشوونما پاتی ہوئی سرمایہ داری نے ابھی تک نجی زمینی ملکیت کے موجودہ تعلقات کو خود اپنی طرز پر نہیں ڈھالا۔

جدول7

مدت	نہری زمین پر فی ایکڑ مجموعی پیداوار	نہری زمین کا فی ایکڑ لگان	فاضل پیداوار کا لگے ہوئے سرمائے سے تناسب فیصد	لگان اور منافع میں فاضل پیداوار کی تقسیم، فیصد
1938-39				
40-41				
42-43				
43-44				
49-50				
52-53				
54-55				
56-57				
61-62				
63-64				

سرمائے کے اور عموماً زمین پر معاشی سرگرمی کے تعلق سے نجی زمینی ملکیت کی خودمختاری سے ہندستانی حکمراں حلقے بخوبی واقف ہیں۔ کئی ہندستانی پردیشوں نے تمام لگان داری کو (بٹائی داری کو چھوڑ کر جسے لگان داری تصور نہیں کیا جاتا) بذریعہ قانون بڑی حد تک اس وجہ سے ممنوع قرار دے دیا ہے کہ لگان داری کے موجودہ تعلقات پیداوار کی ترقی میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔

اس حقیقت سے کہ ہندستان کی زرعی معیشت میں نجی زمینی ملکیت ابھی تک سرمائے کے تابع نہیں ہے، سرمایہ دارانہ پیداوار میں محنت کے استحصال کے حالات کا تعین ہوتا ہے۔ اس پیداوار سے جو قدر زائد تخلیق ہوتی ہے اس کا خاصا بڑا حصہ اجرتی مزدوروں کی اجرت کے مجموعی فنڈ سے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ حصہ یا تو کاروباری منافع میں تبدیل کر دیا جاتا ہے، جس کا ایک حصہ زمین کے لگان میں چلا جاتا ہے

(بشرطیکہ زمین کا مالک اور کاروبار کرنے والے دو الگ الگ افراد ہوں) یا زمین کے مالک کو مل جاتا ہے (بشرطیکہ موخرالذکر کاروبار بھی خود کرتا ہو)۔ لیکن قابض ہونے کا مخصوص طریقہ خواہ کچھ ہی ہو، اجرتی مزدوروں سے چھینی ہوئی اجرت کا ایک حصہ انجام کار زمین کے مالک کی جیب میں پہنچ جاتا ہے۔

سرمایہ دارانہ طریقہ پیداوار کی ترکیب وترتیب کے اپنے ہمہ گیر تجزیے میں مارکس نے زراعت کے سامایہ دارانہ ارتقا کی ایک صورت واضح کی تھی جس میں زرعی اجرتی مزدوروں کی اجرت کے فنڈ کے ایک حصے پر مالک زمین کا جبر یہ ایک مروجہ طریقہ بن جاتا ہے۔ پچھلی صدی میں انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کی صورت حال کے متعلق مارکس نے کہا ہے: ''لیکن کہیں زیادہ عام اور اہم بات حقیقی کھیت مزدور کی اجرت کا اپنے حسب معمول اوسط سے اس طرح گر جانا ہے کہ اس کا ایک حصہ پٹے داری کی رقم کا ایک حصہ بننے کے لئے گھٹتا ہے اور اس طرح، زمین کے لگان کے بہانے وہ مزدور کے بجائے زمیندار کی جیب میں چلا جاتا ہے۔''48

مارکس نے کہا تھا کہ اجرتوں میں کمی اس قدر ڈرامائی تھی کہ اس نے انہیں ''کم از کم ضرورت کی سطح سے بھی گرا دیا۔''49

مندرجہ بالا کی بنیاد پر ہم مندرجہ ذیل نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں۔ ہندستان میں بڑے پیمانے کی زمینی ملکیت اور سرمایہ داری سے پہلے کی دوسری شکلوں کی ملکیت (سود پر قرض دینا وغیرہ) جن کی تعمیل اس فاضل پیداوار پر قبضے سے ہوتی ہے جو اس اجرتی محنت کا نتیجہ ہے جس کا معاوضہ ادا نہیں کیا جاتا، کاروباری منافع اور زرعی مزدوروں کی کل اجرتوں دونوں کو ترتیب میں لاتی ہیں اور ایسا کرتے ہوئے عام طور سے ان اجرتوں کو گزارے کی کم از کم حد تک یا اس سے بھی کم رکھتی ہیں۔ دیہات کی حد سے زیادہ آبادی جو سب سے پہلے چھوٹے پیمانے کی پیداوار میں مرکوز رہتی ہے، انتہائی ظالمانہ طریقوں سے دیہی پرولتاریہ کے استحصال کے لئے معروضی امکانات پیدا کرتی ہے۔ لیکن بڑے بڑے مالکان زمین ہی سرمایہ داری سے پہلے کے استحصال کرنے والے دوسرے اداروں کے ساتھ مل کر استحصال کی سماجی شرح مقرر اور منضبط کرتے ہوئے ان امکانات سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ روایتی تعلقات کے کٹاؤ کی بنیاد پر ترقی کرتے ہوئے سرمایہ دارانہ سیکٹر کے سرمائے اور محنت کے درمیان تعلقات کے قیام میں بڑے پیمانے کی نجی زمینی ملکیت جو تاریخی حصہ ادا کر رہی ہے اس کی اہمیت اسی میں مضمر ہے۔

''حلقہ سوئم'' کے حالات

جنس تجارت کی پیداوار کی اور تجارتی کاشتکاری کی ترقی اور اس کی وجہ سے جنس تجارت پیدا کرنے والوں کو قرض کے سرمائے کی روز افزوں ضرورت نے مل جل کر زرعی جنس تجارت پیدا کرنے والوں کے بالائی گروہوں کے قرضوں میں اضافہ کر دیا ہے۔ چھوٹے کاشتکار کے قرضے بھی بڑھے ہیں۔ اس صدی کی ساتویں دہائی کے شروع میں پیدا کرنے والوں کے بالائی گروہوں نے جن کے پاس نچلے گروہوں کی بہ نسبت کہیں بڑے وسائل ہوتے ہیں، اپنی سالانہ سرمایہ کاریوں کے 25 سے 30 فیصدی حصے کو قرض کے سرمائے سے پورا کیا۔

ہندستان کے دیہات میں قرضی سرمائے کا بیشتر حصہ غیر پیداواری طریقے سے یعنی ضروریات زندگی پر صرف ہو جاتا ہے۔ ریزرو بینک آف انڈیا کی معلومات کے بموجب 62-1961 میں قرض کے ذرائع کے صرف 42.7 فیصدی حصے کو کاشتکاری کے حلقے کے اندر پیداواری مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔ کاشتکاروں کے سب سے اونچے حلقوں میں یہ عدد 4 5 فیصدی تھا (کل کاشتکاروں میں موخرالذکر 6.4 فیصدی تھے)۔50

قرضے پر شرح سود بدستور بہت اونچی ہے۔ جنس تجارت پیدا کرنے والے بیشتر کاشتکاروں کو قرض کا بیشتر حصہ مثالی مہاجنی انداز میں فراہم ہوتا ہے۔ مثلاً 62-1961 میں سب سے بلند پرتوں کے کاشتکاروں کو بھی (6.4 فیصدی) قرض کے سرمائے کی اپنی ضروریات کا آدھے سے بھی زیادہ حصہ 9.4 فیصدی اور اس سے بھی زیادہ سالانہ شرح سود پر ملا، جب کہ نچلے گروہوں کے کھیتوں میں اسی شرح سود پر قرضی سرمائے کا حصہ 70 سے 80 فیصدی تک پہنچ گیا۔ بہ الفاظ دگر قرض جن شرائط پر ملتا ہے ان کے باعث چھوٹے کاشتکار کی اجرتوں کا ایک حصہ عموماً سود پر صرف ہو جاتا ہے۔ رہا دیہی کاروباری سیکٹر تو قرضہ لینے والے کاشتکاروں کا قدرے محدود گروہ، سب سے پہلے بہت بڑے کاشتکار، جو قرضی سرمائے سے منافع حاصل کرتا ہے وہ سارے کا سارا ہی قرض دینے والا وصول نہیں کر لیتا۔ اس سے قرضی سرمایہ حاصل کرنے میں کاروبار کرنے والے کی معاشی دلچسپی برقرار رہنے کی ضمانت ہو جاتی ہے۔ بعض علاقوں میں ایسے قرض لینے والوں کی تعداد مسلسل و بتدریج بڑھ رہی ہے کیونکہ وہاں کاروبار کرنے والے کاشتکاروں کا گروہ تعداد کے اعتبار سے بڑا ہے اور شرح سود گھٹنے کا رجحان دوسری جگہوں کی بہ نسبت وہاں

زیادہ نمایاں ہے۔

زراعت میں قرض کے نظام کی خامی یہ ہے کہ پیداواری مقاصد کے لئے وسطی اور طویل مدت کے اور سستی شرح سود پر قرضوں کی شدید قلت ہے۔ زمینی جائداد والے بڑے لوگوں نے طویل مدت اور وسطی مدت کے اور سستی شرح سود کے قرضوں کی رقمیں مختصر مدت کے قرضوں کی بہ نسبت زیادہ بڑی حد تک حاصل کی ہیں۔ ہندستانی زراعت کی آج بھی خصوصیت یہی ہے کہ سستے قرضوں کی بڑھتی ضرورت اور ان کی دراصل فراہمی کے درمیان چوڑی خلیج حائل ہے۔ سستی شرح پر قرضوں کی شدید قلت ایسی فضا برقرار رکھتی ہے جو دیہات میں مہاجنوں کے کاروبار کے لئے سودمند ہوتی ہے۔

دیہات میں جنس تجارت کی گردش میں سرمایہ اپنی نچلی شکلوں میں کسانوں پر کچھ کم خراب اثر نہیں ڈالتا۔ زرعی پیداوار کی تجارت میں زمینی جائداد والے چیدہ لوگوں کی سرگرم مداخلت نے دیہات میں دیہی حلقے سے باہر کے ''پیشہ ور'' سوداگری سرمائے کی حیثیت خاصی مستحکم اور مضبوط کر دی ہے۔ اس سوداگری سرمائے کو نیا سماجی و معاشی اڈہ مل گیا ہے جہاں سے زرعی پیداوار کرنے والے پر وہ اثر ڈالنا شروع کر دے۔ چھوٹے پیمانے پر نیم خود کفالتی پیداوار کرنے والے کو تو اجارہ دارانہ سوداگری سرمائے سے یقیناً سب سے زیادہ نقصان تو ہوتا ہے لیکن جنس تجارت کی پیداوار کرنے والے کسانوں کے حلقوں کو بھی نقصان پہنچتا ہے۔

پچھلے بیس برس سے ہندستان میں ایک نئی مشینری قائم کی جا رہی ہے جس سے سوداگر زراعت سے بڑے منافع حاصل کرتے ہیں۔ ہندستان میں یہ ''تجارتی قرضہ'' کہلاتا ہے اور یہ اس عمل پر مشتمل ہوتا ہے جس کے ذریعے سوداگر کھیتوں کی قابل فروخت پیداوار اٹھا لیتا ہے مگر اس کے دام ادا کرنا ملتوی رکھتا ہے اور حساب اسی وقت چکتا ہے جب کہ پیداوار منڈی میں فروخت ہو جائے۔ ''تجارتی قرض'' تجدید پیداوار کے معمول کے مطابق چلنے والے اس چکر میں رخنہ ڈال دیتا ہے جو جنس تجارت پیدا کرنے والے قائم رکھتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس سے سوداگری سرمائے کو سہولت فراہم ہوتی ہے۔ کہ وہ کم از کم لاگت پر زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرے۔ چنانچہ ''تجارتی قرض'' ہندستانی دیہات میں ابتدائی جمع کی رفتار بڑھا دیتا ہے۔ سماجی اعتبار سے عجیب بات یہ ہے کہ جنس تجارت کی پیداوار کی ترقی ''تجارتی قرضے'' کی بنیاد کو وسیع کر دیتی ہے جو بطور خود اجارہ داری کے استعمال کی سب سے بھونڈی شکل ہے۔

دیہی منڈی میں معاملات کرنے والا سوداگری سرمایہ ارتقا کی نہایت ہی مخصوص منزل سے گزر رہا ہے۔اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وسیع پیمانے پر وسائل کو نسبتاً طویل مدت کے لئے باندھ دیا جاتا ہے۔اس میں خود سوداگر کے وسائل بھی ہوتے ہیں (کم داموں پر کھڑی فصل خرید لینا، منڈی میں کھیتوں کی پیداوار خرید لینا، اس کا ذخیرہ رکھنا اور فروخت میں تاخیر کرنا) اور دوسروں کے وسائل بھی جو اس سرمائے کی نقل وحرکت کے گرداب میں کھنچ آتے ہیں (''تجارتی قرض'')۔سوداگری سرمائے کے بہت سے حلقوں میں یہ رجحان دیکھا گیا ہے کہ سرمائے کی گردش کو تیز کر کے نہیں بلکہ قابل فروخت پیداوار کی منصوعی قلت پیدا کر کے اور اس کے نتیجے میں قیمتیں بڑھا کر سرمائے کی گردش کی رفتار سست کر کے زیادہ سے زیادہ ممکن آمدنی حاصل کی جائے۔اس سے ان کی کھلے بندوں طفیلی نوعیت اور سٹے بازی کی خاصیت ظاہر ہوتی ہے۔

زراعت کا مال منڈی میں فروخت کرنے والے کی نئی صورتوں کی نشوونما کی رفتار کی شرح (جو بہت سست ہے) اور منڈی میں فروخت کی ان صورتوں کے لئے جنس تجارت کی پیداوار کی ضرورتوں میں اضافہ کی شرح (جو کہیں زیادہ تیز ہے) کے درمیان برافرق ہندستان کے آجکل کے زرعی نظام کے شدید ترین تضادات میں سے ایک ہے۔ان علاقوں میں یہ تضاد بدترین ہو جاتا ہے اور تصادم کی صورت حال پیدا کر دینے والے کھنچاؤ کو بڑھاتا ہے جہاں تجارتی زراعت زیادہ ترقی یافتہ ہے اور جنس تجارت کی پیداوار کرنے والے کثیر تعداد میں نمودار ہو گئے ہیں۔

تاجروں اور سٹے بازوں کے ہاتھوں کسانوں کی لوٹ سے پیدا ہونے والا سماجی تضاد اس صدی کی ساتویں دہائی کے اواخر تک اتنا بڑھ گیا تھا کہ اس تضاد کو ختم کرنے کے لئے حکومت کو مجبوراً زوردار کوششیں کرنی پڑیں۔عموماً قومی معیشت کے ''حلقہ سوئم'' پر اور خصوصاً دیہات میں حکومت رفتہ رفتہ صورت حال کو اپنے قابو میں کرتی جارہی ہے۔

بڑے بڑے نجی بینکوں کو قومیا لینے کے زیادہ اہم نتائج میں سے ایک یہ ہے کہ زراعت میں معاملات کرنے والا تجارتی اور سٹے بازی کا سرمایہ قرضہ حاصل کرنے کے اپنے ایک بڑے وسیلے سے محروم ہو گیا ہے۔دیہی جنس تجارت کے اواخر میں یہ عمل خاص طور پر شدت اختیار کر گیا ہے) تجارتی اور سٹے بازی کے سرمائے کے پھیلاؤ کو روکتا ہے۔

موجودہ صدی کی آٹھویں دہائی تک حکومت کی تنظیمیں، سب سے پہلے ہندستان کی غذائی کارپوریشن، نیز امداد باہمی کی انجمنیں قابل فروخت اناج کا کوئی 20 فیصدی حصہ خریدنے لگی تھیں۔ کل ملا کر قابل فروخت اناج کا لگ بھگ 25 سے 30 تک حصہ (جس میں درآمدات بھی شامل تھیں) سرکاری اداروں کے ذریعے تقسیم کے لئے دستیاب تھا۔ حکمراں پارٹی اینڈین نیشنل کانگرس نے اس سلسلے میں اعلان کیا: ''... پیدا کرنے والے کو اور صارف کو بچولیوں کے استحصال سے بچانے کے لئے خاص خاص زرعی اشیائے تجارے کی تھوک تاجرانہ وصولی پبلک سیکٹر میں کی جانی چاہئے۔''51

ریاستی اجارہ داریوں کا قیام تجارتی اور سٹے باز سرمائے کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرسکتا ہے اور انجام کار اس کے پھیلاؤ کو قطعی روک سکتا ہے بشرطیکہ ان اجارہ داریوں کے قیام کے متعلق قانون کی پشت پناہی مناسب تنظیمی صورتوں کی وسیع بنیادوں پر ترقی سے کی جائے تاکہ ملک کی معیشت کے ''حلقہ سوئم'' سے نجی سرمائے کو نکال باہر کیا جائے۔

دیہات میں ریاستی اور امداد باہمی کے ادارے

دیہات میں ایک طرف تو سماجی اتھل پتھل کو روکنے کے لئے اور دوسری طرف جنس تجارت کی معیشت سے مطابقت رکھنے والے پیداوار کی ترقی کے لئے حالات پیدا کرنے کی غرض سے ہندستانی حکمراں حلقے زرعی اصلاحات کے علاوہ ریاست کی سماجی اور معاشی پالیسی کے دائرے کے اندر طرح طرح کے اقدامات کر رہے ہیں۔ نئے نئے دیہی پبلک ادارے (مثلاً امداد باہمی کی انجمنیں، کمیونیٹی ترقیاتی تنظیمیں وغیرہ) یکے بعد دیگرے سارے ملک میں قائم کئے جا رہے ہیں۔ ملک کی زراعت میں یہ ادارے روزافزوں حصہ لے رہے ہیں۔

سارے معاملے کا جوہر یہ ہے کہ نئے ادارے جو پرانی سماجی تشکیل کی بنیادوں پر قائم ہو رہے ہیں۔ اس کے پیداواری تعلقات سے ناگزیر طور پر متاثر ہیں۔ اس لئے کثیر تشکیلی معیشت میں تشکیلوں کے درمیان اور تشکیلوں کے اندر کے تعلقات، تضادات اور تغیرات نئے دیہی اداروں کی سرگرمیوں میں نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

دیہات میں تاجروں اور مہاجنوں کی اجارہ داری کو ختم کرنے کا فوری کام قرض دینے اور منڈی

میں مال فروخت کرنے میں امداد باہمی کے نظام کو ترقی دینے کے ذریعے انجام دیا جارہا ہے۔ پچھلے بیس برس میں قرضے کی امداد باہمی نے، جو حاوی شکل کی حیثیت رکھتی ہے، نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں اور مہاجنی سرمائے کی افزائش روک دی ہے۔ اس کے برعکس منڈی میں مال کرنے میں امداد باہمی کو محض معمولی کامیابی ہوئی۔ اس صدی کی ساتویں دہائی کے اواخر میں منظّم قرضوں اور سب سے پہلے قرضے دینے والی امداد باہمی کی انجمنوں نے زراعت میں قرضوں کی مجموعی ضرورتوں کا پانچواں حصہ پورا کیا۔52 اور منڈی میں مال فروخت کرنے میں امداد باہمی کے نظام نے کھیتوں کی قابل فروخت پیداوار کا محض 8 سے 10 فیصدی تک حصہ فروخت کیا۔53

ہندستان میں دیہی امداد باہمی کی کرداری خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں: امداد باہمی کی شکل کا سرمایہ نجی سرمایہ داری کے منظّم مالیاتی سیکٹر (بینکوں اور دوسرے اداروں) کے متوازی اور اس پر انحصار کئے بغیر نشوونما حاصل کرتا ہے اور زر کے آزاد وسائل برسرکار لانے میں اس کی مزاحمت کا اسے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ امداد باہمی کی تنظیم دیہات میں بھی خاصی بچت کا اہتمام کرنے میں اکثر ناکام رہتی ہے۔ اس لئے دیہات میں امداد باہمی کے سرمائے میں توسیع کا راستہ قرضہ دینے والے سرکاری اداروں کو ہموار کرنا پڑا۔ چنانچہ 51-1950 کے مالیاتی سال میں قرضہ دینے والی ابتدائی امداد باہمی کی انجمنوں کے برسرکار سرمائے کا 47 فیصدی حصہ (19 کروڑ روپیہ) سرکار کی طرف سے دی گئی ادھار رقم پر مشتمل تھا۔ 64-1963 میں فیصدی تناسب 67.3 (2 ارب 97 کروڑ روپیے) تک پہنچ گیا۔

دیہی امداد باہمی قدرے محدود سماجی اور معاشی بنیاد پر مصروف عمل ہے۔ ریزرو بینک آف انڈیا کے جائزے کے بموجب قرض دینے والی امداد باہمی کی انجمنوں نے 62-1961 میں جو قرضے دئے تھے ان کا تین چوتھائی حصہ دیہات کے 28 فیصدی کنبوں کے پاس پہنچا تھا، جب کہ قرضوں کا ایک تہائی حصہ محض 5 فیصدی ان کنبوں کو ملا جو اثاثے کی زمرہ بندی کے اعتبار سے 20 ہزار روپیے اور اس سے زیادہ کے زمرے میں آتے تھے۔54 منڈی میں مال فروخت کرنے کی امداد باہمی کی انجمنوں سے دیہی آبادی کے زیادہ خوش حال گروہ اور بھی نمایاں طور پر زیادہ مستفید ہوتے ہیں۔

ہندستانی دیہات میں (امداد باہمی کے اداروں کے اندر اور باہر دونوں جگہ) مخالف طبقاتی قوتوں کا تعلق باہمی اور ان قوتوں کے سماجی نقوش ہر مخصوص علاقے میں امداد باہمی کی سماجی نوعیت اور اس کی

سرگرمیوں میں مخصوص رجحانات کے غلبے کا تعین کرتے ہیں۔اول تو امداد باہمی سے کاروباری کھیتوں میں اور ساتھ ہی، اس سے قدرے کم حد تک، چھوٹے پیمانے پر پیداوار کرنے والے کی معیشت کے اندر ترقی پذیر پیداوار کی خدمت انجام پاتی ہے۔ دوسرے، امداد باہمی کے سرمائے کا ایک حصہ بدترین اور پست ترین شکلوں کے سرمائے میں بدل جاتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب امداد باہمی کے وسائل پر بڑے مالکان زمین، مہاجن اور سوداگر قابض ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ دیہات میں استحصال کرنے والے حلقوں کے مفاد میں امداد باہمی سے کاروباری کھیتوں میں اور ساتھ ہی، اس سے قدرے کم حد تک، دوسرے، امداد باہمی کے سرمائے میں بدل جاتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب امداد باہمی کے وسائل پر بڑے مالکان زمین، مہاجن اوار سوداگر قابض ہو جاتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دیہات میں استحصال کرنے والے حلقوں کے مفاد میں امداد باہمی ابتدائی جمع کا آلہ کار بن جاتی ہے۔ درحقیقت امداد باہمی اس عمل کی رفتار بڑھانے کا ایک وسیلہ بن جاتی ہے۔ آخرکار امداد باہمی کی رقموں کا ایک حصہ جو کبھی گزارے کی پیداوار کرنے والے کنبوں کے پاس آتا ہے یا جس پر دیہات میں رہنے والے طفیلی عناصر (اس میں بڑے مالکان زمین جو لگان وصول کرتے ہیں بھی شامل ہیں) قبضہ جما لیتے ہیں نجی تصرف کے فنڈ میں تبدیل ہو جاتا ہے جہاں کھاپی کر اس کو ختم کر دیا جاتا ہے (ساتویں دہائی سے موخرالذکر رجحان خاص طور پر زیادہ مستحکم ہو گیا ہے اور امداد باہمی کے قرضے کے نظام کے فروغ کے ساتھ ہی ساتھ رونما ہونے والی خصوصیت بن گیا ہے)۔

ریزرو بینک آف انڈیا نے امداد باہمی کے متعلق بہت سے جو جائزے لئے ہیں ان سے ہندستان میں دیہی امداد باہمی کے ارتقا کی خاص خاص منزلوں کو پہچاننا ممکن ہو گیا ہے۔ ابتدائی منزلوں میں گزارے اور نیم گزارے والی کسان معیشتیں، بحیثیت مجموعی اپنے تعلقات کی تمام قسموں کے ساتھ، امداد باہمی کا خاص وسیلہ ہوتی ہیں۔ ایسی بنیاد پر امداد باہمی کے مزید فروغ کے لئے معروضی امکانات بہت ہی محدود ہوتے ہیں۔ پیداوار سے غیر متعلق مقاصد کے لئے امداد باہمی کے وسائل استعمال کرنا دیہات کی برادری کے اسی حلقے کی پکی عادت ہوتی ہے۔

جب تک کہ چھوٹے پیمانے پر جنس تجارت کرنے والوں کا حلقہ قائم نہیں ہو گیا جو سرمایہ دارانہ حلقے کی نشوونما کے لئے زمین ہموار کرتا ہے، تب تک سرمائے کی امداد باہمی کی شکل کے فروغ اور ترقی کے لئے

حقیقی معنوں میں وسیع و بسیط بنیاد قائم نہیں ہوئی۔ ہندستان کی حقیقی کیفیت کی ستم ظریفی اس حقیقت میں مضمر ہے کہ جنس تجارت کی پیداوار اور امداد باہمی کو جس قدر شدت دے نمو حاصل ہوتا ہے اسی قدر امداد باہمی کے وسائل پر شدت سے دباؤ پڑتا ہے جو ان استحصال کرنے والوں کا سب سے اوپر کا حلقہ ڈالتا ہے جو ابتدائی سرمائے کی جمع کی نمائندگی کرتے ہیں۔ بہ الفاظ دگر معاشی ارتقا کی نسبتاً زیادہ پختہ منزل میں امداد باہمی کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کے اندر سماجی تضادات بھی بدستور نمودار ہوتے اور گہرے ہوتے جاتے ہیں۔ آج کل کے ہندستانی دیہات میں ایسی نزاعات کی نشو ونما، جس میں امداد باہمی کی ترقی سے تیزی آجاتی ہے، اس جدوجہد کا اظہار ہوتی ہے جو چھوٹے پیمانے پر (جس میں چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت بھی شامل ہے) پیداوار کرنے والا نجی ملکیت کی استحصال جائداد کے خلاف کرتا ہے جو کھلے بندوں اجارہ داری کے روپ میں اس کی مخالفت کرتی ہے۔

ہندستانی دیہات میں نئے ادارے، جو حکومت کی سماجی و معاشی پالیسی کے نتیجے میں نمودار ہو رہے ہیں، زرعی ٹکنالوجی کو جدید کرنے کے وسیلے کی حیثیت سے روز افزوں اہمیت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ پہلے کمیونیٹی ترقیات پروجیکٹوں اور بعد میں موجودہ صدی کی ساتویں دہائی میں، امداد باہمی نے پیداوار کے جدید وسائل کا خاصا حصہ دیہات میں مرکوز اور تقسیم کیا۔ 66-1965 میں ہندستانی زراعت میں جتنی مادی اشیا کی کھپت ہوئی ان کا 6 فیصدی حصہ امداد باہمی کی انجمنوں کے ذریعے پہنچا (معدنی کھادیں، بیج، وغیرہ)۔ آٹھویں دہائی کے شروع میں یہ فی صد تناسب نمایاں طور پر بڑھ گیا۔

موجودہ معاشی نظام کا کردار زراعت میں ٹکنیکی جدتیں جاری کرنے کی سماجی نوعیت متعین کرتا ہے۔ آج کل ٹکنیکی ترقی سے زرعی پیداوار کرنے والوں، سب سے پہلے مال دار مالکان زمین کے نسبتاً تنگ حلقے کو فائدہ پہنچ رہا ہے۔ بہت سے کاشتکار اس ترقی سے مستفید نہیں ہو پاتے کیونکہ شدت کے ساتھ سرمایہ لگا کر کاشتکاری کرنے کی جانب عبور کے لئے ان کے پاس ضروری سہولتیں موجود نہیں ہیں۔ علاوہ ازیں، بیشتر کسانوں کے پاس جو معمولی سی جمع ہے بھی اسے دیہات کی برادری کے وہ حلقے بڑی حد تک دوسری طرف منتقل کر دیتے ہیں جو پرانی زرعی تشکیلوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔

نئے دیہی اداروں میں دیہات کے چیدہ لوگوں نے کلیدی عہدوں پر قبضہ جما لیا ہے۔ اس کی بدولت انہوں نے دیہات میں پہنچنے والے جدید ذرائع پیداوار کے غیر متناسب بڑے حصے کو اپنے اختیار

میں لے لیا ہے۔ ایسے حالات میں جہاں جدید ترین ذرائع پیداوار کی طلب (قطعی مقدار کے اعتبار سے خواہ یہ کتنی ہی خفیف کیوں نہ ہو) رسد سے زیادہ ہے (کم از کم آٹھویں دہائی کے ابتدائی زمانے تک یہ صورت حال عام تھی) ٹکنیکی ترقی کی ان سطحوں کا جو ایک طرف تو دیہات کے چیدہ لوگوں نے اور دوسری پیداوار کرنے والے دوسرے لوگوں نے حاصل کر لی ہیں، فرق بڑھ رہا ہے۔ اس کے ساتھ ہی کاشتکاروں کے بالائی حلقے کو ہی جو جدید ذرائع پیداوار کا صارف ہوتا ہے، حکومت کی اس پالیسی سے خاص فائدہ پہنچتا ہے جو اس نے ذرائع پیداوار کی قیمتیں کم رکھنے کے لئے اپنائی ہے۔

پیداوار کے جدید ترین وسائل کی تقسیم کی نوعیت سے پیدا ہونے والا تضاد اس خراب اثر سے اور بھی زیادہ شدید ہو جاتا ہے جو اس تقسیم پر طفیلی اور سٹے باز سرمائے ڈالتا ہے۔ ساتویں دہائی کے شروع سے یہ خاص طور پر نمایاں ہے۔ زراعت کے ذرائع پیداوار کی لاگت مصنوعی طور پر نہایت غیر معمولی اونچی سطح پر رکھنے سے جمع میں رکاوٹ پڑتی ہے اور نئی ٹکنیکی بنیاد پر، خصوصاً پیداوار کرنے والے ''عام لوگوں'' کے گروہوں میں، توسیع شدہ تجدید پیداوار کے لئے دقتیں پیدا ہوتی ہیں۔

جیسا کہ پروفیسر مرحوم ڈی۔ آر۔ گاڈگیل نے اور ریزرو بینک آف انڈیا کے لئے کام کرنے والے ماہروں نے کہا ہے، ذات برادری کے نزاعات نئے دیہی اداروں کی کاٹ کر رہے ہیں۔ علاوہ ازیں پھیلتی ہوئی دفتر شاہی ان کی کارگزار سرگرمیوں میں رکاوٹ ڈال رہی ہے۔

ہندستان کی زرعی معیشت نے جنگ کے بعد کے زمانے میں بحیثیت مجموعی جو ارتقائی منزلیں طے کی ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تعداد کے اعتبار سے زیادہ لوگ چھوٹے پیمانے کی پیداوار میں لگے ہوئے ہیں اور حکومت کی سرمایہ کاریوں تک اس کی رسائی نہیں ہے اور اس میں تجدید پیداوار کم و بیش روایتی ٹکنیکی بنیاد پر منجمد ہو کر رہ گئی ہے۔ نئے سماجی و معاشی ادارے اب بھی تنگ دائرے میں مصروف عمل ہیں اور بحیثیت مجموعی اس پیداوار کی ضرورتیں پوری کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اس صورت حال نے دیہات میں حکومت کی سماجی و معاشی پالیسی تبدیل کرنے کے فوری اقدامات کی ضرورت مقدم کر دی ہے۔ موجودہ صدی کی ساتویں دہائی کے اواخر اور آٹھویں دہائی کی ابتدا میں متعدد مخصوص تنظیمیں (خاص طور سے ''چھوٹے کاشتکاروں کی ترقی کی تنظیم'') قائم ہوئیں تاکہ چھوٹے پیمانے پر پیداوار کرنے والوں کو سہارا ملے۔

ملک کے بڑے بڑے بینکوں کو قومیا لینے سے توقع ہے کہ زراعت میں تجدید پیداوار کا ماحول، جس میں چھوٹے پیمانے پر پیدا کرنے والوں کا حلقہ بھی شامل ہے، بہتر ہونے میں خاص طور سے مدد ملے گی۔ انڈین نیشنل کانگرس کے بمبئی کے اجلاس منعقدہ دسمبر 1969 میں منظور شدہ ایک قرارداد کے بموجب بحیثیت مجموعی دیہات کو اور خاص طور سے ''چھوٹے مالکان زمین'' کو قومیائے بینکوں سے قرضوں کا خاصا بڑا حصہ ملے گا۔ درحقیقت ہوا بھی یہی کہ قومیائے ہوئے بینکوں نے زراعتی پیداوار کرنے والوں کو 1970 براہ راست جو قرضے دئے ان کا حصہ بڑھ کر 4.07 فیصدی ہو گیا جو 1969 میں 1.26 فیصدی تھا۔

آنے والی تبدیلی کے سماجی و معاشی معنے صاف ہیں۔ اس کا مقصد براہ راست پیداوار کرنے والوں کی معیشت کی توسیع کی رفتار مزید بڑھانا اور ساتھ ہی ان کی سماجی تبدیلی میں ریاستی ملکیت کے کردار کا اضافہ کرنا ہے۔ یہ مقصد کس حد تک پورا ہو سکے گا اس کا بڑی حد تک انحصار اس بات پر ہے کہ نئی پالیسی کو دیہات کے چیدہ لوگوں کے ہاتھوں جو پوری مقامی ریاستی مشینری پر اب بھی بڑا اثر و اقتدار رکھتے ہیں، تخریب سے کس حد تک محفوظ رکھا جا سکے گا۔

علاقائی ترقی کے کچھ متناقضات

پرانی زرعی تشکیلوں کے کٹاؤ اور نئی تشکیلوں کے قیام کی ہندستان میں خصوصیت یہ ہے کہ ان میں علاقائی فرق موجود ہے۔ سماجی و معاشی ماحول میں علاقائی مختلف صورتیں جو بڑی حد تک سابقہ تواریخی واقعات کا نتیجہ ہیں زرعی ارتقا پر اس اعتبار سے اثر انداز ہوتی ہیں کہ کچھ علاقے تو آگے بڑھ جاتے ہیں جب کہ دوسرے علاقے جو زیادہ پسماندہ ہوتے ہیں بہت سست رفتار سے ترقی کرتے ہیں اور پھر ایسے بھی علاقے ہیں جو پچھڑے رہ گئے ہیں اور وہاں جمود طاری ہے۔

وزارت غذا و زراعت نے ایسے اعداد و شمار جمع کئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ 53-1952 اور 65-1964 کے درمیان مختلف پردیشوں میں فصل کی پیداوار میں اضافے کی شرحیں کیا رہیں۔ مندرجہ ذیل نقشہ سامنے آیا (فی صد) 55:

پنجاب..... 4.56	آندھرا پردیش..... 2.71

گجرات.....4.55	مدہیہ پردیش.....249
مدراس.....4.17	اڑیسہ.....2.48
میسور.....3.54	کیرالا.....2.27
بہار.....2.93	مغربی بنگال.....1.94
مہاراشٹر.....2.93	اتر پردیش.....1.66
راجستھان.....274	آسام.....1.17
کل ہند 3.01	

یہ اعداد وشمار اور دیہی قرضہ اور سرمایہ کاری کا جائزہ جو 62-1961 میں ریزرو بینک آف انڈیا نے لیا تھا پورے ہندستان میں زرعی ترقی کا غیر مساوی نمونہ پیش کرتے ہیں۔ جن پردیشوں کا جائزہ لیا گیا تھا ان کو تین زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: زرعی ترقی بلند، اوسط اور نچلی سطح والے. دوسرے اور تیسرے زمروں میں ہم دو ذیلی زمروں کو دیکھ سکتے ہیں جو امتیازی خصوصیات کے حامل ہیں۔ پہلے زمرے میں پنجاب اور گجراب شامل میں، دوسرے میں ___ مدراس، میسور، راجستھان (ذیلی زمرہ ا) اور آندھرا پردیش، مہاراشٹر، اتر پردیش (ذیلی زمرہ ب)، تیسرے میں ___ مغربی بنگال آسام، کیرالا (ذیلی زمرہ ا) مدہیہ پردیش، بہار، جموں اور کشمیر، اڑیسہ (ذیلی زمرہ ب)۔

پردیشوں کے ان زمروں میں سب سے پہلے تو کسانوں میں انتشار کے درجے اور کاشتکار کنبوں کے بنیادی گروہوں کو مہیا بہبودی کے وسائل کی مقدار کا فرق ہے۔ اول تو سرمایہ دارانہ ترقی کی رجعت پرست وضع کے حاوی رجحان کے باوجود جس نے کسانوں میں انتشار پیدا ہونے کی رفتار سست کر دی، ساتویں دہائی میں بھی ایسے علاقے موجود تھے جہاں متوسط کاشتکاروں کے ایسے خاصے حلقے موجود تھے جن کے ہاں فصل کی کاشت سے مجموعی سالانہ آمدنی ایک ہزار اور تین ہزار روپے کے درمیان تھی۔ ریاستوں کے پہلے زمرے میں ایسے کاشتکار زرعی پیداوار کرنے والوں کی مجموعی تعداد میں تہائی سے لے کر (گجرات) پانچ میں سے دو حصوں تک تھے (پنجاب)۔ اس کے مقابلے میں سارے ہندستان کا بھی اوسط 22 فیصدی ہے۔ ان علاقوں میں مال دار کاشتکاروں کا بھی وسیع حلقہ موجود ہے جن کی فصلوں سے

حاصل ہونے والی آمدنی تین ہزار روپے سے زیادہ ہوتی ہے۔ایسے کاشتکار گجرات میں کل کا 12 فیصدی ہیں اور پنجاب میں 23 فیصدی (اس لئے مقابلے میں اوسط 5 فیصدی سے بھی کم آتا ہے)۔اس لئے ان پردیشوں میں ایسے کھیتوں کی تعداد نسبتاً زیاد ہے جو اس حالت میں ہیں کہ توسیع شدہ تجدید پیداوار جاری رکھ سکیں۔دوسرے، وہ علاقے نمایاں نظر آتے ہیں جن میں سماجی قطبینی ارتکاز شدید ہو گیا ہے۔وہاں مال دار کاشتکاروں کا نسبتاً خاصا بڑا حلقہ موجود ہے (کل کا 6 سے 7 فیصدی تک) جو عموماً بڑے مالکان زمین میں سے آتے ہیں اور نسبتاً چھوٹا گروہ متوسط کسانوں کا ہوتا ہے (اس کا تناسب قریب قریب قومی اوسط کے برابر ہے)۔اس کے ساتھ ہی ساتھ ان پردیشوں میں پیداوار کرنے والوں کے نچلے گروہوں میں کنگالوں کا خاصا بڑا تناسب ہے (پردیشوں کا دوسرا گروہ جس میں مدراس، آندھرا پردیش اور میسور شامل ہیں)۔آخر میں بعض علاقے ایسے ہیں جہاں کسانوں میں انتشار کی بدترین صورتوں کا قریب قریب مکمل غلبہ ہے۔ان علاقوں میں جو سماجی و معاشی دیہی انتظام غالب ہے وہ زرعی پیداوار کرنے والے کنگالوں کی کثیر تعداد پیدا کرتا ہے (یہ عمل پردیشوں کے تیسرے زمرے کے ذیلی زمرے ''ب'' میں خاص طور شدید ہے)۔ان پردیشوں میں جہاں زرعی ترقی کی سطح پست ہے ابتدائی زرعی پرولتاریہ کا تناسب بہت ہی بلند ہے۔

اس سلسلے میں ہر دیہی کنبے کی مجموعی آمدنی میں اجرتوں کے حصے کے متعلق جو اعداد و شمار دستیاب ہیں وہ خاصی دلچسپی کے حامل ہیں۔مندرجہ ذیل نقشہ ابھر کر سامنے آتا ہے (1961-1962، فی صد)[56]:

کیرالا.....36.8	آندھرا پردیش.....20.6
مغربی بنگال.....35.2	مدہیہ پردیش.....20.5
اڑیسہ.....33.6	میسور.....17.7
آسام.....26.4	گجرات.....17.7
مہاراشٹر.....24.9	اتر پردیش.....14.0
بہار.....23.6	راجستھان.....12.1

مدراس.....22.6	پنجاب.....10.8
جموں وکشمیر.....21.1	
کل ہند 20.7	

مندرجہ بالا اعداد وشمار کثیر تشکیلی زرعی معیشت کی اہم خصوصیات کی تصدیق کرتے ہیں۔ وہ یہ ہیں کہ کوئی علاقہ جتنا کم ترقی یافتہ ہوگا اور کسان معیشت جتنی کمزور ہوگی ناداری کا عنصر اتنا ہی زیادہ طاقتور ہوگا جس کی شکل ابتدائی زرعی پرولتاریہ کی کثیر تعداد ہوگی جو نہ کوئی فاضل اشیا پیدا کرتا ہے اور نہ اس کے پاس خود اپنے گزارے کے لئے کافی ذرائع موجود ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس ریاستوں کے پہلے زمرے میں اور کسی حد تک راجستھان میں جہاں دوسرے علاقوں کی بہ نسبت کسانوں میں تفریق بڑی حد تک عام نمونے کے کم وبیش برابر پہنچتی ہے اور جہاں کاشت کرنے والا کسان اوسط سے زیادہ خود مختار ہے، اجرتی محنت کے لئے کھیتوں کی اصل ضرورتوں اور باہر سے لگائی ہوئی محنت کی مقدار کے تعلق باہمی بہتر ہے۔

دیہات میں معاشی قلب کی حیثیت رکھنے والے حلقے کی خوش حالی کی سطح اور زرعی پیداوار میں اضافے کی شرح کے درمیان مضبوط تعلق ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اضافے کی شرحوں میں فرق کسی خاص پردیش میں جنس تجارت پیدا کرنے والوں کی ارتقائی منزل سے براہ راست متعلق نہیں ہوتا۔ بہ الفاظ دگر کسی خاص علاقے میں زراعت کی معاشی ترقی اتنی ہی تیز رفتار ہوتی ہے جتنی زیادہ تعداد میں کنبوں کا انتظام سادہ تجدید پیداوار کی سطح سے بلند تر سطح پر ہوتا ہے۔ کرداری خصوصیت کی حامل بات یہ ہے کہ کسی خاص علاقے میں عام طور پر زرعی پیداوار میں اضافے کی شرحیں وہاں لگائے جانے والے باہر کے مزدوروں کی حد کی نسبت معکوس میں ہوتی ہیں۔ اس سے کم ترقی یافتہ پردیشوں میں اپنی قوت محنت فروخت کرنے والوں میں زرعی ابتدائی پرولتاری کنگالوں کا واضح غلبہ ایک بار پھر ہو جاتا ہے۔

زرعی پیداوار میں اضافے کی شرحوں میں علاقائی فرق مستقل پیداواری فنڈوں میں سرمایہ کاری کے پیمانے میں فرق سے منسوب کیا جا سکتا ہے۔ ان علاقوں میں جہاں ان پیداوار کرنے والوں کا حلقہ کثیر تعداد پر مشتمل ہے جن کو اپنے کنبے کے اراکین کی قوت محنت کی تجدید کی ضروریات سے زیادہ آمدنی ہوتی ہے، عام طور پر ایسے کھیتوں میں کا حصہ زیادہ ہوتا ہے جن میں توسیع شدہ تجدید پیداوار جاری رکھنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

دیہات کے مالدار حلقوں کے تناسب میں بھی علاقائی فرق دیکھنے میں آتا ہے۔ اگر ہم دیہات کے صرف سب سے اوپر کے حلقے کو لیں جو کاشتکاری کے سارے کام خود انجام دیتا ہے تو پتہ چلے گا کہ مال دار کاشتکاروں کا سب سے بڑا حلقہ رعیت واری علاقوں میں ملتا ہے جہاں برطانوی استعماریت پسندوں نے نجی ملکیت کے حقوق گاؤں کی برادری کے محصول دینے والے کنبوں کو دے دئے تھے (رعیت)۔ اس کے برعکس پیداوار کرنے والوں کا یہ حلقہ سابقہ زمینداری کے علاقوں میں عام طور سے معاشی اعتبار سے نسبتاً زیادہ کمزور ہے جہاں استعماری اقتدار سے پہلے کے سماج کی برادری کے حلقے سے باہر کا جاگیری (اور بعد میں مہاجنی) بالائی حلقے سب سے بڑے مالکان زمین بن گئے تھے اور جہاں براہ راست پیداوار کرنے والوں کے معاملے میں زمین کی نجی ملکیت کے حقوق کا قیام (جن کا نوآبادیاتی اقتدار کے دور میں جبری تصرف کی گیا تھا) ایک طویل عمل رہا اور بعض صورتوں میں تو آج تک نامکمل ہے۔ مثلاً اتر پردیش میں سرداروں کو دیکھئے جو کل مزروعہ زمین کے تقریباً دو تہائی حصے کے مالک ہیں۔ بحیثیت مجموعی پورے ہندستان میں ایسے خوش حال کاشتکار جن کی آمدنی فصلوں کی کاشت سے 3000 روپے سالانہ سے زیادہ ہے کل دیہی کنبوں میں محض 3.6 فیصدی ہیں۔ دوسری طرف مہاراشٹر کے علاوہ باقی رعیت واری علاقوں میں ان کا تناسب 4 سے 8 فیصدی تک پہنچ جاتا ہے اور پنجاب میں 14 فیصدی تک، جب کہ زمینداری علاقوں میں یہ محض ایک سے 3 فیصدی تک ہے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ گاؤں کی برادری کے اندر مالدار کاشتکاروں کے حلقوں کی نسبتی جسامت اور زمین کی نجی ملکیت کی ترقی کی سطح کے درمیان کافی واضح تعلق ہے۔ اس تعلق کی سماجی و معاشی بنیاد یہ حقیقت ہے کہ براہ راست پیداوار کرنے والے کی زمینی ملکیت کے حقوق وسیع پیمانے پر نسبتاً پہلے قائم ہو جانے سے (اگرچہ ان کی شکل مسخ شدہ تھی) صاحب جائداد لوگوں کے لئے انہیں اس ملکیت سے بے دخل کرنے اور کسانوں کی زمین کو ہتھیانے کے مواقع زمینداری علاقوں کی بہ نسبت رعیت واری علاقوں میں کہیں پہلے فراہم ہو گئے تھے۔ رعیت واری علاقوں میں مالکان زمین نے بے دخلیاں کی تھیں۔ وہاں انہوں نے مہاجنوں سے مل کر زمینداری کے علاقوں کی بہ نسبت بڑے بڑے کھیتوں کو ترقی دینا کہیں پہلے شروع کر دیا تھا۔

آخر میں دیہات کے چیدہ لوگوں کی معاشی سرگرمیوں کی نوعیت میں علاقائی فرق کا بھی ذکر کرنا

ضروری ہے۔اس فرق کو اگر بحیثیت مجموعی دیکھا جائے تو وہ ان سرگرمیوں کی سرمایہ دارانہ پختگی کی منزلوں کی عکاسی کرتا ہے۔بعض ترقی یافتہ علاقوں خصوصاً پنجاب میں اور گجرات کے کچھ حصوں میں خاصی مختلف نوعیت کی سرگرمیوں کے دائرے میں دیہات کے چیدہ لوگوں میں معاشی امتیاز کا رجحان پیدا ہو گیا ہے۔ اس کے نتیجے میں پیداوار کرنے والوں کے ایسے گروہ بن گئے ہیں جو ابتدائی جمع کا دور پورا کر کے سرمایہ دارانہ پیداوار کی بنیاد پر جمع کے دور میں داخل ہو رہے ہیں۔

زرعی اور شہری سرمایہ داری۔ معاشی اتصال کی موجودہ منزل کے حالات سرمائے کی نقل وحرکت

کثیر تشکیلی معیشت میں سرمائے کی نقل وحرکت کے مسئلے کے کئی پہلو ہیں۔سب سے پہلے ہمیں مختلف شعبوں کے درمیان سرمائے کی نقل وحرکت نظر آتی ہے جو اوسط شرح منافع کے قانون نے شروع کی اور قابو میں رکھتی ہے۔دوسرے، مختلف تشکیلون کے درمیان سرمائے کی نقل وحرکت جاری ہے جس کی مثال جمع پونجی کی اس ازسرنو تقسیم سے ملتی ہے جو پیداواری اور مختلف غیر پیداواری حلقوں کے درمیان ہوتی ہے۔

اس صدی کی ساتویں دہائی میں ہندستان کے دیہات کے معاشی حالات سے پتہ چلتا ہے کہ نجی سرمایہ داری کا آج کل کا قرضہ جاتی اور مالیاتی نظام جو قومی جمع کو برسرکار لگانے کا ایک کارگر وسیلہ ہوتا ہے، اب تک ہندستان کی زراعت میں کوئی اہم کامیابی حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے۔مثلاً آٹھویں دہائی کے آغاز میں نجی اور سرکاری سیکٹروں کے قرضہ جاتی اور مالیاتی نظام نے اس فاضل پیداوار کا (جس میں لگان، قرض دینے والے کا سود اور سرمایہ دارانہ منافع شامل ہے) جس پر زیادہ مالدار دیہی حلقوں نے قبضہ کر لیا تھا، محض 4 سے 7 فیصدی تک حاصل کیا۔اس کے ساتھ ہی نقد جمع کی جو مقدار نجی سیکٹر کے قرضہ جاتی اداروں کے ذریعے زراعت کے فائدے کے لئے ازسرنو تقسیم ہوئی وہ بے انتہا قلیل ہے۔ چنانچہ 1968 میں (یعنی بڑے بڑے بینکوں کے قومیائے جانے سے فوراً پہلے) نجی تجارتی بینکوں نے مجموعی طور پر جتنی رقم قرض دی اس کا صرف 2.2 فیصدی حصہ کاشتکاروں کو مہیا کیا گیا جب کہ 1951 میں 2.1 فیصدی فراہم کیا گیا۔☆ دوسرے حلقوں میں جو ''منظّم'' نجی سرمایہ ہوتا ہے اس نے نہیں بلکہ حکومت نے طویل مدتی سرمایہ کاریوں کے ذریعے، امداد باہمی کے اداروں کو قرضے دے کر اور حال میں بڑے

بینکوں کے قومیائے جانے کے بعد پیداوار کرنے والوں کو انفرادی طور پر قرضے دے کر زرعی پیداوار کے لئے سرمایہ کاری کی ذمہ داری لی اور قرضے فراہم کئے۔

یہ ضرور ہے کہ پیداوار کی مختلف شاخوں کے درمیان فاضل پیداوار کی کسی قدر نقل وحرکت انفرادی صنعتوں کی سطح پر ہوتی ہے یعنی مناسب اداروں کے توسل سے سرمائے کی ابتدائی فراہمی کی منزل سے کترا کر۔ موجودہ صدی کی ساتویں دہائی کے وسط تک یہ عمل، چند مستثنات کے ساتھ، ایک ہی سمت میں جاری رہا___ زراعت سے جو جمع وصول ہوتی تھی وہ معیشت کی غیر زرعی شاخوں میں جیسے کہ صنعت اور ٹرانسپورٹ میں پہنچادی جاتی تھی۔

شاخوں کے درمیان سرمائے کی اس قسم کی نقل وحرکت کو، اگرچہ یہ انفرادی بنیاد پر ہوتی ہے، اتحاد واشتراک کی عبوری منزل کی کرداری خصوصیت تصور کیا جاسکتا ہے، ان صورتوں میں تو کی کرداری خصوصیت تصور کیا جا سکتا ہے، ان صورتوں میں تو اور بھی زیادہ جب کہ کسی خاص شاخ میں پیداواری اکائیاں قائم کی جائیں جہاں سرمایہ دارانہ ارتقا اوسط شرح منافع کے قانون کے نظم وضبط کے زیر اثر آچکا ہو اور جہاں ہر انفرادی سرمایہ کل سماجی سرمائے کے جزو لاینفک کی حیثیت رکھتا ہو۔

زراعت کے دائرے میں جو نجی جمع بنتی ہے جس میں براہ راست پیدا کرنے والے کے گزارے میں سے نکالا ہوا ایک حصہ بھی شامل ہوتا ہے، اس کا خاصا بڑا حصہ سرمایہ دارانہ بینک کاری کے اداروں سے بچ کر فراہم کیا جاتا ہے۔ یہ ڈھیر عموماً پرانے سرمائے کے وسیلوں میں مرکوز ہو جاتا ہے دیہی معیشت کے ''حلقہ سوئم'' میں (آڑھت کی تجارت اور مہاجنی) جس کا اب بھی غلبہ ہوتا ہے۔ وہاں سے جمع ان مختلف معاشی تشکیلوں میں جو شہروں اور دیہات میں موجود ہیں اور ان تشکیلوں کے مختلف ذیلی حصوں میں نیز پیداوار کے حلقوں اور مختلف غیر پیداواری حلقوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ قدرتی بات ہے کہ ایسی معیشت میں جس میں پرانی سماجی تشکیلیں نہ ٹوٹیں، پیداوار کے مفادات کی مخالف سمتوں میں آزاد سرمائے کی خودمختار نقل وحرکت زبردست پیمانے پر ہونے لگتی ہے۔

سرمایہ داری سے پہلے کے تعلقات کے حلقے میں لگائے ہوئے سرمائے سے وصول ہونے والی آمدنی کی شرح جمع سرمائے کی نقل وحرکت پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس شرح کو بڑی حد تک وہ حالات ضبط میں لاتے ہیں جو سرمایہ دارانہ طریقہ پیداوار سے غیر متعلق ہوتے ہیں۔ ان حالات میں

ہیں: سرمایہ داری سے پہلے کے تعلقات کے حلقے میں مصروف عمل مختلف سرمایوں کے درمیان رقابت، بے دخلی کا براہ راست خدشہ جو اس حلقے سے ''آزاد'' سرمائے کے فرار کا باعث ہوسکتا ہے، بینک کی رعایت کی شرح میں تبدیلیاں جو نقد وسائل شہر سے دیہات میں منتقل کرنے کو یا تو روک دیتی یا بڑھاوا دیتی ہیں، جنس تجارت کی قیمتوں میں افراط زر کا غذی کے باعث اضافہ آزاد سرمائے کو پیداواری استعمال کی جانب سے موڑ دیتا ہے۔

ضبط میں لانے کے حالات بے میل ہونے کے باعث سرمایہ داری سے پہلے کے حلقے میں آمدنی کی شرح سرمایہ دارانہ سیکٹر میں تخلیق شدہ شرح منافع سے، جہاں اسے ایک ہی سطح پر لانے کا عمل ہوتا ہے، نسبتاً بے نیاز ہوتی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر شرح آمدنی خود سرمایہ دارانہ حلقے پر عملی طور پر اثر انداز ہوسکتی ہے جو اوسط شرح منافع کے قانون کے تابع ہوتا ہے۔ اس وجہ سے شرح آمدنی ضابطہ پیدا کرنے والا ایک کارگر عنصر ہوتی ہے جو کل قومی بنیاد پر مختلف معاشی تشکیلوں کے درمیان سرمائے کی نقل وحرکت پر اثر انداز ہوتا ہے۔

آزاد جمع کی نقل وحرکت کو ضابطے میں رکھنے والی اس دوقطبی مشینری کی موجودگی عموماً ہندستانی قومی معیشت کی اور خصوصاً اس کے زرعی سیکٹر کی نشوونما میں عبوری منزل ہی کی کرداری خصوصیت ہے۔ اس منزل پر ترقی پذیر سرمایہ داری نے ڈھیروں پرانے سرمائے کو جس نے مہاجنی اور تجارت میں پناہ لی، ابھی تک تبدیل اور ماتحت نہیں کیا۔

زرعی سرمایہ داری کے جدید سیکٹر کا قیام

تواریخی اعتبار سے ہندستان میں سرمائے نے اوسط شرح منافع کے قانون کا سہارا لے کر زراعت کی محض نہایت ہی مخصوص شاخوں میں پیداوار پر کنٹرول حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی جہاں اس نے نسبتاً بڑے پیمانے کی پیداوار کی صورت اختیار کر لی تھی۔ لیکن یہ شاخیں جو بیشتر باغوں کی کاشت پر مبنی تھیں، عموماً بحیثیت مجموعی قومی معیشت سے نہیں بلکہ ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں کی معیشتوں سے متحد ومنسلک رہیں۔

اب رہی ہندستان کی باقی زراعت تو، جیسا کہ آج کل کی معاشی حقیقتوں سے واضح ہوتا ہے، اس

میں صرف اس وقت ہی کوئی ایسی نمایاں لہر اٹھتی ہے جب کہ بحیثیت مجموعی پورے ملک کی معاشی نشوونما کے سلسلے میں غیر معمولی صورت حال پیدا ہو، جو زرعی سرمایہ دارانہ تشکیل کو دیہی حلقے سے باہر کی سرمایہ داری سے اتحاد اشتراک کو بڑھاوا دے۔ اس عمل میں مدد ومعاون بعض نمایاں حالات کا نیچے ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ زرعی پیداوار میں بحران جس کے باعث اس صدی کی ساتویں دہائی کے وسط میں قومی معیشت کے تناسبات میں بڑی گڑبڑ پیدا ہوگئی تھی (اس کا اظہار غذا کی رسد میں قلت اور صنعت میں کچے مال کی موثر مانگ کی پست سطح کے باوجود اس کے فراہمی کی کمی میں ہوا)۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاخوں کی جنس تجارت کی قیمتوں کے تعلق باہمی میں اتار چڑھاؤ پیدا ہونے لگے اور قیمتوں کا توازن زرعی پیداوار کے حق میں ہوگیا۔

اگر مندرجہ ذیل ہر برس کے دوران صنعتی اشیا کی قیمتیں ایک سو مان لی جائیں تو زرعی اشیا کی قیمتوں کی تبدیلی یہ ہے[58]:

سال	ارشاریہ	سال	اشاریہ
1962-63	96	1966-67	122
1963-64	100	1967-68	133
1964-65	113	1968-69	133
1965-66	113	1969-70	136

اس مظہر کا عکس زرعی اشیا کی بحیثیت مجموعی شاخ وار قدر میں تنزل پذیر تبدیلی میں نظر آیا۔ بہ الفاظ دگر سماجی طور سے تسلیم شدہ پیداواری لاگت وہ ہوگئی جو ان کھیتوں میں آئی جن میں محنت کی کارگزاری کی سطح پہلے کی بہ نسبت پست تھی۔

۲۔ ہندستان میں معین وضع کا صنعتی مجموعہ قائم ہوگیا جس میں ملک کی زراعت کو جدید ذرائع پیداوار خاصی مناسب مقدار میں فراہم کرنے کی صلاحیت تھی اور مطلوبہ ذیلی تشکیل مرتب ہوگئی۔ ان تمام چیزوں نے زراعت کی نسبتاً بڑی ایسی اکائیوں کے نمودار ہونے اور بعد میں ترقی کرنے کے لئے تکنیکی ومعاشی

بنیاد قائم کر دی جن میں محنت کی کارگزاری کی سطح بلند ہو اور اسی مطابقت سے پیداوار کی لاگت کم آئے۔

اس طرح سماجی (کل شاخ کی) قدر اور انفرادی سرمایوں سے پیدا ہونے والی انفرادی قدروں کے درمیان فرق خاصا نمایاں طور پر بڑھ گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ''عمومی سطح'' کے کاشتکار سرمائے کی نامیاتی تشکیل کی بہ نسبت کہیں زیادہ بڑی نامیاتی تشکیل کے سرمائے زراعت کے دائرے کے اندر منافع کی خاصی بڑی مقدار اپنے قبضے میں کرنے کے لائق ہو گئے ہیں۔ بہر حال اس منافع کی زراعتی شرح بڑے پیمانے کی صنعت کی اوسط شرح منافع سے کم نہیں ہے۔ درحقیقت وہ تو موخر الذکر سے بڑھ جانے کی جانب مائل نظر آتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ (اور یہ بات خاص طور سے اہم ہے) بعض صورتوں میں یہ ''منتجہ'' سرمائے (اگرچہ بڑی مشکل سے ہی سہی) ان رکاوٹوں پر عبور حاصل کر لیتے ہیں جو زمین کی ملکیت کی اجارہ داری نے کھڑی کی ہیں۔ معاشی استعمال کے لئے زمین پٹے پر کھلی منڈی کی شرائط پر حاصل کی جاتی ہے، جیسا کہ مثلاً پنجاب میں ہوتا ہے۔ ہندستانی زراعت کو بڑھتے ہوئے انکم ٹیکس کے نظام سے عملاً سابقہ نہیں پڑا ہے جب کہ ان جدید ذرائع پیداوار کا خرچہ جو حکومت کی تنظیمیں ابھرتے ہوئے سرمایہ داروں کو مہیا کرتی ہیں، ریاستی بجٹ سے پورا کیا جاتا ہے۔ اس سے اعلیٰ نامیاتی تشکیل کے سرمایوں کو بڑی سہولت ہو جاتی ہے کہ وہ بڑے منافع ہتھیا لیں۔

اس طرح ہندستانی کی زراعت میں وہ بنیادی قائم ہو چکی ہیں جن پر سرمایہ دارانہ تشکیل میں سرمائے طلب شدت والی کاشتکاری کی ترقی (''سبز انقلاب'') کے ذریعے جدید ترین وضع کا سیکٹر تعمیر ہو۔

شدت والی کاشتکاری کی ترقی کے ساتھ ہی دیہی دائرے سے باہر کے سرمائے سے زرعی سرمائے کے بالائی حلقوں کا اتصال ایک نئے دور میں داخل ہو جاتا ہے۔ زرعی سرمائے کے بالائی حلقوں کے اندر تجدید پیداوار کا عمل دیہی برادری کی تنگ حدوں کو پار کرتے ہوئے جنس تجارت کے تبادلے کے تعلقات پر دن بدن تکیہ کرتا ہے اور بحیثیت قومی سرمائے کی تجدید پیداوار کا ایک نامیاتی عنصر بن جاتا ہے۔

ہندستان کی قومی معیشت کی موجودہ کثیر تشکیلی زرعی نوعیت کے پس منظر میں سرمائے طلب شدت والی کاشتکاری کی ترقی کے ساتھ نئے اور پرانے سماجی تضادات کا پورا ایک سلسلہ ابھرا ہے۔

تبادلے کی قدروں (اور صرف تبادلے کی قدروں) کی پیداوار پر مبنی ایک عمل کی حیثیت سے ''سبز

انقلاب'' کا سب سے پہلے اظہار ملک کی زرعی معیشت سے روایتی، خود کفالتی وضع کے تعلقات زیادہ شدت سے ختم ہو جانے میں ہوتا ہے۔ دیہات میں پیداوار کرنے والوں کے درمیان خود کفالتی تبادلے کی مختلف صورتیں روز افزوں پیمانے پر ختم ہو جاتی ہیں اور گاؤں کی برادری کے اندر استحصال کے تعلقات سے خود کفالتی وضع کی صورتیں ہٹ جاتی ہیں (مثلاً ججمانی نظام کا خاتمہ)۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ روایتی تعلقات کے نظام سے محنت کو چھٹکارا مل جاتا ہے۔ لیکن یہ آزادی بے جائداد لوگوں کی بڑی اکثریت کو ''زندہ رہنے کے لئے پرانے جاگیردارانہ انتظامات کی فراہم کی ہوئی ضمانت''59 کی باقیات سے بھی محروم کر دیتی ہے۔ برسبیل تذکرہ ہم یہ بھی عرض کر سکتے ہیں کہ ''تیسرے انقلاب'' کے نتیجے میں تصادم کی اولین صورتیں روایتی اداروں کے ٹوٹنے سے پیدا ہوتی ہیں۔ بات یہ ہے کہ دیہات کے غریب ان اداروں سے چمٹے رہتے ہیں۔ کیونکہ ان کو وہ ''سماجی تحفظات'' سمجھتے ہیں اور ''سبز انقلاب'' کے رہنماؤں کے ہاتھوں، گاؤں کی برادری میں ان مالدار گروہوں کے ہاتھوں، جو ہندستانی دیہات میں روایتی نظام مراتب پر حاوی ہوتے ہیں، اسے تباہی بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس تبدیلی کا سماجی اظہار دیہی کے طبقاتی خطوط پر متضاد سمتوں میں مرکوز ہونے میں ہوتا ہے۔ استحصال کرنے والوں اور جن کا استحصال کیا جاتا ہے دونوں کے ایک دوسرے پر منحصر ہونے کے متعلق نظریات کی جگہ ''مخالف معاشی یا طبقاتی مفادات کے متعلق نئے تصورات''60 لیتے جا رہے ہیں۔ ''سبز انقلاب'' سے گاؤں کے غریبوں کو درحقیقت فائدہ نہیں پہنچتا۔ بلکہ اس سے تو آمدنی کی تقسیم میں عدم مساوات اور بھی شدید ہو جاتی ہے۔ نجی صرفے کے سلسلے میں دیہات کے چیدہ لوگوں کے بڑھتے ہوئے معیار سے ''نمائشی تاثر'' میں شدت پیدا ہو جاتی ہے جس کا عکس استحصال کئے جانے والے لوگوں کی سماجی ذہنیت میں نظر آتا ہے جو خود اپنے مصارف کے انداز میں بنیادی تبدیلیاں شروع کرنا ضروری سمجھنے لگتے ہیں۔ چنانچہ بے جائداد لوگوں کے سماجی طرز عمل میں نئی خصوصیات نمایاں ہو گئی ہیں۔ روایتی نجی مصارف کا انداز زندگی کی ان قدیم اور فرسودہ تمناؤں سے مقرر ہوتا ہے جن کی تشکیل تاریخ نے کی تھی اور جو مقدار اور انواع دونوں میں محدود ہوتی ہیں۔ یہ اکثر اجتماعی تصرف کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور دولت اور مفلسی کے درمیان فرق کو چھپانے کا کام دیتا ہے۔ ''سبز انقلاب'' نے اس فرق کو زندگی کی نئی تمناؤں کی تشکیل کر کے ظاہر کیا اور مختلف گروہوں کی آمدنیوں میں نسبتی عدم مساوات میں شدت پیدا کر کے وہ اسے بڑھاتا

ہے۔ان معنوں میں یہ ''بڑھتی ہوئی توقعات کا انقلاب'' ہے۔

فاضل پیداوار کو سرمائے میں تبدیل کرنے کی بنیاد پر آمدنیوں میں تیزی سے اضافے کا باعث ہونے والے عمل کی حیثیت سے ''سبز انقلاب'' روایتی کسانوں کو اپنی زمین سے علیحدہ کرنے کی رفتار میں اضافہ کرتا ہے۔ منتقل ہونے کا یہ عمل بیک وقت کئی سمتوں میں جاری ہے۔ روایتی طریقوں سے پیدا کرنے والے چھوٹے کاشتکاروں اور جدید ٹکنالوجی سے استفادہ کرنے والے کاشتکاروں کی محنت کی کارگزاری کی سطح میں فرق برابر بڑھتا جارہا ہے (آخر تجزیے میں اس کا اظہار بڑے پیمانے کے جدید فارموں پر آمدنیوں میں تیزی سے اضافے میں ہوتا ہے)۔نتیجہ یہ ہے کہ زمین کے لگان کی شرحوں کا تعین جدید طریقوں سے کاشت کی جانے والی بہترین زمین کی صلاحیت پیداوار کی سطح سے روز افزوں پیمانے پر کیا جانے لگا ہے۔ مثلاً پنجاب میں بٹائی کے پٹوں کے لئے لگان کی شرح اب بڑھ کر فصل کی مجموعی پیداوار کے 70 فیصدی تک ہوگئی ہے جب کہ پہلے 50 فیصدی تھی۔ بہ الفاظ دگر ''سبز انقلاب'' کے علاقوں میں پٹے پر زمین دینے کی دوڑ میں پیداوار کرنے والے مال داروں کو دیہات کے غریبوں پر فوقیت حاصل ہے۔ ہر جگہ زمین کے بڑھتے ہوئے لگانوں (اور اس کے نتیجے میں زمین کی بڑھتی ہوئی قیمتوں) سے زمین بے جائداد لوگوں اور غریب کسانوں کی دسترس سے باہر ہو جاتی ہے۔اس کے ساتھ ہی چھوٹے کسانوں کو جائداد سے بے دخل کیا جارہا ہے (فی الحال مانحتی کے تعلقات کی مشینری کے ذریعے) جب کہ بڑے بڑے مالکان چھوٹے لگان داروں کو اپنی زمینوں سے دن بدن زیادہ کثیر تعداد میں نکال رہے ہیں۔اس طرح جنس تجارت کی پیداوار کے قوانین کی تعمیل کی نہیں بلکہ قانون قدر سے پہلے کے تعلقات کی بنیاد پر زمینوں کو خالی کرا کے نوخیز معقول پسند سرمایہ دارانہ کاشتکاری بتدریج قدم جم رہی ہے۔ بہ الفاظ دگر نہایت سست رفتاری سے ارتقائی منزلیں طے کرتے ہوئے سرمائے کے اپنی ترقی کے پختگی کے دور میں داخل ہونے کا عمل، جس کے تحت سماجی پیداوار میں اوپر سے نیچے تک بنیادی تبدیلی پیدا ہوتی ہے، ان طریقوں پر مبنی ہے جو سرمایہ داری کی نشوونما میں قدامت پرست رجحان کا خاصہ ہوتے ہیں۔

بحیثیت مجموعی پوری روایتی تشکیل کا شیرازہ منتشر ہونے اور خاص طور پر زمین خالی کرانے سے جو شدید مسئلہ پیدا ہو گیا ہے اس کے سبب اس حقیقت میں مضمر ہے کہ محنت کرنے کے حالات سے دیہی

آبادی کی ''نجات'' کے ساتھ ساتھ یہ نہیں ہوا کہ وہ ایسے اجرتی مزدوروں میں تبدیل ہو گئے ہوں جو سرمایہ داروں کی ملازمت کرتے ہوں۔ اپنی موجودہ منزل میں ''سبز انقلاب'' مزروعہ زمین کی فی اکائی صلاحیت پیداوار میں خاصے بڑے اضافے کے باعث باہر سے مزور حاصل کرنے کی مانگ میں اضافہ کرتا ہے۔ لیکن اس عمل کے ساتھ ہی یہ رجحان بھی بڑھ رہا ہے کہ زراعت میں محنت بچانے والی مشینوں کے استعمال کے رواج کے ساتھ زندہ محنت کو ہٹا دیا جائے۔ اور اگر چہ ان دو متضاد اثرات کا ملا جلا نتیجہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ باہر کے مزدوروں کی ملازمت میں اضافہ ہو جاتا ہے، مگر اس اضافے کی مقدار کو مدت محنت میں تبدیل کر دیا جائے تو آج دیہات کی ''زائد'' آبادی کے پاس جتنی بے کار مدت محنت ہے اس کا وہ نہایت ہی قلیل حصہ ہے۔ شدت والی کاشتکاری میں زرعی مشینوں کے استعمال کے رواج سے جو ''خود بخود نمو'' کے مرحلے میں داخل ہو رہا ہے، زندہ محنت کا زرعی پیداوار سے عنقریب مستقبل میں اخراج خاصے بڑے تناسب میں شروع ہو جائے گا۔

اپنی سرمایہ دارانہ شکل میں ''سبز انقلاب'' وسیع پیمانے پر اجرتی مزدوروں کی تعداد میں اتنا نہیں جتنا کنگالوں کی تعداد میں اضافہ کرتا ہے۔ وہ دیہات میں رہنے والے لوگوں کو، جو ٹوٹتے ہوئے روایتی تعلقات سے علیحدہ ہو جاتے ہیں، دیہات میں چھوٹی اور بہت ہی چھوٹی پیداوار کے الگ تھلگ گروھوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گاؤں کی آبادی میں ''زائد'' قوت محنت کی افراط میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی شہر کی محنت کی افراط میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی شہر کی جانب بے آسرا لوگوں کثیر تعداد کا کوچ شروع ہونے کا راستہ ہموار ہو جاتا ہے، جو شہری خستہ حال پرولتاریہ کے جم غفیر میں شامل ہو جاتے ہیں۔

موجودہ ہندستانی دیہات کے سماجی حالات میں ''سبز انقلاب'' صرف ''ٹکڑی'' کی ترقی کی شکل میں ہی ہو سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اسے سہارا دینے والی فاضل پیداوار کی کاشتکاری محدود پیمانے پر قائم ہے بلکہ یہ ہے کہ جنس تجارت کی طرز کی تجدید پیداوار کے ترقی پذیر ارتقا میں اس لئے رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے کہ ہندستان کی زرعی معیشت میں تعلقات کے ''عمودی'' نظام کا وسیع پیمانے پر پھیلاؤ ہو گیا ہے۔ یہ بات چھوٹے پیمانے پر پیداوار کرنے والے وسیع سیکٹر پر خاص طور سے صادق آتی ہے۔ ''ٹکڑی'' میں ترقی کے نمونے کا باعث یہ حقیقت بھی ہے کہ ہندستان کے بہت سے علاقوں میں جنس تجارت کے

تعلقات اور جنس تجارت کا تبادلے کی جو وضع ''انقلاب'' شروع کرنے کے لئے لازمی ہے وہ ابھی تک پیدا نہیں ہوئی ہے اور دیہی محنت کش آبادی کو ابھی مطلوبہ زرعی معاشیاتی معلومات حاصل نہیں ہوئی ہیں اور پیداواری ہنرمندی اور صلاحیت نہیں آئی ہے۔

اس وجہ سے ہندستان کے ان علاقوں میں اور اس کی زرعی معیشت کے ان سماجی سیکٹروں میں ''سبز انقلاب'' کی نشوونما کا موقع ہے جنہیں اسے شروع کرنے کے لئے ضرورت کے کم از کم معاشی لوازمات میسر ہیں۔ لیکن طویل مدتی تواریخی امکانات کے دائرے کے اندر بھی (اگر گہری زرعی تبدیلیاں نہیں لائی گئیں تو) ''سبز انقلاب'' کا سماجی و معاشی محاذ قدرے تنگ ہی رہے گا۔ ''سبز انقلاب'' کے زیر اثر ہندستان میں آئندہ کے زرعی نظام کے بنیادی تشکیلی عناصر کم وبیش واضح طور پر نمایاں ہو رہے ہیں۔ ان عناصر میں سرمایہ دارانہ پیداوار کی نسبتاً محدود وہ ''ٹکڑیاں'' بھی شامل ہیں جو اپنے ٹکنیکی ساز وسامان کو جدید کرنے اور محنت کی کارگزاری بڑھانے کی صلاحیت رکھتی ہیں، جو منڈی میں قابل فروخت زرعی پیداوار کا بڑا حصہ فراہم کر رہی ہیں۔ وہ زرعی ترقی کے محرک ''مزکز'' کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ترازو کے دوسرے پلڑے میں زرعی ''گھیر'' ہے جس کا بدترین طریقوں سے استحصال کیا جاتا ہے، بے دخل کر کے خود نچوڑ لیا جاتا ہے۔ وہ ''گھیر'' جو چھوٹے اور سب سے چھوٹے کاشتکاروں پر مشتمل ہوتی ہے۔ وہ محتاجگی اور ناامیدی کا نہایت وسیع و بسیط خزانہ اور سرمایہ داروں کے لئے سستے اجرتی کا لازوال سرچشمہ بھی ہوتی ہے۔

زرعی سرمایہ داری کے اعلیٰ پیداوار دینے والے سیکٹر کی ترقی میں بے پناہ قوت کی بارود بھری ہوتی ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ ہندستان میں چھوٹے پیمانے کی پیداوار پر بڑے پیمانے کی پیداوار کے حاوی ہونے کا قانون بتدریج نمایاں ہو رہا ہے۔ قانون قدر کے زیر اثر چھوٹی پیداوار کرنے والوں کے تباہ ہونے کا عمل ممکن ہے کہ عنقریب مستقبل میں بڑے پیمانے پر رونما ہونے لگے۔ یعنی اس وقت جب کہ گھریلو منڈی میں زرعی پیداوار کی رسد آہستہ آہستہ بڑتی ہوئی ادا کرنے کے قابل طلب کی سطح تک پہنچ جائے، جب اعلیٰ نامیاتی تشکیل کا سرمایہ زراعت میں کلیدی مقامات پر قبضہ کر لے، اور پھر یہ کہ جب سہارا دینے والی اونچی سرکاری قیمتیں جنہوں نے اب تک بڑے پیمانے پر اور چھوٹے پیمانے پر پیداوار کرنے والوں کے درمیان مقابلے کو روکے رکھا ہے، گھٹا دی جائیں۔

چھوٹے پیمانے پر پیداوار کرنے والوں کے سروں پر یہ خطرہ منڈلا رہا ہے۔جنس تجارت کی بھوک، زراعت کے حق میں جنس تجارت کی قیمتوں کے بدلتے ہوئے تعلقات اور اس کے ساتھ ہی کاشتکاری کی جدید ترین مشینوں اور سامان کی بڑھتی ہوئی پیداوار نے مل کر دیہات پر شہری سرمایوں کے عام حملے کے لئے زمین ہموار کر دی ہے جو زمین کے مالک انفرادی کسانوں اور گاؤں کی برادریوں کو بے دخل کر کے ہی دیہی علاقوں میں اپنے قدم جما سکتے ہیں۔ساتویں دہائی کے آخری نصف سے ہندستان کا اجارہ دارانہ سرمایہ زراعت میں گھسنے کی کوشش کر رہا ہے۔اس یورش کی رفتار بڑھنے کے ساتھ ساتھ چھوٹے کاشتکار جو اب بھی قبل از سرمایہ داری کے تعلقات کے جوئے تلے کراہ رہے ہیں، اس نئی اور نہایت ہی زبردست قوت کا روز افزوں سامنا کریں گے۔

موجودہ صورت حال کی جدلیات کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی ترقی کے موجودہ سماجی ومعاشی نمونے میں ''سبز انقلاب''، جتنی زیادہ کامیابی کے ساتھ آگے بڑھے گا اور زرعی پیداوار بڑھانے کے فوری مسئلوں کو جتنی جلدی حل کر لے گا، دیہات میں چھوٹے پیمانے پر پیداوار کرنے والوں کے مستقبل کے متعلق اس کے باعث پیدا ہونے والے مسئلے اتنے ہی زیادہ شدید ہو جائیں گے۔

☆☆☆

''سرمائے کا سرمایہ بن جانے'' کے عمل میں مارکس نے دو مختلف تواریخی مدتیں مخصوص کی ہیں۔ ''سرمائے کا تشکیلی عمل اس سے پہلے کے سماجی طریقہ پیداوار کا عمل زوال، اس کا انتشار ہوتا ہے۔'' اس اول مدت میں سرمایہ ''ایک مختلف سماجی تشکیل کے تحلیل ہو جانے کے عمل کے نتیجے میں بننے والی گاد ہوتا ہے...خود اپنی تجدید پیداوار کا نتیجہ نہیں، جیسا کہ بعد میں ہوتا ہے۔'' اس برعکس آخری مرحلے کے دوران میں ''محنت آزاد محنت بن جاتی ہے'' اور ''اس کی شرائط اس کے مد مقابل سرمائے میں تبدیل ہو جاتی ہیں''۔ یہاں ''سرمائے کو حقیقت تسلیم کر لیا جاتا ہے اور اس کے وجود کو اور خود کار وظائف کو معروض کر لیا جاتا ہے''۔ یہ شرط اولین ''اجرتی محنت کی طرح اس کی تخلیق اور اس کی پیداوار مسلسل'' ہوتی ہے۔61

ہندستان میں زرعی سرمایہ داری جس تواریخی منزل پر پہنچ گئی ہے اس کو سمجھنے کے لئے مارکس کا یہ قول بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ایک غالب رجحان کی حیثیت سے سرمائے کے ابتدائی قیام کی شرائط آج تک خود

سرمائے سے نہیں مگر جائداد کے ان تعلقات کے عمل درآمد کے وسیلے سے جو تواریخی اعتبار سے سرمائے کی پیدائش سے پہلے موجود تھے یعنی مہاجنی اور سوداگری سرمائے کی شکل میں نقد دولت کے ذریعے، زمین کی ملکیت سے جس نے ابھی تک ''خالص معاشیاتی شکل'' اختیار نہیں کی ہے، جواب بھی اپنی تمام سابقہ سیاسی اور سماجی پردوں اور ملاوٹوں میں، .....تمام روایتی لوازمات میں'' ملفوف ہے 62 اور جو اپنا اظہار ''فرسودہ بالائی تشکیل'' 63 کی حیثیت سے کرتی ہے۔ یہی وہ ذریعہ ہے جہاں سے سرمایہ اس محنت کا بڑا حصہ حاصل کرتا ہے جس کا وہ استحصال کرتا ہے۔ علاوہ ازیں فاضل پیداوار کی وہ مقدار محدود ہوتی ہے جسے سرمایہ اپنے قبضے میں لیتا ہے (کیونکہ محنت کی پیداواری قوت جس کا زندہ محنت سے تعین ہوتا ہے، محدود ہوتی ہے)، اور اس لئے سرمائے کی توسیع شدہ تجدید پیداوار بہت بڑی حد تک غیر معاشی جبر طریقوں کے استعمال سے برقرار رکھی جاتی ہے۔ جبر کے ان طریقوں سے کام لینے سے یہ ممکن ہو جاتا ہے کہ محنت کش آبادی کو اپنے گذارے کے جو وسائل مہیا ہوتے ہیں ان کے ایک حصے کو زائد پیداوار کے فنڈ میں منتقل کر دیا جائے۔ جن معنوں میں مارکس نے کہا ہے ان معنوں میں سرمائے کی خود اپنی تجدید کی نااہلیت کا یہ دوہرا اظہار ہی واضح کرتا ہے کہ ہندستان کی زرعی معیشت کا ارتقا ابھی تک اپنی ابتدائی منزل میں ہے۔ سرمایہ داری کی اسی سے مطابقت رکھنے والی سماجی شکل کو لینن نے ''نیم جاگیردارانہ سرمایہ داری'' 64 کہا تھا جس کی کرداری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ''پرانے'' طریقہ پیداوار کے خدوخال کو ''نئے'' سرمایہ دارانہ ترتیب کے لئے مناسب کر لیا جاتا ہے۔ یہی اس قسم کی سرمایہ داری ہے جہاں حاکمی و محکومی کے پرانے، غیر معاشی تعلقات نئے ماحول کے مطابق موزوں کئے جاتے ہیں۔

پچھلے چند سال سے ہندستان کا زرعی سرمایہ ''سبز انقلاب'' کو اس غرض سے استعمال کرنے کی کوشش کر رہا ہے کہ ان حالات کے ''برائی کے چکر'' سے باہر نکل آئے جو حسب معمول معاشی تعلقات کے ذریعے سرمائے کی توسیع شدہ تجدید پیداوار میں مانع ہے۔ لیکن اگر وہ کچھ علاقوں میں کامیاب بھی ہو جائے تو یہ کامیابی اسے ریاست کی پرزور تائید سے ہی حاصل ہو سکتی ہے جس کی ملکیت سرمایہ دارانہ زرعی ترقی کو قابو میں رکھنے کا وسیلہ اور، امکانی طور پر، اسے محدود کرنے کا عنصر بن جاتی ہے۔

شدید زرعی تضادات کے پورے ایک سلسلے کو حل کرنے کی طبقاتی جدوجہد کے دوران میں دو بنیادی رجحانات ابھر کر سامنے آئے۔ پہلا تو یہ ہے کہ متعدد معاشی حلقوں میں نجی سیکٹر کے وظائف کی جگہ

حکومت کے اداروں کے وظائف کو دے دی جائے اور اس سے نسبتاً کم حد تک، نجی طور پر استحصال کرنے والے کی ملکیت کو ریاستی ملکیت میں تبدیل کر دیا جائے۔ دوسرا رجحان یہ ہے کہ جمہوری تحریکوں کے دباؤ کے تحت نجی ملکیت کا خاتمہ کر دیا جائے۔ اس اعتبار سے وہ تبدیلیاں جو اس صدی کی ساتویں دہائی کے اواخر اور آٹھویں دہائی کے شروع میں ہندستان کی سماجی و معاشی زندگی میں رونما ہوئی ہیں، بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

یہ تبدیلیاں سب سے پہلے قومی معیشت کے ''حلقہ سوئم'' میں ہوئی ہیں۔ ملک کے بڑے بڑے بینکوں کو، جو معیشت کی جان ہوتے ہیں، قومیا کر حکومت اور اس کے معاشی سیکٹر نے ایسا نیا اور طاقتور وسیلہ حاصل کر لیا ہے جس سے ملک کی معیشت کو جس میں زراعت بھی شامل ہے، براہ راست متاثر کیا جا سکتا ہے۔ اس اقدام نے اس بات کے زیادہ سودمند حالات کا امکان پیدا کر دیا ہے جن سے بعد میں ایسے سماجی تغیرات کی امید ہے جو ہندستانی سماج کی پوری بناوٹ پر اثر انداز ہوں گے۔

دیہی جنس تجارت کی گردش کے نظام میں ریاستی اجارہ داری کے قیام کا بڑھتا ہوا رجحان بھی نظر آتا ہے۔ اس طرح ریاستی اجارہ داری سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ سٹے بازی کے اور سوداگری سرمائے کی نجی اجارہ داری کی ''نفی'' کرے گی۔

اس کے ساتھ ہی قومی معیشت کے ''ابتدائی'' حلقے میں بھی حکومت مداخلت کرنے والی ہے (جزوی طور پر یہ عمل اس صدی کی چھٹی دہائی میں شروع ہو گیا تھا جب کہ زمینداری والے علاقوں میں جاگیردارانہ نظام مراتب توڑ دیا گیا تھا)-1969 میں کیرالا میں جو زرعی قانون منظور ہوا ہے وہ ظاہر کرتا ہے کہ حکومت براہ راست زرعی تعلقات کا وسیلہ بن سکتی ہے اور اس طرح زمین کی ملکیت کے نظام کو، سب سے پہلے مالکان زمین کی سماجی و معاشی طاقت گھٹا کر بڑی حد تک تبدیل کر سکتی ہے۔

ہندستان کی معاشی ترقی کی موجودہ منزل میں ملک کی سماجی ترقی کی ضرورتوں کا مطالبہ ہے کہ استحصال کرنے والی نجی ملکیت کو قومیا لیا جائے۔ قومیانے کا رجحان سب سے پہلے اس طبقاتی جدوجہد نے پیدا کیا ہے جو ہندستان کے وہ لاکھوں لوگ کر رہے ہیں جو استحصال کا شکار ہیں۔

حوالہ جات وحواشی، باب دوم

1. V.I. Lenin, {{Collected Words}}, Vol. 16, p. 119.

2۔ یہاں ہم مارکس کا وہ قول یاد دلانا چاہتے ہیں کہ اس سماج میں جہاں غیر معاشی جبر کے طریقوں کا غلبہ ہوتا ہے وہاں ''اشیائے پیداوار کا جنس تجارت میں تبدیل ہونا، اور اس لئے جنس تجارت پیدا کرنے والوں کی حیثیت سے لوگوں کا وجود ثانوی رکھتا ہے''

(K. Marx, {{Capital}},Vol. I, p. 83)

3. K. Marx, {{Capital}}, Vol. III, pp. 334, 335.

4۔ ایضاً، صفحات 782 تا 789، 802 تا 805۔

5. V.I. Lenin, {{Collected Works}}, Vol. 19, p. 488.

6. V. I. Lenin, {{Collected Works}}, Vol. III, p. 37.

7۔ ایضاً، صفحہ 39

8. K. Marx, {{Capital}}, Vol. I, p.42.

9. See {{Draft Fourth Plan. Materia and Financial Balances 1964-* 65, 1970-71 and 1975-76}}, Planning Commission, Delhi, 1966, pp. 9-13.

10. {{Studies in the Economics of Farm Management in the punjab}},Combined Report 1954-55-1956-57, Delhi, 1963, pp. 46, 55.

11۔ ایضاً، صفحہ 13۔

12. See B. Sen, {{Cpaital Inputs in Pinjab Agriculture 1950-51 to 1964-65}}, {{Economic and Political Weekly}}, Vol. V, No. 52, Bombay, 1970, p. A-165.

13. See {{Studies in the Economics of Farm Management in Rttar

Pradesh. Report for the Year 1954-55}}, Delhi, 1957, p. 113.

14. {{{Subsistence Agriculture and Economic Development}}, Chicago, 1969, pp. 14, 15.

15۔ایضاً،صفحہ 13-

16. See {{Studies in the Economics of Farm Management in West Godavari District (Andhra Pradesh). combined Rined Report for the Period 1957-58 to 195960}}, Waltir (mimeo), p. 227.

17. {{Economic and Political Weekiy}}, Vol. VI, No 26, 1971, Bombay,* p. A-90,

18. See {{Studies in the Economics of Farm Management in Madhya Pradesh. Combined Report for the Years 1955-56 and 1956-57}}, Delhi, 1963, pp. 38, 39, {{studies in the Economics of Farm Management in West Godavari District. Report for the Year 1957-58}}, Delhi, 1966, pp. 87, 104. 105, {{Studies in the Economics of Farm Management in Sambalpur (Orissa). Report for the Year 1958-59}}, Delhi, 1965, pp. 31, 119.

19. See W. P. Ralcon, {{The Green Revoluteon: Generations of Prob- * lems}}, {{American Journal of Agricultural Rconomics}}, No. 5, Vol. 52, 1970, p. 699.

20. See {{All-India Rural Debt and Investment Survey, 1961-62 Current Resources of Rural Household}} (reprinted from {Reserve Bank of India Bulletin},December 1965), p. 4.

21دستیاب بنیادی اعداد وشمار سے بصورت جنس وصول ہونے والے لگان کی اس مقدار (اور حصے) کا

پتہ نہیں چلتا جو زمیندار خود کفیل شکل میں صرف کر لیتے ہیں یعنی جو منڈی میں نہیں جاتی۔ ورنہ جدول میں جن اشاریوں کا خلاصہ کیا گیا ہے وہ قدرے مختلف تناسب پیش کرتے۔ پیداوار کی جو مقدار (اور حصہ) معاوضہ ادا کئے بغیر اٹھالی گئی ہے وہ قدرے زیادہ ہوتی جب کہ کھیتوں کے سیکٹر میں صرفے کا اشاریہ نسبتاً کم ہوتا ہے۔

22. K. Marx, {{Capital}}, Vol. III, p. 812.

23. Compiled and calculated from: {{All-India Rural Debt and Invesvestment survey, 1961-62. Tables Relateng to Gross Farm and Non-farm Receipts}}, Bombay, pp. 2, 3, 22, 36, 56 (mimeo), {{All-India Rural Debt..., current Resources of Rural Households}}, pp. 2, 4.

24. See V. I. Lenin, {{Collected Works}}, Vol. III, p. 154.

25.Calculated from {{Farm Management Studies, 1954-5511958-59}},

26. V. I. Lenin, {{Collected Works}}, Vol. 19. p. 377.

27. V. I. Lenin, {{Collected Works}}, Vol. 15, p. 140.

28۔ایضاً،جلد13،صفحہ 389-

29. Marx, Engels, {{Werke}}, Bd. 9, Berlin, 1960, S. 217.

30. Vol. I. Lenin, {{Collected Works}}, Vol. 4, p. 68.

31. V. I. Lenin, {{Collected Works}}, Vol. 16, p. 122.

32. See W. P. Falcon, op. cit. pp. 702, 707.

33. {{Implementaltion of and Reforms. A Review by the Land Reform Implementation Committee of the Natonal Development Council}}, Delhi, 1967, p. 129.

34۔ کارل مارکس اور فریڈرک اینگلس، ''تصانیف''، دوسرا روسی ایڈیشن، جلد 46، حصہ دوم،

صفحہ 367-

35۔ایضاً۔

36. {{All-India Rural Credit Survey}}, Vol. I, Part I. Bombay, 1956, p. 1051.

37۔ کارل مارکس اور فریڈرک اینگلس، ''تصانیف''، دوسرا روسی ایڈیشن، جلد 46، حصہ اول، صفحہ 452-

38. Comiled and calculated from Studies in the Economics of Farm Management for corresponding districts.

39. See {{Agricultural Labour Enquiry. Rural Man-Power and Occupational structure}}, Delhi, 1954, pp. 55-57, 110, 129, 130, 142, 157-58.

40. See {{Report of the Land Revenue Commission. Bengal}}, Vol. I. * Calcutta, 1940, p. 67, {{All-India Rural Debt and Investment Survey, 1961-62, Tables Relating to Inventory of Assets and Liabilities}}, Bombay, p. 54 (mimeo).

41. See {{Implementation of Land Reforms.....}}, p. 116.

42. Baljit Singh, {{Next Step in Village India}}, Bombay, 1961, p. 66.

43.{{Rural Credit Follow-up survey 1957-58}}, Bombay, 1961, p. 205.

44. See {{Implementation of Land Reforms...}}, p. 16. *

45۔''سبز انقلاب'' والے علاقوں میں صورت حال مختلف ہے

46. See V. I. Lenin, {{Collected Works}}, Vol. 15, p. 102.

47. Compiled and calculated fram {{Board of Economic Enquiry, Punjab}}, Lahore, Publications Nos. 75, * 78, 85, 93, {{Board of Economic Enquiry, Punjab (India)}}, Ludhiana, Chandigarh, Publications Nos. 16, 19, 22. 28, 42, 45, 56, 92, 107.

48. K. Marx, {{Capital}} Vol. III, p. 627.

49۔ایضاً۔

50. See {{All-India Rural Debt and Investment Survey}}, 1961-62. {{Tables Relating to Loan Transactions}}, Bombay, pp. 25, 37, 38 (mimeo).

51. {{Patriot}}, Delhi, December 29, 1969.

52. See {{Yojana}}, No. 15, Vol. 15, 1971, p. 3.

53. See data in Table 4 in {{Government of India. Department of Cooperation. Report 1967-68}}, p. 63.

54. See {{All-India Rural Debt and Investment Survey, 1961-62. * Outstanding Loans, Borrowings and Repayments of Rural Households}} (Reprinted From {{Reserve Bank of India Bulletin}}, September 1965) Bombay, pp. 16-17.

55. {{Growth Rates in Agriculure 1949-50 to 1964-65}}, New Delhi, 1966, p. 37. (mimeo).

56. Calculated from {{All-India Rural Debt and Investment Survey, 1961-62, Tables relating to Gross Farm and Non-farm Receipts and Important Items of Non-Farm Expenditure}}, Bombay, p. 130 (mimeo).

57. See {{Reserve Bank of India Bulletin}}, No. 5, 1970. *

58. See {{Reserve Bank of india Bulletin}}, 1, 4, 1969, ibidem, *

No. 5, 1970.

59. K. Marx, {{Capital}}, Vol. I. p. 715.

60. F. Frankel, {{Agricultural Moderisation and Social Change}}, {{Mainstream}}, Delhi, Vol. 8, No. 13, 1969, p. 12.

61.K. Marx, {{Theories of Surplus-Value}}, Part III, Moscow, 1971, pp. 491, 492.

62. K. Marx, {{Capital}}, Vol. III, p. 618.

63V. I. Lenin, {{Collected Works}}, Vol. 16, p. 121.

64۔ایضاً،جلد19،صفحہ 377-

تیسرا باب

صنعت کاری اور ہندستان

سماجی اور معاشی نظام میں تبدیلیاں

جن ملکوں نے نوآبادیاتی حکمرانی کا جوا اپنے کندھوں سے اتار پھینکا ہے ان کے بیشتر سیاسی رہنماؤں اور مختلف مکاتب خیال کے عالموں کو اب یہ احساس ہو چکا ہے کہ ترقی پذیر ملکوں کو جو بنیادی، طویل مدتی معاشی مسائل درپیش ہیں ان کو حل کرنے کے خاص طریقوں میں سے ایک طریقہ صنعت کاری ہے۔ان کا عقیدہ ہے کہ جدید صنعت قومی معیشت کو نئی ٹکنیکی بنیادوں پر منتقل کرنے میں مدد دے گی اور اس سے ان کو توقع ہے کہ محنت کی کارگزاری بڑھے گی، بے روزگاری میں کمی ہوگی اور جہاں ممکن ہے، اس کا خاتمہ ہوگا، قومی آمدنی بڑھے گی اور جمع کے فنڈ میں توسیع ہوگی۔اس کے ساتھ ہی صنعت کاری کے متعلق مختلف مصنفوں کے نہایت ہی مختلف تصورات ہیں۔

مارکسی معاشیاتی ادب میں، خصوصاً1920اور 1923 کے درمیان لینن کے مضمونوں اور

تقریروں میں صنعت کاری کو محنت کی کارگزاری بڑھانے کی بنیاد کی حیثیت سے زیر بحث لایا گیا ہے۔ لینن نے لکھا ہے: ''محنت کی کارگزاری بڑھانے کے لئے سب سے پہلے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ بڑے پیمانے کی صنعت کی مادی بنیاد کی ضمانت ہو یعنی ایندھن، لوہے، مشین سازی کی اور کیمیائی صنعتوں کی ترقی ہو۔''1

اس کے ساتھ صرف بھاری صنعت کی ترقی کے ذریعہ بحیثیت مجموعی پوری معیشت کی صلاحیت پیداوار بڑھانے کو لینن ناممکن تصور کرتے تھے۔ ''زراعت اور صنعت، دونوں کو جدید ٹکنیکی طرز پر از سرنو منظّم اور بحال کرنے''2، ''بڑے پیمانے کی مشین سازی کی صنعت کی ترقی اور زراعت کی جانب اس کی توسیع''3 کی ضرورت پر بھی انہوں نے بار بار زور دیا۔

صنعت کاری کے مسائل کی جانب مارکسی رویے کے ایک اور پہلو کو ذہن میں رکھنا چاہئے۔ وہ ہے قومی معیشت کی الگ الگ شاخوں کی ترقی میں تسلسل۔ بھاری اور برقی قوت کی صنعتوں کی ترقی کو سبقت دینے کو لینن بہت ہی اہم تصور کرتے تھے جو زراعت کی صنعتی کایاپلٹ کی بنیاد کی تشکیل کرتی ہیں۔ یہ ایک ایسا عمل ہوتا ہے جس کی تکمیل میں قرنوں لگ جاتے ہیں۔4

چنانچہ صنعت کاری کے متعلق مارکسی تصور مختصراً مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے: محدود معنوں میں اس سے مراد ذرائع پیداوار کی پیداوار شروع کرنا اور اس کو ترقی دینا ہے، جب کہ وسیع معنوں میں اس کے معنے ہیں صنعتی انقلاب اور قومی معیشت کو صنعتی بنیاد پر قائم کرنا۔ اس کے ساتھ ہی ذرائع پیداوار کو ترقی دینے اور صنعتی انقلاب کی تکمیل کے فرائض کو صنعت کاری کے مجموعی عمل کے ابتدائی اور آخری مرحلے تصور کئے جاتے ہیں۔

صنعت کاری کی جانب اس رویے کا بڑی حد تک تعین ان ٹھوس سماجی و معاشی حالات سے ہوا جو اس وقت سوویت جمہوریہ میں موجود تھے۔ جب سوویت یونین نے صنعت کاری کا آغاز کیا تو اس کے پاس ایک حد تک صنعتی صلاحیت موجود تھی جس میں بھاری اور ہلکی صنعتوں کے کئی شعبے، ذرائع نقل و حمل اور رسل و رسائل، ٹکنیکی معلومات اور ایسے اداروں کا جال سا تھا جہاں ہنرمند عملہ تربیت پاتا تھا۔ بہ الفاظ دگر بھاری صنعتوں کی تعمیر اور ترقی کے لئے بعض ابتدائی لوازمات موجود تھے۔ علاوہ ازیں ملک کی وسیع سرزمین اور کثیر آبادی نے گھریلو منڈی کی توسیع کا اچھا امکان پیدا کیا اور ساتھ ہی مطالبہ کیا کہ منڈی کی

ضرورتیں پوری کرنے کے لئے بھاری صنعتوں کی مختلف قسموں کا سلسلہ قائم ہو۔ اور آخر میں یہ کہ سوویت یونین میں صنعت کاری ایک ایسے زمانے میں ہوئی جب ملک کو سرمایہ دار ریاستوں نے گھیر رکھا تھا اور فوجی مداخلت کی دھمکیاں دے رہی تھیں۔ ان عناصر نے مل کر ملک کی صنعت کاری کے مقاصد، رجحانات اور تسلسل کا تعین کیا۔

آج بیشتر ترقی پذیر ملکوں میں قطعی مختلف صورت حال پائی جاتی ہے۔ پسماندہ سماجی ومعاشی تشکیل اور اکثر نسبتاً مختصر آبادی کے باعث ان میں سے بیشتر ممالک میں قدرے محدود گھریلو منڈیاں ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کہ سائنسی اور ٹکنیکی انقلاب کے تحت جس نے زیادہ سے زیادہ مفید پیداواری اکائی کی جسامت میں بہت بڑا اضافہ کر دیا ہے، یہ ممالک بہت سی قسموں کی مصنوعات کی معاشی اعتبار سے کارگزار پیداوار برقرار رکھنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ جدید دنیا کی بین الاقوامی صورت حال میں بیشتر ترقی پذیر ممالک دفاعی صنعتیں قائم کرنے پر زر کثیر صرف کرنے سے بچ سکتے ہیں۔ یہ ہیں وہ حالات جو ان ملکوں میں صنعت کاری کے نمونے کی خاصیت اور رجحانات کا تعین کرتے ہیں جو سوویت نمونے سے کئی اہم باتوں میں مختلف ہے۔

سوویت معاشیات دانوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں ترقی پذیر ملکوں میں صنعت کاری کے مخصوص نمونوں کا نظریاتی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ ان میں سے دو تصانیف میں مختلف ترقی پذیر ملکوں کی صنعت کاری کے امتیازات غالباً سب سے زیادہ صاف اسلوب میں واضح کئے گئے ہیں (ملاحظہ فرمایئے س۔ا۔ تیولپانوف ''اوچرکی پولی تیچسکوئی ایکونومیئی۔ رازوی وایوشچیسیا استرانی'' [''سیاسی معاشیات کے متعلق انشایئے۔ ترقی پذیر ممالک'']، ماسکو 1969 اور پرابلیمی اندوستری الیزاتسیئی رازوی وایوشچیخسیا استران'' [''ترقی پذیر ممالک کی صنعت کاری'']، ماسکو 1971)۔ سوویت معاشیات دانوں نے ترقی پذیر ملکوں کے معاشی نظاموں میں غیر مشابہت اور اس کے باعث وہاں صنعت کاری کے نہایت ہی مختلف نمونوں کے امکانات کی جانب اشارہ کیا ہے لیکن ان کا خیال ہے کہ عام رجحان وسیع معنوں میں صنعت کاری کی جانب ہے۔ انہوں نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ اس عمل کے ابتدائی مرحلوں میں ذرائع پیداوار کی ترقی سے زیادہ معیشت کی ترکیب وتشکیل کے تناسبات میں صنعت کے حق میں تبدیلیاں ہونی چاہئیں اور معاشی ترقی کی رفتار بڑھنی چاہئے۔

ترقی پذیر ملکوں کے سماجی ومعاشی حالات کے امتیازی خدوخال اوران کے بموجب صنعت کاری کے طریقوں کے سوویت سرکاری دستاویزات میں بھی واضح کیا گیا ہے۔اب سے بہت پہلے 1969 ہی میں اقوام متحدہ کی معاشی اور سماجی کونسل میں سوویت وفد نے ایک یادداشت پیش کی تھی جس میں زور دیا گیا تھا کہ ترقی پذیر ملکوں میں صنعت کاری کے سلسلے میں جس مقصد کو سب پر سبقت حاصل ہے وہ مختلف قسموں کی صنعتوں کی ایسی بنیاد قائم کرنا ہے جوان کی معاشی تشکیل میں خاصی بڑی حدتک ترمیم کر سکے۔ اس دستاویز میں صنعتی ترقی کو معاشی نشوونما کی رفتار بڑھانے اور پسماندہ سماجی نظاموں کی کایاپلٹ کرنے کے ایک بڑے وسیلے کی حیثیت سے پیش کیا گیا تھا۔5 اگر بحیثیت مجموعی ترقی پذیر ملکوں پر اس ک اطلاق کیا جائے تو اس خیال پر اعتراض کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

سوویت اور غیر ملکی معاشیات دانوں کا عقیدہ ہے کہ بڑے بڑے ترقی پذیر ملکوں میں سے صرف چند ہی ایسے ہیں جہاں اس قسم کی صنعت کاری رائج کرنا ممکن ہے جو سوویت نمونے سے ملتی جلتی ہو۔وہ ان ملکوں کے وسیع وبسیط علاقوں اور آبادی کا اور نسبتاً ترقی یافتہ معاشی بنیاد کا حوالہ دیتے ہیں جن میں پیداوار کے جدید ذرائع کی خاصی مانگ کی ضمانت دینے کی صلاحیت ہو۔ان ملکوں میں پہلا کام بھاری صنعتیں قائم کرنا ہے۔

ہندستان، جو نوآبادیاتی حکمرانی کے اختتام تک آبادی، معدنی وسائل، صنعتی پیداوار کی مقدار، ریلوے لائنوں کی لمبائی وغیرہ کے اعتبار سے دنیا کے سب سے بڑے ملکوں میں تھا، مذکورہ بالا ملکوں کے زمرے میں نمایاں نظر آتا ہے۔ وہاں ہنرمند صنعتی عملے کی تربیت کے لئے نسبتاً زیادہ قسموں کے علمی اداروں کا سلسلہ قائم تھا اور وہاں تربیت یافتہ انجنیر ،ٹکنیکی ماہرین اور ہنرمند مزدور موجود تھے۔ان تمام باتوں نے صنعت کاری کے مادی لوازمات فراہم کر دئے تھے اور ملک کی قومی معیشت کی ضرورتیں بھاری صنعتوں کو سبقت دے کر ترقی دینے کا مطالبہ کر رہی تھیں۔

ہندستان کی صنعت کاری کی امتیازی خصوصیات اس حقیقت میں دیکھی جاسکتی ہیں کہ وہ ایک پسماندہ اور کثیر تشکیلی معیشت میں انجام پا رہی ہے اور اس کی کرداری خصوصیت یہ ہے کہ برسرکار لوگوں کی تعداد اور خالص پیداوار کی مقدار دونوں کے اعتبار سے سرمایہ داری سے پہلے کی تشکیلوں کا غلبہ ہے۔ صنعت کاری اور عام صنعتی ترقی سرمایہ داری سے پہلے کی معاشی تشکیلوں پر اثر انداز ہوتی ہیں اور کسی حد

تک ان کی کایا پلٹ کر کے اور ان میں تبدیلیاں کر کے انہیں سرمایہ داری کی ترقی کی ضرورتوں کے مطابق کر دیتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی معیشت کی کثیر تشکیلی نوعیت اور پسماندگی ملک کی نوزائیدہ صنعت پر خراب اثر ڈالتی ہے۔ اگر ہم گھریلو منڈی کی تشکیل پر، نئی صنعتوں کے قیام میں سلسلے وار ترتیب پر، ان کی نشوونما اور ترقی کی سطح اور رفتار پر، پیداوار کے ساز وسامان اور ٹکنالوجی اور اس کی کارگزاری پر ان کے اثر کو دیکھیں تو یہ بات خاص طور سے صاف نظر آجائے گی۔ جدید اور قدیم معاشی تشکیلوں اور رجحانوں کا باہمی عمل ہندستان کی صنعت کاری کی ایک امتیازی خصوصیت ہے۔

اس لئے ہندستان کی صنعت کاری کے مطالعے کو باہم مختصر اور باہم وابستہ مسئلوں کے دو مجموعوں کا احاطہ کرنا چاہئے ___ (1) بڑے پیمانے کے ریاستی سرمایہ دارانہ اقدامات اور طویل مدتی معاشی منصونہ بندی کی بنیاد پر جدید بھاری صنعت کی تخلیق اور ترقی اور (2) اس عمل پر متعدد اندرونی اور بیرونی عناصر کا، خصوصاً معیشت کی کثیر تشکیلی نوعیت اور زیریں تشکیلوں کا اثر۔ اس باب میں پسماندہ اور کثیر تشکیلی معیشت کے دائرے میں صنعت کاری کی مخصوص خصوصیات پر غور کیا گیا ہے اور صنعتی ترقی جن قوانین کے تابع ہوتی ہے ان کو واضح کیا گیا ہے۔ جہاں تک ممکن ہوگا ہم کوشش یہ کریں گے کہ بحیثیت مجموعی ہندستانی صنعت کو جو ترقیاتی امکانات درپیش ہیں ان کا خاکہ پیش کریں اور اس کے نمو کی بنیادی حدوں کو واضح کریں۔

ہندستان جیسے بڑے ملک میں صنعت کاری پر جو قوانین حاوی ہیں انہیں واضح کرنے کی بڑی نظریاتی اور عملی اہمیت ہے۔ علاوہ ازیں ان میں سے بہت سے قوانین، صنعتی ترقی کو روکنے والے عناصر ہندستان کی نہایت ہی مخصوص سماجی ومعاشی تشکیل سے ابھر کر سامنے آتے ہیں جو سماجی اور معاشی تغیر وتبدل کے ایسے ہی مرحلے سے گزر رہے ہیں۔

موجودہ مطالعہ بڑی حد تک سرکاری اعداد وشمار پر مبنی ہے لیکن یہ بات دھیان میں رکھنی چاہئے کہ ہندستانی صنعتی اعداد وشمار نامکمل ہوتے ہیں اور اکثر موازنے ناممکن ہو جاتے ہیں اور اعداد وشمار کی اشاعت میں عموماً تاخیر ہوتی ہے۔ بعض صورتوں میں یہ اعداد وشمار زیر غور عمل کی صحیح عکاسی کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ مثلاً صنعتی پیداوار کے مجموعی اشاریے میں ملک کی کانکنی کی صنعت کی ترقی کی رفتار اصلیت سے زیادہ دکھانے کا اور کچا سامان تیار کرنے کی صنعتوں کی ترقی کی رفتار اصلیت سے گھٹا کر دکھانے کا رجحان

نظر آتا ہے۔ایسی صورت میں ہمیں مجبوراً خود اپنے اندازوں کا سہارا لینا پڑا ہے یا ان اعداد وشمار کو استعمال کرنا پڑا ہے جو مختلف اخباروں اور رسالوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں اور کبھی کبھی درست نہیں ہوتے۔ اس صورت حال کے باعث حساب کی صحت میں ضعف آ گیا ہے۔ پھر بھی ہمیں توقع ہے کہ بنیادی رجحانات کی خاصی صحیح تصویر پیش کرنے میں ہمیں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

صنعت کاری کے تفصیلی مطالعے کا مطالبہ ہے کہ ملک کی معاشی، سماجی اور سیاسی زندگی میں رونما ہونے والے بنیادی عوامل پر پوری طرح غور وخوض کیا جائے۔انفرادی طور پر تحقیق کرنے والا یہ فرض پورا کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ زیر مطالعہ مسئلوں کا دائرہ محدود کرلے۔اس لئے ہم نے ہندستانی صنعت میں رونما ہونے والے صرف معاشی عوامل پر غور کرنے تک اپنے آپ کو محدود رکھا ہے اور دوسرے معاشی سیکٹر صنعت پر جو اثر ڈالتے ہیں اس کا بھی مناسب خیال رکھا ہے۔

آزادی سے عین قبل ہندستانی کی صنعت کی کیفیت

جب ہندستان نے سیاسی خودمختاری حاصل کی تو اس وقت تک برسر کار لوگوں کی تعداد اور اصل پیداوار کی مقدار دونوں کے اعتبار سے ملک کی صنعت پر پیداوار کی نچلی شکلوں کا غلبہ تھا۔ یہ نچلی شکلیں ضمنی گھریلو صنعتوں پر، رسمی طور پر خودمختار کاریگروں کی پیداوار اور ہاتھ کے کام کے کاروباروں پر مشتمل تھیں۔ صنعت سے ہونے والی آمدنی کا کوئی 60 فیصدی حصہ اسی سے آتا تھا اور صنعت میں برسر کار لوگوں کی مجموعی تعداد میں سے تقریباً 75 فیصدی انہیں میں لگے ہوئے تھے۔

تواریخی اعتبار سے ہندستان میں فیکٹریوں کے قیام سے پہلے کے دور کی چھوٹے پیمانے کی صنعتی پیداوار کے دو زمرے قائم ہوئے۔ پہلے زمرے کی پیداوار کرنے والے جن کے مرکز قصبوں اور شہروں میں واقع تھے جاگیرداروں، ان کے درباریوں اور فوجوں کی خدمت انجام دیتے تھے۔اور اس کے علاوہ بیرونی منڈیوں کے لئے مال فراہم کرتے تھے۔اس زمرے کی صنعتیں، جو نفیس ترین قسم کا مال تیار کرتی تھیں برطانوی نوآبادیاتی حکمرانی کے دوران میں بڑی حد تک اس وجہ سے تباہ و برباد ہوگئیں کہ ملک کے جاگیرداروں کا اقتدار ختم ہوگیا تھا، خارجہ تجارت پر اجارہ داری قائم ہوگئی تھی، حکمراں ملک میں بعض قسموں کے ہندستانی مال کی درآمد پر امتناعی وضع کا محصول عائد کردیا گیا تھا۔

دوسرے زمرے میں ان کاریگروں ی پیداوار آتی تھی جو گاؤں کی برادری کے دائرے کے اندر زراعت سے قریبی تعلقات برقرار رکھتے تھے۔ پہلے باب میں تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے کہ نوآبادیاتی دور حکومت میں کاریگروں کی پیداوار اور زراعت کے درمیان تعلقات محفوظ رہنے کے کیا اسباب تھے۔ اس لئے یہاں اتنا ہی بتا دینا کافی ہوگا کہ ان تعلقات میں انتشار یکساں پیمانے پر نہیں آیا۔ روزمرہ ضرورت کی چیزوں کی پیداوار میں مصروف دستکاروں اور زراعت پیشہ لوگوں کے درمیان تعلقات نوآبادیاتی دور سے پہلے کے زمانے میں ٹوٹنے شروع ہو گئے تھے اور اس کے باعث کاریگروں کی صنعتیں فیکٹریوں کے مقابلہ بازی کی یلغار کی زد میں آ گئیں۔ اس کے ساتھ ہی زراعت میں، جو ہندستانی معیشت کی کلیدی شاخ تھی، پسماندہ پیداواری تعلقات بدستور برقرار رہنے سے ذرائع پیداوار کی تجدید پیداوار کی روایتی خاصیت کو سہارا ملا۔ قدرتی بات ہے کہ روایتی وضع کا مال صرف دیہات کے کاریگر ہی فراہم کر سکتے تھے۔ بہ الفاظ دگر زراعت کے دائرے کے اندر پسماندہ پیداواری قوتوں کے بدستور باقی رہنے اور صنعت کی نچلی شکلوں کے مسلسل وجود کے درمیان براہ راست تعلق تھا۔ علاوہ ازیں گاؤں کے دستکار روایتی تشکیل کے اندر ہی کام کرتے تھے اور وسیع روایتی اور اکثر غیر معاشی بندھنوں کے ذریعے زراعت سے قریبی طور پر وابستہ تھے۔ اور آخر میں یہ کہ نوآبادیاتی دور میں زمین پر بڑھتے ہوئے دباؤ کے ساتھ خود کفالتی گھریلو صنعتوں کی مسلسل و بتدریج توسیع ہوتی رہی۔ ان عناصر نے مل جل کر پیداوار کی نچلی پرتوں کو فیکٹری کی صنعت کی مقابلہ بازی کے اثر سے زیادہ محفوظ کر دیا۔

پھر بھی درآمدنی مال سے مقابلہ بازی، محصولوں کے بڑھتے ہوئے بوجھ، تاجروں اور مہاجنوں کے ہاتھوں استحصال اور سرمایہ داری کی ترقی کے زیر اثر چھوٹے پیمانے پر پیداوار میں سلسلے وار نمایاں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ سب سے پہلے تو، وہ صنعتیں تباہ ہوئیں جن میں کارگزاری کی سطح خاص طور پر پست تھی یا جن کا مال انتہائی گھٹیا قسم کا ہوتا تھا۔ دوسرے، کاریگروں کی صنعتوں کا شیرازہ منتشر ہو رہا تھا اور متعلقہ دستکاروں کو مجبور ہو کر گھر پر کام کرنے والے کی حیثیت سے مقامی سرمایہ داروں کی ملازمت اختیار کرنی پڑتی یا دستی کام کے کاروباروں میں مزدوری کرنی پڑتی تھی۔ تیسرے، فیکٹری کی صنعت کی اور ریلوں کی ترقی نے بدلتے ہوئے ذوق، ترجیحوں اور ضرورتوں کے ساتھ مل کر نئی وضع کے مال اور خدمات کی مانگ پیدا کر دی جو چھوٹے پیمانے کی صنعتیں فراہم کر رہی تھیں۔ صنعت میں نئی ضرورتیں پوری کرنے والی نچلی شکلیں سرمایہ

دارانہ بنیاد قائم کی گئیں۔

ہندستانی مردم شماریوں سے (اگرچہ ان میں کافی قابل موازنہ ہونے کا فقدان ہے اور کارآمد طریقے سے برسرکار لوگوں کی درجہ بندی کرنے کا طریقہ بار بار بدلا گیا ہے) پتہ چلتا ہے کہ انیسویں صدی کے آخری تیس برسوں اور بیسویں صدی کے پہلے دس برسوں میں صنعتوں کی نچلی شکلوں میں برسرکار لوگوں کی تعداد میں روزافزوں کمی ہوتی گئی۔ 1911 اور 1921 کے درمیان اس حلقے میں برسرروزگار لوگوں کی تعداد میں ردوبدل نہیں ہوا۔ 1921 اور 1951 کے درمیان صنعت کی ان شکلوں میں برسرروزگار لوگوں کی تعداد کی سطح میں قطعی توسیع ہوئی۔ اس کے معنے یہ تھے کہ پہلے مرحلے میں قرون وسطی کے کاریگر اور خاص طور سے شہری دستکار تباہ برباد ہوگئے اور یہ ایک ایسا عمل تھا جس سے پیدا ہونے والی کمی کو جدید شکلوں کی پیداوار کے فروغ سے پورا نہیں کیا گیا۔

بعد کے دور میں، سرمایہ داری کی مسلسل ترقی اور دیہات کے کاریگروں کی صنعتوں کی وسیع پیمانے پر توسیع کے ساتھ ساتھ (آبادی میں اضافے، کسان کنبوں کی تعداد میں اضافے وغیرہ کے باعث) یہ عوامل رفتہ رفتہ باہم توازن رکھنے شروع ہوگئے۔ پہلی عالمگیر جنگ کے بعد نئی سرمایہ دارانہ بنیاد پر صنعت کی نچلی شکلوں کی توسیع نے روایتی شکلوں کے دائرے میں پیداوار کے کٹاؤ کو بظاہر مکمل طور سے پورا کر دیا۔

نوآبادیاتی دور ختم ہوتے ہوتے ہندستان کی صنعت میں ابھی صنعتی انقلاب اپنے اختتامی مرحلوں میں داخل نہیں ہو رہا تھا (چھوٹے پیمانے کے حلقے کی پیداوار میں قطعی توسیع تک ہوئی) لیکن صنعت کی نچلی شکلوں میں سرمایہ دارانہ شکلوں کا حصہ مسلسل و بتدریج بڑھتا رہا۔ سرمایہ دارانہ پیمانے پر ازسرنو تنظیم نے شہری علاقوں میں چھوٹے پیمانے کی صنعت کو خاص طور سے متاثر کیا۔

پیداوار کی نچلی شکلوں کے وسیع پیمانے پر متواتر وجود نے ہندستان میں فیکٹری کی صنعت کی نشوونما کی شرح اور بناوٹ پر گہرا اثر ڈالا۔ چونکہ نچلی شکلیں سب سے پہلے کسان کنبوں کی تجدید کی پیداوار کی ضرورتیں پوری کرتی تھیں اس لئے بھاری صنعت کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو فروخت کرنے میں بڑی مشکلوں کا سامنا ہوا۔ روزمرہ استعمال کی چیزوں کے لئے کسانوں کی مانگ کے خاکے میں روزافزوں بے قاعدگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض وضع کے کاریگر جو اس قسم کی چیزوں کی پیداوار خاص طور سے کرتے تھے روزافزوں پیمانے پر تباہ برباد ہونے لگے۔ پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فیکٹریوں کا بنایا ہوا مال، خاص طور پر سوتی

کپڑا، دیہی علاقوں میں گھس آیا۔ اس طرح دیہی کاریگروں کے انفرادی گروہوں کی حیثیت میں فرق نے فیکٹری کی صنعتوں کے قیام اور ترقی کی شرحوں کا تعین کرنے میں ایک بڑے عنصر کی حیثیت سے اثر ڈالا۔ ان حالات نے ہلکی صنعتوں کو توسیع کے بہترین مواقع فراہم کئے جب کہ منڈی میں نکاس کے فقدان نے بھاری صنعت کی نشوونما کی رفتار سست کر دی (اس رجحان کو متعدد دوسرے عناصر نے بھی تقویت پہنچائی جن پر آگے چل کر بحث کی جائے گی)۔

بڑے پیمانے کی منظّم صنعت کے اندر سب سے کم ترقی یافتہ کانکنی تھی۔ صنعتی پیداوار کی مجموعی قدر میں اس کا حصہ محض 5 فیصدی تھا۔ اس کے علاوہ خام مال پر عمل کرنے اور کانکنی کی صنعتوں کے درمیان رشتے انتہائی کمزور تھے کیونکہ کانکنی کی پیداوار کا بڑا حصہ بیرونی ممالک کو بھیج دیا جاتا تھا، ذرائع نقل وحمل کے یا نجی تصرف میں آتا تھا۔ یہ صورت حال بڑی حد تک خود خام مال پر عمل کرنے کی صنعت کی ترتیب وترکیب سے پیدا ہوئی تھی۔

خام مال پر عمل کرنے کی صنعت کے دائرے میں ہلکی صنعتوں کا غلبہ تھا۔ اس کی پیداوار کی مجموعی قدر میں ان کا کوئی 80 فیصدی حصہ تھا۔ سوتی کپڑے کی صنعت کا حصہ کل میزان میں 40 فیصدی تھا۔ اس سے ہندستان کی بھاری اور ہلکی صنعتوں کے درمیان نمایاں عدم توازن کا پتہ چلتا ہے۔ اگرچہ سرمایہ داری کے عام بحران کے دوران میں، خصوصاً دوسری عالمگیر جنگ کے دوران میں ہندستان کی بھاری صنعتوں کی ترقی کی رفتار قدرے بڑھی مگر وہ مقدار اور سامان کی اقسام کے اعتبار سے اندرونی مانگ پوری کرنے میں ناکام رہیں۔ بحیثیت مجموعی جدید صنعتی مال کی مجموعی طلب کا کوئی چوتھائی حصہ درآمدات سے پورا ہوتا تھا۔ پیداوار کے سامان کے سیکٹر میں اس کا حصہ اس سے بے پناہ زیادہ تھا۔

نوآبادیاتی دور کے ختم ہوتے ہوتے ہندستانی صنعت ترقی کی اس منزل میں پہنچ گئی تھی جہاں مشینوں کا استعمال سب سے پہلے محنت کی قدر پر منحصر ہوتا تھا۔ ہندستان کی بحیثیت مجموعی معاشی پسماندگی نے، سست رفتار ترقی اور مکمل یا جزوی طور پر بے روزگار لوگوں کی نہایت ہی کثیر تعداد کی موجودگی نے ایک ساتھ مل کر محنت کی قدر بہت ہی قلیل کر دی تھی۔ صنعتی ساز وسامان نسبتی طور پر (محنت سستی ہونے کے باعث) اور قطعی طور پر بھی (غیر ملکی مال فراہم کرنے والوں کی اجارہ داری، کمزور زریں تشکیل، وغیرہ کے باعث) مہنگا پڑتا تھا۔ اس وجہ سے ہندستانی صنعت کے دائرے میں ضمنی کاموں میں بھی اور بنیادی عوامل

میں بھی جسمانی محنت وسیع پیمانے پر استعمال ہوتی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں میں جو صنعتی صلاحیت پیداوار ہوتی ہے اس کی بہ نسبت وہ اس کا محض ایک قلیل حصہ تھی۔ یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہئے کہ بیشتر جدید ہلکی صنعتوں میں مشینیں اور ساز وسامان کثرت استعمال سے خراب ہو چکا تھا کیونکہ پچھلی جنگ شروع ہونے پہلے منڈی کی صورت حال ناموافق تھی اور جنگ کے دوران میں مال درآمد کرنے میں مشکلوں کے پیش نظر یہ صنعتیں معمول کے مطابق مستقل سرمائے کی تجدید کرتے رہنے سے بھی محروم تھیں۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ 1947 میں ہندستان کی خام مال پر عمل کرنے کی صنعت میں مجموعی پیداوار فی مزدور برطانیہ کی بہ نسبت محض پانچواں حصہ تھی، اصلی پیداوار کا تناسب تو اس سے بھی کم تھا۔6

نسبتاً پسماندہ ہندستانی صنعت میں غیر ملکی اور سب سے پہلے برطانوی سرمائے نے مضبوط حیثیت حاصل کر لی تھی۔ حساب لگانے سے پتہ چلتا ہے کہ خام مال پر عمل کرنے کی منظّم صنعت میں 8.4 فیصدی کاروباروں کی مالک نجی غیر ملکی کمپنیاں تھیں۔ ان میں کل قوت محنت کا 24.3 فیصدی حصہ لگا ہوا تھا۔ نوآبادیاتی حکومت 4.7 فیصدی کاروباروں کی مالک تھی جن میں قوت محنت کا 10.6 فیصدی حصہ لگا ہوا تھا۔7 اگر ہم نوآبادیاتی حکومت کے کاروباروں کو جن کی پیداوار کھلی منڈی میں نہیں پہنچتی تھی اپنے حساب سے خارج کر دیں تو نجی غیر ملکی کاروباروں میں ہندستانی صنعت کی مجموعی پیداوار کا تقریباً 25 فیصدی حصہ تیار ہوتا تھا۔ اس کا آدھے سے زیادہ حصہ برآمد کیا جاتا تھا۔

ہندستان کی منظّم صنعت کی کرداری خصوصیت پیداوار کے ارتکاز کی بلند سطح تھی جو بیشتر مغربی یورپی ملکوں میں 1000 سے زیادہ ملازموں والے کاروباروں میں مزدوروں کے حصے کے تناسب سے کم نہیں تھی۔ درحقیقت 1910 اور 1940 کے درمیان اس زمرے کے کاروبار کل کاروباروں کے تقریباً 5 فیصدی تھے اور ہندستان کی منظّم صنعتوں میں کام پر لگے ہوئے 53 سے 56 فیصدی تک لوگ ان ہی میں کام کرتے تھے۔ لیکن موجودہ صدی کے ابتدائی عشروں میں نسبتاً چھوٹے پیمانے کی منظّم صنعتیں (20 سے 30 مزدور رکھنے والی اکائیاں) سرمایہ داری کی تیز رفتار نشوونما کے زیر اثر تیزی کے ساتھ قائم ہونی شروع ہو گئیں (جدول 8 ملاحظہ فرمائیے)۔

جدول8

ہندستان میں چھوٹے پیمانے کی صنعتی اکائیوں کی تعداد8

سال	چھوٹی اکائیاں		کل صنعت		چھوٹی اکائیوں کا تناسب فیصد	
	تعداد	برسرکار (ہزار)	تعداد	برسرکار (ہزار)	تعداد	برسرکار (ہزار)
1917	538	12.9	4827	1293.1	11.1	1.0
1929	1354	34.2	80.12	1799.3	16.9	1.9
1939	1579	50.8	8973	2086.9	17.6	2.1
1947	2990	83.4	11961	2690.6	25.0	3.1

نوٹ: 1917 کے اعداد وشمار میں چائے اوررربڑ کی فیکٹریوں کو حساب میں نہیں لیا گیا تھا۔ 1947 میں 1734 چھوٹے کاروباروں میں مزدوروں کی تعداد کے متعلق اعداد وشمار نہیں دئے گئے تھے۔مندرجہ بالا اعداد صرف ان فیکٹریوں کا احاطہ کرتے ہیں جنہوں نے اطلاع فراہم کی۔

چنانچہ تیس برس کی مدت میں صنعتی کاروباروں کی تعداد 150 فیصدی بڑھ گئی اوران کی مشترکہ قوت محنت دگنی ہوگئی۔چھوٹی صنعتی اکائیوں کی تعداد اوران کی قوت محنت چھ گنی سے بھی زیادہ ہوگئی۔صاف ظاہر ہے کہ یہ رجحان نیچے سے سرمایہ داری کے مسلسل وبتدریج نمو کی عکاشی کرتا ہے۔

ہندستانی فیکٹری کی صنعت کی ترقی سے پہلے پیداوار کی ابتدائی سرمایہ دارانہ شکلیں قائم نہیں ہوئی تھیں اور ہندستان کے بورژوا سماج میں مختلف طبقوں کے تشکیل پانے پر اس کا گہرا نقش باقی رہا۔صنعتی بورژوازی کا غالب حصہ تاجروں اور مہاجنوں میں سے ابھر کر آیا جنہوں نے عرصہ دراز تک صنعت کو گردش کے میدان عمل میں اپنی بنیادی سرگرمیوں کے متعلقات میں سے تصور کیا۔اس بات نے ہندستان کی بورژوازی کی سماجی ذہنیت اور صنعتی کاروباروں کو چلانے کے مخصوص طریقوں کا تعین کیا۔ان طریقوں کی عکاسی مخصوص وضع کی ہندستانی تنظیموں مثلاً مینجنگ ایجنسیوں یا سول ایجنسیوں وغیرہ کے پھیلاؤ میں

ہوئی۔ان سب نے ایسے عمل کی عکاسی کی جس کے بموجب صنعتی سرمایہ تجارتی سرمائے کے تابع رہا۔

ہندستان کی فیکٹریوں کا پرولتاریہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جو سرمایہ دارانہ محنت کے ابتدائی مرحلوں تک سے نہیں گزرے تھے۔اس کے باعث استحصال کی بدترین صورتیں ظہور میں آئیں جیسے کسی مخصوص صنعتی اکائی سے مزدوروں کا غیر معاشی بندھن، ملازمت کی بالواسطہ شکلیں (ٹھیکیدار کے ذریعے)، پیشگیاں وغیرہ۔ایک طرف تو اس سے محنت کی فروخت کی شرائط بدتر ہوگئیں اور استحصال کی سطح بڑھ گئی جب کہ دوسری طرف اس سے مزدوروں کی ایک پائدار قوت کی تشکیل کی رفتار سست پڑ گئی۔اس کے علاوہ بحیثیت مجموعی پوری ہندستانی معیشت میں سرمایہ داری سے پہلے کے پیداواری تعلقات کے غلبے نے ایسی صورت حال پیدا کردی جس میں مطلق قدر زائد کی پیداوار فیکٹری کے مزدوروں کے استحصال کی بنیادی وضع تھی۔

صنعتی حالت پر ملک کی تقسیم کے پورے اثر کو پیش نظر رکھے بغیر ہندستانی صنعت کی تصویر نامکمل ہی رہے گی۔پاکستان صنعت اپنی منڈی کے ایک بڑے حصے سے اور اس کے ساتھ ہی بعض بنیادی کچے مال کے وسائل سے محروم ہوگئی۔مسلمان مزدوروں کے ترک وطن سے ہنرمند مزدوروں کا ایک حصہ بھی اس کے پاس سے چلا گیا۔بہت سی صنعتوں کو جو مجموعی صنعتی پیداوار کل 66 فیصدی فراہم کرتی تھیں تقسیم کے باعث کسی نہ کسی شکل میں نقصان برداشت کرنا پڑا۔

ہندستانی صنعت پر تقسیم کے اثر کا اندازہ لگاتے ہوئے مختصر مدتی اور طویل مدتی اثرات کے درمیان تمیز کرنی چاہئے۔مندیوں اور ہنرمند مزدوروں کے ایک حصے کے نقصان کو مختصر مدتی اثرات کے زمرے میں شامل کرنا چاہئے کیونکہ آبادی میں تیزی سے اضافے اور صنعتی عملے کی تربیت کرنے والے اداروں کے وسیع سلسلے نے اس کے منفی اثر کو جلد ہی زائل کردیا۔طویل مدتی اثرات کے تحت کچے مال کے وسائل کا نقصان آتا ہے۔جیسا کہ سب جانتے ہیں زیریں معاشی تشکیلیں منڈی کی صورت حال کی تبدیلیوں کا جواب دینے میں قدرے طویل عرصہ لگاتی ہیں۔علاوہ ازیں قدرتی حالات اور آب وہوا نے اور بعض صورتوں میں روایات نے مطلوبہ قسموں کے کچے مال کی پیداوار بڑھانے میں رکاوٹیں ڈالیں۔اس کے علاوہ پرانی غذائی قلت اور اس کے ساتھ اشیائے خوردنی کی بڑھتی ہوئی قیمتوں نے تمام زرعی پیداوار کی قیمتیں بھی چڑھا دیں۔نتیجہ یہ ہوا کہ کپاس، پٹ سن، تلہن وغیرہ کی درآمدات پر ہندستان

کا انحصار بے حد بڑھ گیا جب کہ برآمدات کی توسیع کی امکانی صلاحیت گھٹ گئی۔ اس سلسلے میں اتنی ہی اہم یہ حقیقت تھی کہ ہندستان اور پاکستان کی معیشتوں کے سیکٹروں کی تشکیل چونکہ ایک ہی جیسی تھی اس لئے دونوں ممالک مجبور ہوئے کہ پیداوار کی متوازی اور ایک دوسرے سے رقابت کرنے والی شاخوں کو ترقی دیں۔ اس لئے موجودہ صدی کی چھٹی دہائی کے اواخر میں ہی ہندستان اور پاکستان بہت سی روایتی جنس تجارت کی منڈی میں ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا شروع کرنے لگے تھے جس سے ان کی برآمدات کا اثر گھٹ گیا تھا۔

ہندستان کی کثیر تشکیلی اور پسماندہ معیشت میں جدید صنعت کو سماجی تقسیم محنت اور سرمائے کی تجدید پیداوار میں مخصوص حیثیت حاصل تھی۔ نوآبادیاتی اور نیم جاگیردارانہ وضع کے استعمال نے زیریں تشکیلوں کو دائمی صورت دینے میں حصہ ادا کیا اور سرمایہ داری سے پہلے کی تشکیلوں کے دائرے میں تجدید پیداوار کی روایتی خاصیت کو بھی برقرار رکھا۔ موخرالذکر بڑی حد تک کاریگروں اور دستکاروں کی صنعتوں کی پیداوار پر مبنی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ ہندستان کی قومی معیشت کے وسیع حلقے کے اندر تجدید پیداوار کا ایک علیحدہ چکر چلتا تھا۔

بین الاقوامی تقسیم محنت میں ہندستان کی شرکت اور اس کے ساتھ جن ساتھ جنس تجارت وزر کے اور سرمایہ دارانہ تعلقات کے ارتقا نے تجدید پیداوار کے مذکورہ بالا چکر کو توڑنے میں حصہ لیا۔ لیکن زیریں تشکیلیں جدید ذرائع پیداوار استعمال کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی تھیں کیونکہ پیداواری تعلقات فرسودہ تھے، جمع کی شرح نیچی تھی اور ٹکنیکی معلومات کا فقدان تھا۔ اس لئے نوآبادیاتی دور میں سرمایہ داری سے پہلے کی قسموں کی تجدید پیداوار میں کٹاؤ اور زیریں تشکیلوں میں جدید صنعتی مال کی سرایت سب سے پہلے روزمرہ استعمال کے سامان کے دائرے میں رونما ہونے والی تبدیلیوں پر مبنی تھی۔ بہ الفاظ دگر سرمایہ دارانہ تجدید پیداوار کے ذریعے شامل ہوئیں۔ ملک کی معیشت کا یہی وہ حلقہ تھا جہاں مشینی مصنوعات اور کاریگروں کی پیداوار کے درمیان ایک دوسرے کا گلا کاٹنے والا مقابلہ ہوا۔

جب ہندستان نے سیاسی خودمختاری حاصل کی تو اپنی ناقابل انکار سماجی فوقیتوں کے باوجود زیریں تشکیلوں کو روزمرہ استعمال کی چیزوں کی رسد میں فیکٹری اس وقت بہت ہی قلیل حصہ فراہم کر رہی تھی۔ 1952 کے جائزے سے پتہ چلتا ہے کہ دیہات میں مجموعی صرفے کا 45 فیصدی حصہ نقدی کے تعلقات

کے دائرے میں نہیں آتا تھا،9 بہ الفاظ دگر یہ حصہ ان اشیا سے پورا ہوا جو کسان کے کنبے میں پیدا ہوئیں یا کاریگر سے براہ راست تبادلے کے ذریعے۔ ظاہر ہے کہ جس صرفے میں زر کے تعلقات نہیں لائے جاتے اس میں جدید صنعتی اشیا شامل نہیں ہوسکتیں۔ صرفے کے نمونوں کے جائزوں سے بھی پتہ چلتا ہے کہ کسانوں کے نقد خرچ کے نقد خرچ کا خاصا بڑا حصہ ان اشیا کی خریداری میں لگا جو حرفتوں کی صنعتوں میں پیدا ہوتی تھیں۔

ان حالات میں مشین بند صنعت نے زیریں تشکیلوں میں مستقل سرمائے کی تجدید پیداوار پر کوئی نمایاں اثر نہیں ڈالا اور غیر مستقل سرمائے کی تجدید پیداوار میں کوئی فیصلہ کن حصہ ادا کرنے میں ناکام رہی۔ چنانچہ جب ہندستان نے آزادی حاصل کی تو اس وقت جدید صنعت ملک کی زیریں تشکیلوں میں تجدید پیداوار کے روایتی چکر پر کوئی نمایاں اثر نہ ڈال سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تجدید پیداوار کے دو متوازی چکر برقرار رہے: سرمایہ داری سے پہلے کا (زیریں تشکیلوں کے اندر) اور سرمایہ دارانہ (سرمایہ دارانہ تشکیلوں کے اندر)۔

بظاہر ایسا معلوم ہوگا کہ سرمایہ دارانہ معاشی تشکیلوں کے خفیف تناسب کے پیش نظر جدید صنعت میں ان کے اندر تجدید پیداوار کے عمل کی مکمل ضمانت کی صلاحیت ہونی چاہئے۔ غیر مستقل سرمائے کی تجدید پیداوار کم وبیش معمول پر اس لئے برقرار رکھی جاسکی کہ مجموعی صنعتی پیداوار کی کل قدر کا کوئی 80 فیصدی حصہ اشیائے صرف کی مد میں آتا تھا۔ مگر پھر ہلکی اور غذائی صنعتوں کی پیداوار کا خاصا بڑا حصہ برآمد کر دیا جاتا تھا اور کچھ حصہ زیریں تشکیلوں کے اندر صرف ہو جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندستان کی ہلکی اور غذائی صنعتیں مال کی قسموں اور مقدار کے اعتبار سے سرمایہ دارانہ تشکیل کی ضرورتیں پوری کرنے میں ناکام رہیں۔ اس خامی کا اظہار اس صورت میں ہوا کہ بہت سی قسموں کا روزمرہ استعمال کا سامان درآمد کیا جاتا تھا اور سرمایہ دارانہ تشکیل میں برسرکار مزدور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کا مال مصرف میں لاتے تھے۔ پھر بھی زیریں معاشی تشکیلوں کی بہ نسبت سرمایہ دارانہ تشکیلوں میں غیر مستقل سرمائے کی تجدید پیداوار میں مقامی صنعت نے کہیں زیادہ بڑی حد تک شرکت کی۔

مستقل سرمائے کی تجدید پیداوار میں قدرے زیادہ پیچیدہ صورت حال تھی۔ سرمایہ دارانہ تشکیل میں 1951 میں اندازاً 37 ارب روپے کا سرمایہ لگا ہوا تھا اور بھاری صنعت کی پیداوار کی مجموعی قدر محض

3ارب 70 کروڑ سے 3ارب 80 کروڑ روپیہ سالانہ تھی۔☆ بہ الفاظ دگر قدر کے اعتبار سے بھاری صنعت کی پیداوار قریب قریب اتنی تھی جتنی ہندستانی قانون کے اعتبار سے سالانہ ٹوٹ پھوٹ کی رعایت ملتی ہے۔اس کے معنے یہ ہوئے کہ تمام قسموں کے ذرائع پیداوار تیار کرنے کی موجودہ سطح کے اعتبار سے سرمایہ دارانہ تشکیل (قدر کے اعتبار سے) توسیع شدہ نہیں بلکہ محض سادہ تجدید پیداوار برقرار رکھ سکی۔ حاصل شدہ پیداوار کی جسمانی تشکیل پر جب ہم غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ بھاری صنعت سادہ تجدید پیداوار بھی برقرار نہ رکھ سکی کیونکہ اس کی پیداوار بڑی حد تک اشیائے محنت پر مشتمل تھی۔

چنانچہ ہندستانی صنعت میں اور سرمایہ دارانہ تشکیل میں (مستقل اور غیر مستقل) سماجی سرمائے کی تجدید پیداوار اندرونی بنیاد پر برقرار نہیں رکھی گئی بلکہ اس میں ملک کی خارجہ تجارت کو، عالمی ___ اور سب سے پہلے برطانوی ___ منڈی سے اس کے تعلقات کو وسیلہ بنانا پڑا۔نوآبادیاتی دور میں ہندستانی صنعت کی پسماندگی کے بنیادی اسباب میں ایک اسی میں مضمر ہے۔

اس طرح برطانوی نوآبادیاتی حکمرانی کے تحت کثیر تشکیلی نوعیت برقرار رکھی گئی اور دوسری تشکیلوں سے جدید صنعت کے تعلقات کمزور رہے۔ چنانچہ اس نے صنعتی نشوونما کی رفتار سست کر دی، وہ گھسٹنے لگی اور یک رخی ہوگئی۔اس طرح ایک برائی کا چکر چل پڑا: ہندستان کی معیشت کا سرمایہ دارانہ اتصال محنت کی سماجی تقسیم کی مزید ترقی اور صنعتی انقلاب کی تکمیل کے ذریعے ہی عمل میں آ سکتا تھا، لیکن معیشت کی کثیر تشکیلی نوعیت بھاری صنعتوں کی ترقی کی رفتار سست کرتی تھی اور بھاری صنعتوں کی ترقی ہی ان تشکیلوں کو مٹانے کی ضمانت کر سکتی تھی۔نوآبادیاتی محکومیت کے دوران ہندستانی صنعت کی اصلی پسماندگی کو دور کرنا کسی بھی انفرادی ردوبدل (مثلاً بھاری صنعت میں بعض بڑے پیمانے کے کاروبار قائم کرنے یا ہندستانی کارخانہ داروں کے بڑھتے ہوئے اثر) سے ناممکن تھا۔

آخر میں ملک کی معیشت کے اندر قوتوں کے تعلق باہمی نے غیر ملکی اور قومی بورژوازی کے درمیان تصادموں کا حل کرنے کے طریقوں کا بڑی تک تعین کیا۔حکومت کی مشینری پر اپنے اختیار کے ذریعے ہی برطانوی بورژوازی نے ہندستانی سرمایہ داروں کو پس منظر میں ڈھکیل دیا تھا۔ حالانکہ موخرالذکر ہی براہ راست صنعتی پیداوار کے حلقے میں اور گھریلو منڈی میں زیادہ طاقتور تھے۔اس لئے ہندستانی اور غیر ملکی بورژوازی کے درمیان معاشی تضادات لازمی طور پر سیاسی تصادم کی صورت اختیار کر لیتے تھے۔ یہ

تضادات برطانوی نوآبادیاتی اقتدار کوختم کر کے ہی کامیابی کے ساتھ ختم کئے جاسکتے تھے کیونکہ جب تک غیر ملکی مالیاتی سرمائے نے اپنا سیاسی اقتدار برقرار رکھا تب تک وہ ہندستان میں قومی سرمایہ دارانہ کاروباروں کی مزید نشوونما اور ترقی کی راہ میں زبردست رکاوٹ بنا رہا۔

صنعت کاری کی عام حکمت عملی

تمام ترقی پذیر ملکوں میں غالباً سب سے زیادہ طاقتور قومی بورژوازی ہندستان کی ہے۔ چونکہ بے شمار زمیندار، راجے مہاراجے اور پرانے جاگیردار طبقوں کے دوسرے نمائندے اب بھی باقی تھے اور چونکہ غیر ملکی سرمایہ اپنے قدم جمائے ہوئے تھا، اس لئے حکمراں طبقے کی حیثیت سے اپنا اقتدار مستحکم کرنے کو قومی بورژوازی کے لئے صرف ایک یہی راستہ رہ گیا تھا کہ وہ جدید سرمایہ داری کو ترقی دے۔ اس حقیقت نے صنعت کاری کو پیش پیش کر دیا۔

برطانوی نوآبادیاتی حکومت کی پالیسی نے صنعت کاری کی جانب ہندستانی سماج کے بہت سے طبقوں اور حلقوں کے رویے پر گہرا اثر ڈالا۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں اس صدی کی تیسری دہائی کی ابتدا تک نوآبادیاتی حکومت ایسے ہر اقدام کی مخالف تھی جس کا مقصد مقامی صنعت کو غیر ملکی مقابلے سے محفوظ کرنا ہو۔ لیکن بعد کے دور میں نوآبادیاتی حکومت کی پالیسی زیادہ لچک دار ہوگئی تھی اور مقامی صنعت کی انفرادی شاخوں کے لئے حفاظتی اقدامات کرنے کی اجازت ہوگئی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ بعض بھاری صنعتوں میں کاروباروں کا قیام روکنے کے لئے معاشی دائرے سے باہر براہ راست اقدامات بھی کئے گئے۔[11]

دوسری عالمگیر جنگ نے پرزور طریقے سے مظاہرہ کیا کہ گھریلو طلب پوری کرنے یا فوج کو مطلوبہ صنعتی مال فراہم کرنے کے لئے ہندستان قطعی تیار نہیں تھا۔ اس لئے برطانوی نوآبادیاتی حکومت کو بحالت مجبوری بھاری صنعتوں میں صنعتی کاروباروں کی ترقی کی ہمت افزائی کرنی اور دراصل ان کی تعمیر شروع کرنی پڑی۔ اس پالیسی نے اس عقیدے کو بڑھاوا دیا کہ ملک کی معاشی ترقی صرف صنعتی ترقی کی بنیاد پر ہی ممکن ہے جس میں بھار صنعتوں پر بہت ہی زور دیا گیا ہو۔

ان عناصر نے صنعت کاری کے خیالات ذہن پر نقش کر دینے میں حصہ ادا کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے

کہ اپنی صنعت کاری کے ابتدائی مرحلوں میں ہی ہندستان نے بھاری صنعتوں کی پیداوار کو ترقی دینے میں سبقت پر زور دیا۔ چونکہ ملک کی صنعت کاری کا بنیادی مقصد خود کفیل معیشت کا قیام تھا اس لئے صنعتی ترقی کے رخ کا خاص زور درآمدی مال کا بدل تیار کرنے کی صنعتیں قائم کرنے پر تھا۔ اس رویے نے صنعت کاری آسان کر دی کیونکہ اس نے ملک میں غیر ملکی مقابلہ بازی کے دباؤ کو محدود رکھا اور منڈی کا نظام قائم کرنے کو بڑھاوا دیا۔ لیکن درآمدات کا بدل تیار کرنے والی صنعتوں کو ترقی دینے پر زور کا لازمی نتیجہ برآمدات کے سیکٹر کی اہمیت کو اصلیت سے کم سمجھنے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ اور یہ بھی صنعت کاری کی صورت حال میں جب کہ غیر ملکی زرمبادلہ کی ضرورت میں تیزی سے اضافہ ہو گیا تھا۔

صنعت کاری کے تصور نے ملک کی معیشت میں زیریں تشکیلوں کے غلبے کو بھی پیش نظر رکھا۔ تیز رفتار صنعتی تبدیلیاں ظاہر ہے ملک کے سماجی و معاشی مسائل میں شدت بھی پیدا کر سکتی تھیں۔ ان تمام باتوں کے پیش نظر ملک کی صنعت کاری نے بحیثیت مجموعی پوری معیشت میں صنعتی انقلاب کی تکمیل کو نہیں بلکہ سرمایہ دارانہ ترقی یافتہ سیکٹروں میں قومی بنیاد پر محض تجدید پیداوار کے نظام ک تنظیم کو شرط اول بنایا۔

اس سے بھی زیادہ یہ کہ اس کا مقصد چھوٹے پیمانے کی غیر مشینی پیداوار کے حلقے کے اندر قطعی اور نسبتی ہر دو اعتبار سے توسیع میں کامیابی حاصل کرنا تھا۔ بہ الفاظ دگر معیشت کے دونوں سیکٹروں یعنی مشینی اور جسمانی دونوں طرح کی محنتوں پر مبنی سیکٹروں کی عرصہ دراز تک بقائے باہم اور بیک وقت ترقی کو ناگزیر تصور کیا جاتا تھا۔ یہ تھی وہ دوہری مخصوص ہندستانی نمونے کی صنعت کاری جس نے صنعت کاری کے تصور اور عمل دونوں کی کرداری خصوصیت واضح کی۔ یہی وہ عنصر بھی تھا جس نے سماجی محنت کی کارگزاری میں اضافوں اور سماجی تشکیل کے تغیر و تبدل دونوں پر صنعت کاری کے اثر کی سست رفتاری کا تعین کیا۔

صنعت کاری کے ہندستانی تصور کا ایک اور جز مخلوط معیشت کا تصور تھا یعنی سرکاری اور نجی سیکٹروں کی بقائے باہم اور ان کے درمیان عمل باہم۔ چونکہ ہندستان کی پسماندہ اور کثیر تشکیلی معیشت میں صنعت کاری کو مسلسل بہت سے مسئلوں کا سامنا ہوا یعنی مالیاتی اور مادی وسائل کی قلت، عالمی منڈی اور غیر ملکی ٹکنیکی معلومات اور ترکیبوں پر انحصار، تنگ گھریلو منڈی وغیرہ، اس لئے اس کی مزید ترقی کا بڑا دارومدار اس بات پر رہا کہ صنعتی میں حکومت سرگرم شرکت کرے۔ بہت سی بھاری صنعتیں قائم کرنا اور انہیں ترقی دینا حکومت کا فرض تصور کیا گیا۔ قومی اور غیر ملکی نجی سرمائے پر یکساں بھروسہ کرتے ہوئے نجی سیکٹر کو بھی نئی

صنعتیں قائم کرنے میں اہم حصہ ادا کرنا تھا۔ خیال یہ کیا جاتا تھا کہ وسیع پیمانے پر نجی غیر ملکی سرمائے کی شرکت سے مالیاتی اور مادی وسائل اور ٹکنیکی معلومات اور ترکیبیں جن کی سخت ضرورت تھی، زیادہ آسانی سے حاصل کرنا ممکن ہو جائے گا۔

نئی صورت حال میں حکومت کے معاشی وظائف میں خاصی توسیع کرنی پڑی تا کہ ان میں مندرجہ ذیل فرائض بھی شامل ہو جائیں: معیشت کے زیادہ پسماندہ سیکٹروں میں براہ راست کاروبار شروع کرنے کی سرگرمیاں؛ نئی صنعتی تعمیر میں نجی سیکٹر کو مدد دینا اور اس سیکٹر کو غیر ممالک کے مقابلے سے محفوظ کرنا؛ نجی سیکٹر کی مختلف شاخوں میں ترقی کا باہم تعلق پیدا کرنا اور باقاعدگی لانا اور نجی اور پبلک سیکٹروں کے درمیان عمل باہمی کی مناسب تنظیم کرنا۔ بہ الفاظ دگر صنعت کاری کا تصور نہایت ہی وسیع ریاستی سرمایہ دارانہ اقدامات سے قریبی طور پر وابستہ تھا۔ ایک طرح سے صنعت کاری کو سرکاری مداخلت اور شرکت کا براہ راست نتیجہ تصور کیا گیا۔

سرکاری کردار کی قیاسی تقویت سے نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ منصوبہ بندی رائج کی جائے۔ ویسے صنعت کاری کے مقصد کے لئے منصوبہ بندی کی ضرورت ہندستان سیاسی رہنماؤں نے بہت عرصہ قبل یعنی اس صدی کی چوتھی دہائی کے اواخر ہی میں تسلیم کر لی تھی۔ مگر صنعت کاری اور منصوبہ بندی کے درمیان قریبی تعلق پیدا کرنے میں بہت سے دوسرے عناصر نے بھی حصہ ادا کیا۔ ان میں سے نا قابل ذکر یہ ہیں: سماج کا (یا کم از کم حکمراں طبقے کا) قومی معیشت کی نشوونما اور ترقی کی رفتار بڑھانے اور اس کی سیکٹری تشکیل بدلنے کی ضرورت تسلیم کرنا؛ معاشی عوامل کی نوعیت اور ملک کی پسماندہ معیشت کی تبدیلی کے دوران نمودار ہونے والے فرائض سمجھنا اور عالمگیر معاشی عوامل میں ہندستان کی شمولیت کی حد۔

یہ حقیقت کرداری نوعیت کی حامل ہے کہ بہت سے ہندستانی سیاسی رہنماؤں اور معاشیات دانوں نے صنعت کاری کو ایک جامع عمل تصور کیا جو دوسرے سیکٹروں کی معیشت بھی اپنی گرفت میں لے آتا ہے۔ یقین کیا جاتا تھا کہ صنعت کاری مطالبہ کرے گی کہ مادی اور مالی وسائل از سر نو تقسیم ہوں، ذرائع پیداوار پیدا اور صرف کرنے والے سیکٹر و کی نشوونما اور ترقی کی جائے، عالمی منڈی سے تعلقات میں تبدیلیاں کی جائیں وغیرہ۔ یہی وجہ ہندستانی منصوبہ بندی کی ہمہ گیر نوعیت کی ہے جس نے تمام کلیدی معاشی سیکٹروں کا احاطہ کیا ہے۔ یہی خصوصیت ہندستانی منصوبہ بندی کو بہت سے دوسرے ترقی پذیر ملکوں کی منصوبہ بندی

سے ممتاز کرتی ہے جہاں اکثر صرف کسی انفرادی صنعت یا سیکٹر کے لئے ترقی کے پروگرام مرتب کئے جاتے تھے۔

مذکورہ بالا تصور کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مفصل اور جامع معاشی پالیسی مرتب کی گئی۔ اور باتوں کے علاوہ اس میں اہتمام کیا گیا کہ بعض صنعتوں کو چھوٹے پیمانے کی پیداوار کے لئے اور نجی (منظّم) اور سرکاری سیکٹروں کے لئے محفوظ کر دیا جائے، نجی کاروبار شروع کرنے میں سہارا دینے کے لئے خاص سرکاری تنظیمیں قائم کی جائیں۔ قدرتی بات ہے کہ بحیثیت مجموعی معاشی ترقی اور خاص طور پر صنعتی ترقی کی رفتار بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس پالیسی پر بار بار از سرنو غور کیا گیا اور تخصیص کی گئی۔ تبدیلیوں اور ردوبدل کا بہترین عکس ملک کے پنجسالہ منصوبوں میں نظر آتا ہے۔

چنانچہ صنعت کاری کا ہندستانی تصور مندرجہ ذیل خصوصیات کا حامل رہا: (ا) صنعت کاری کو ایسا عمل سمجھنا جو معیشت کے صرف جدید سیکٹروں کی کایا پلٹ کرے؛ (ب) بھاری صنعت کے لئے نشوونما اور ترقی کی شرحوں میں سبقت حاصل کرنا؛ (ج) ریاست کا پیش پیش حصہ اور نجی، جس میں غیر ملکی بھی شامل ہے، سرمائے کی مستحکم حیثیت کو برقرار رکھنا؛ (د) صنعت کاری کی منصوبہ بندی؛ (ر) چھوٹے پیمانے کی سرمایہ دارانہ اور چھوٹی جنس تجارت کی صنعتی پیداوار کو نہ صرف برقرار رکھنا بلکہ اس کو وسعت دینا۔

اس طرح صنعت کاری کا ہندستانی تصور مغربی نمونے اور صنعت کاری کے سوویت تصور دونوں سے بہت مختلف تھا۔ مغربی نمونے سے تو وہ وسیع پیمانے کی ریاستی سرمایہ دارانہ اقدامات کے اور زمرہ اول اور زمرہ دوئم کی صنعتوں کی نشوونما اور ترقی میں تسلسل کی سخت ترتیب کے باعث مختلف تھا اور سوویت تصور سے وہ اپنے سماجی و معاشی کردار کے اعتبار سے (جس میں ذرائع پیداوار کی ملکیت کی نوعیت بھی شامل ہے) اور مقصد کے اعتبار سے نیز جدید ترین ذرائع پیداوار سے کئی صنعتوں کی ٹکنیکی از سرنو آراستگی میں کام کی محدود نوعیت کے اعتبار سے مختلف تھا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صنعت کاری کا ہندستانی تصور ہندستان کی حقیقتوں سے کس قدر مطابقت رکھتا ہے؟ اگر ہم اس حقیقت کو نقطۂ آغاز بنا کر آگے بڑھیں کہ ملک کو جن معاشی مسئلوں کا سلسلہ درپیش ہے اس کی مرکزی کڑی صنعت کاری ہے تو ہمیں یہ دریافت کرنا چاہئے کہ صنعت کاری کے ہندستانی تصور کی تکمیل کی کم از کم اولین شرائط کیا ہیں۔ دوسرے ملکوں کے تجربے سے معلوم ہوتا ہے کہ کم از کم تین اولین

شرطیں ہوتی ہیں: (ا) جدید صنعت کے ڈھانچے کی تخلیق سے پہلے کی مدت میں بڑے پیمانے کی جمع؛ (ب) ان صنعتوں کو ترقی دینے میں تیز رفتاری جو زیرِعمل سرمائے کے مادی عناصر فراہم کرتی ہوں جن میں روزمرہ استعمال کا سامان (خصوصاً غذا) اور وہ کچا مال بھی شامل ہے جو نئی نئی قائم ہونے والی صنعتوں کو درکار ہوتا ہے؛ (ج) ذرائع پیداوار کی بڑھتی ہوئی طلب۔ صنعتی نشوونما کے یہ بنیادی وسائل ہندستان میں کافی لچکدار ثابت نہیں ہوئے جس کی وجہ سے صنعت کاری کی رفتار نسبتاً سست رہی، بیچ بیچ میں رکاوٹیں آئیں اور جس کا نتیجہ زبردست اخراجات کی صورت میں نمایاں ہوا۔

اس کے علاوہ بھاری صنعت کی ترقی نے معیشت کے دوسرے سیکٹروں میں ترقی پر بھروسہ نہیں کیا اور خود صنعت کاری (توقعات کے برعکس) بنیادی کم کارگزاری والی تشکیلوں پر انہیں جدید کرنے کے سلسلے میں کوئی نمایاں اثر نہ ڈال سکی، نہ ہی اس نے ان میں محنت کی کارگزاری بڑھائی وغیرہ وغیرہ۔ بھاری صنعتوں کے مجموعے کی تخلیق کو بحیثیت مجموعی کل معاشی نشوونما اور ترقی کے لئے بنیادی قائم کرنی تھیں، لیکن مشینی اور جسمانی محنت کے سیکٹروں کی بقائے باہم کے حالات کے تحت اس مجموعے نے بڑی حد تک جدید تشکیل کی اور زیادہ ترقی یافتہ معاشی سیکٹروں جیسے صنعت، ٹرانسپورٹ، ذرائع رسل ورسائل اور بڑے پیمانے کی تعمیر کی خدمت انجام دی۔ ہندستانی معیشت کا عدم ارتکاز قومی معیشت کے مختلف سیکٹروں اور تشکیلوں کی جانب ہندستانی نظریات دانوں کے امتیازی رویے کی وضاحت کرتا ہے۔ جس نے معیشت کے اصل اتحاد اور اس کے اجزا کی باہم وابستگی کی مفاہمت کو ایک حد تک دھندلا کر دیا۔ اس لئے کثیر تشکیلی معیشت کے نمو کے اندرونی قوانین اور نظریے کی وضاحت میں صاف کوتاہیوں کے ملے جلے اثر کے باعث ہندستان کی معاشی نشوونما اور ترقی غیر متوازن رہی اور بالائی اور زیریں تشکیلوں کے درمیان خلیج بڑھ گئی۔

صنعت کاری میں حکومت کا حصہ

ترقی پذیر ایشیائی ملکوں میں سے اگرچہ ہندستان نے شاید سب سے زیادہ بااثر قومی بورژوازی بنالی ہے مگر وہ تعداد، مالیاتی قوت اور تشکیل کے اعتبار سے ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں کی بورژوازی سے کہیں کمزور تھی۔ سوویت معاشیات داں س۔ نادیل کے تخمینے کے بموجب کارآمد طریقے سے برسرکار آبادی میں بورژوازی کا تناسب ریاستہائے متحدہ امریکہ میں 3 فیصدی تک پہنچ جاتا ہے جب کہ نوآبادیاتی دور

کے اختتام پر ہندستان میں یہ خص 0.3 تھا۔

ہندستانی بورژوازی مالیاتی اعتبار سے بھی نسبتاً کمزور تھی۔ تمام افراد کی واسط آمدنی قومی فی کس آمدنی کی قریب قریب پچاس گنی تھی مگر نقد رقم کی صورت میں وہ 47-1946 کے مالی سال میں فی کس محض 10800 روپے (3300 ڈالر) تھی۔ اس کے علاوہ سرمائے کا ارتکاز نسبتاً کم تھا۔ مشترک سرمائے کی کمپنیوں کا بورژوازی کی مجموعی آمدنی میں حصہ تقریباً 30 فیصدی تھا جب کہ منافع کا بہت بڑا حصہ (80 فیصدی) روایتی صورتوں یعنی انفرادی کاروباروں، غیر تقسیم شدہ کنبوں، رجسٹری شدہ اور بے رجسٹری شدہ کاروباری کمپنیوں سے آیا۔

لیکن وہ سرمایہ بھی جو موجود تھا معیشت کی غیر پیداواری شاخوں میں بری حد تک استعمال ہوتا تھا۔ آمدنی کے بنیادی سرچشموں تجارت، مالیات، غیر منقولہ جائداد، تمسکات پر سود وغیرہ شامل تھے۔ دوسری عالمی جنگ کے دوران میں غیر پیداواری حلقے سے حاصل ہونے والی آمدنیوں میں نمایاں اضافہ ہو گیا تھا کیونکہ بہت سی قسموں کے سامان کی شدید قلت تھی اور چور بازار کے دھندے ہوتے تھے۔ خصوصاً تجارت سے بورژوازی کو حاصل ہونے والے منافع کا تناسب 41-1940 میں 26.1 سے بڑھ کر 47-1946 میں 30.3 فیصدی ہو گیا۔ 12 بہ الفاظ دگر قومی بورژوازی کے سرمائے کے وسائل نہ تو مقدار کے اعتبار سے اور نہ ہی خاصیت کے اعتبار سے اس قابل تھے کہ وہ صنعت کاری کی ضرورتیں پوری کر سکتے۔

قومی بورژوازی کی کمزوری نے ہندستانی حکومت کو مجبور کیا کہ ملک کی صنعت کاری جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ متعدد اقدامات کرے، خاص طور سے نجی کاروبار کو بڑھاوا دے، اس کی سرگرمی میں باقاعدگی پیدا کرے، سرکاری اور نجی سیکٹروں کی نشوونما میں باہمی تعلق پیدا کرے، سرکاری کاروبار شروع کرے۔

ان اقدامات کے درمیان ایک قریبی تعلق موجود ہے۔ زیادہ تفصیلی وضاحت کے لئے ہم ان کا الگ الگ تجزیہ کرنا چاہتے ہیں۔

کنٹرول کی تعریف یہ کی جا سکتی ہے کہ یہ قانونی اور انتظامی اقدامات کے وسیلے سے تجدید پیداوار کے حسب معمول عمل کی ضمانت کرنے کی معاشی پالیسی پر عمل درآمد کرانا ہے۔ معاشی نشوونما اور ترقی

کا کنٹرول کسی بھی جدید ریاست کا حسب معمول فرض ہے۔ ہندستان میں ریاست کے کنٹرول کی نمایاں خصوصیات میں ملک کی کثیر تشکیلی معیشت کے تحت اس کا نہایت ہی مخصوص کردار اور صنعتی منصوبہ بندی کی مخصوص نوعیت بھی شامل ہیں۔ یہی وہ مخصوص حالات ہیں جو ہندستان میں ریاست کے کنٹرول کی قوت اور کمزوری کا تعین کرتے ہیں۔

چونکہ کنٹرول جنس تجارت اور زر کے اور سرمایہ دارانہ تعلقات کے قوانین کے استفادے مبنی ہے اس لئے یہ صرف ان معاشی تشکیلوں کے اندر ہی ممکن ہے جہاں یہ قوانین پہلے ہی سے کارفرما ہوں، بہ الفاظ دگر یہ سرمایہ دارانہ تشکیلوں کے اندر ہی ممکن ہے۔ لیکن یہاں بھی ریاست کے کنٹرول کی تاثیر محدود ہوتی ہے کیونکہ متعلقہ تشکیلیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں اور اس کا تعلق ایسے مختلف عناصر سے ہوتا ہے جیسے چھوٹے کاروبار اور کسی بڑی بین الاقوامی اجارہ داری کی شاخ۔ ایک اور عنصر جس نے تاثیر کو محدود کر دیا وہ حکومت کے قواعد وضوابط کی تعمیل پر قابو رکھنے کے لئے سرکاری عہدیداروں کی پوری ایک فوج کی فوج رکھنے کی گنجائش کا نہ ہونا ہے۔

زیریں یعنی نیم خود کفالتی اور چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی تشکیلوں میں جہاں منڈی کے قوانین کا عمل محدود یا ماضی کی مختلف باقیات کے باعث مسخ ہو گیا تھا، صورت حال اور بھی افسوسناک تھی۔ ان تشکیلوں میں حکومت کا نافذ کیا ہوا کنٹرول کم تاثیر تھا۔ زراعت، چھوٹے پیمانے کی صنعت اور خردہ تجارت جیسی کلیدی شاخیں حکومت کے کنٹرول کے دائرے سے دراصل باہر تھیں۔

آخری بات یہ کہ ہندستان میں حکومت کے کنٹرول کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ مستحکم دفتر شاہی عنصر غالب تھا۔ اہم فیصلے کرنے میں بار بار کی تاخیر نے پیداواری قوتوں کی نشوونما اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈالی اور اسے معرض التوا میں ڈالا۔ بارہا ایسا ہوا کہ فیصلے کرنے میں اتنی دیر ہو جاتی تھی کہ وہ منڈی کی تیزی سے بدلتی ہوئی صورت حال کے مطابق نہ رہ جاتے تھے۔ یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ بعض ہندستانی حلقوں میں سمجھا جاتا تھا کہ معاشی محاذ پر ناکامیوں کا خاص سبب حکومت کا کنٹرول ہے۔

ان سارے ریاستی سرمایہ دارانہ اقدامات کے نتیجے میں سرمایہ دارانہ تشکیلوں نے اپنی معاشی حیثیت مستحکم کرنی شروع کر دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اول تو ہندستان میں سرمایہ دارانہ نشوونما ابھی تک ملک کی معیشت کے تمام حلقوں کو متاثر نہیں کر سکی ہے۔ سرمایہ دارانہ تشکیلوں کو سبقت دینے کے باعث ملک

کے معاشی نظام کے قطبینی ارتکاز کی رفتار بڑھ گی۔اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیں سرمایہ دارانہ سماج کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور سب سے زیادہ پسماندہ پیداواری قوتوں اور پیداواری تعلقات کی بقائے باہم نظر آتی ہے۔دوسرے،حکومت کے کنٹرول کی موافقت ملک کی معیشت کو اثر انداز کرنے والی تیز رفتار تبدیلیوں سے پچھڑی رہی۔اس کے علاوہ کچھ اور ہو بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ صرف صنعت ہی میں حکومت کا کنٹرول گھریلو صنعت سے لے کر اجارہ داریوں تک بہت سے مختلف عناصر کا احاطہ کرتا ہے۔

اس حقیقت کی بھی کچھ اہمیت نہیں تھی کہ کنٹرول کی صورتیں ''معمول کے مطابق'' صرف سرمایہ دارانہ نشو ونما اور ترقی کی ضرورتوں کے بموجب تھیں۔سرمایہ دارانہ ترقی کے مروجہ طریقوں سے کوئی بھی انحراف حکومت کے کنٹرول کے نظام کے راستے میں ہمیشہ رکاوٹ بن جاتا اور اس طرح اس کی تاثیر گھٹا دیتا۔اس سلسلے میں قومی معیشت کے استحکام پر تیز رفتار صنعت کاری کا اثر مثالی ہے۔اس صدی کی چھٹی دہائی کے وسط میں تیز رفتاری سے صنعت کاری کی جانب عبور نے، جو ترقی کے روایتی سرمایہ دارانہ طریقوں سے گریز تھا، موجودہ مادی اور مالی وسائل، نجی آمدنیوں کی تقسیم اور استعمال، درآمدی و برآمدی تشکیلوں وغیرہ پر کنٹرول کے انتظامات پر خاص مطالبات عائد کئے۔لیکن تیز رفتار صنعت کی جانب عبور کے کی نوعیت اور طریقوں میں بنیادی تبدیلیاں نہیں کی گئیں۔یہی وجہ تھی کہ وہ ملک کی معیشت میں خود بخود نمودار ہونے والے مظاہر کو نہ روک سکی، یہاں تک کہ ان کو سنجیدگی کے ساتھ محدود بھی نہ کر سکی۔چھٹی دہائی کے اواخر ہی میں غیر ملکی زرمبادلہ کے بحران کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ساتویں دہائی کے آغاز میں افراط زر کا غذی کے رجحانات دن بدن زیادہ نظر آنے لگے اور اس کے ساتھ ہی صنعت میں رفتہ رفتہ زائد صلاحیت کا جماؤ ہونے لگا۔67-1966 کی معاشی سرد بازاری کے جھٹکے کو ہلکا کرنے کی بات تو دور رہی حکومت کا کنٹرول نے درحقیقت اس میں اضافہ کیا۔بہ الفاظ دگر،حکومت کا کنٹرول صنعت کاری کے نہایت ہی مخصوص حالات کے مطابق ٹھیک طرح موزوں نہیں کیا گیا تھا۔

نتیجہ یہ ہے کہ اس صدی کی ساتویں دہائی کے وسط سے ہندستان میں حکومت کے کنٹرول کو محدود کرنے کی کوششیں ہوتی چلی آرہی ہیں۔بار بار ایسے مواقع آئے کہ لائسنس کی زد میں آنے والی نئی سرمایہ کاریوں کی سطح بلند کی گئی، حصص اور تمسک جاری کرنے پر لگایا ہوا کنٹرول اٹھا دیا گیا اور اسی طرح کچھ قسموں کے سامان کی قیمتوں کا کنٹرول بھی ختم کر دیا گیا۔اندازہ لگایا گیا کہ ہمہ گیر سرکاری کنٹرول کی

صورت کی بہ نسبت منڈی کے قوانین پر مبنی معاشی ارتقا زیادہ متوازن عمل ہوگا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ سرکاری کنٹرول پر پابندیوں نے کاروباروں کی زیریں شکلوں کی سرگرمیوں پر ناموافق اثر ڈالا تھا اور اس کے ساتھ ہی بڑے پیمانے کے سرمایہ دارانہ کاروباروں کے لئے بہتری کر دی تھی۔ اس کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ صنعت کی جدید شکلوں اور قومی معیشت کے سست رفتاری سے نمو حاصل کرنے والے حلقوں کے درمیان خلیج زیادہ چوڑی ہونے لگی۔ پھر اس خلیج کے بڑھنے سے ملک میں سماجی و سیاسی تضادات بڑھ گئے جنہیں بعد میں ان جمہوری اصلاحات کے ایک سلسلے سے جزوی طور پر حل کر لیا گیا جن پر ساتویں دہائی کے اواخر اور آٹھویں دہائی کے شروع میں عمل درآمد کیا گیا۔

ترغیبات اس کتاب میں ان سرکاری اقدامات کو کہتے ہیں جن کا مقصد نجی سیکٹر کے پیمانے کو وسیع کرنا اور اس کے منافع کو بڑھانا ہو۔ ان اقدامات میں نجی سیکٹر کو چنگی کے ذریعے محفوظ کرنا، محصولوں اور سرمایہ کاری میں رعایتیں دینا، ٹوٹ پھوٹ کی منہائی میں تیزی، نجی سیکٹر کی خدمت انجام دینے والے سرکاری قرضوں، سرمایہ کاری اور فروخت کا اہتمام دینے والی تنظیمیں قائم کرنا، نجی سیکٹر سے اونچے داموں پر مال خریدنا اور پیداواری سامان رعایتی قیمتوں پر مہیا کرنا شامل ہے۔ مندرجہ بالا اقدامات کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ ان کی تعمیل ریاستی بجٹ سے رقمیں لے کر انہیں نجی سیکٹر میں براہ راست تقسیم کر کے یا اس کے نتیجے میں ہونے والے اخراجات کا بوجھ آخری صارف کے کندھوں پر منتقل کر کے کی جاتی ہے۔ اس طرح اگرچہ ہندستانی سماج کے تمام حلقوں کو معاشی ترقی اور صنعت کاری کی رفتار بڑھانے سے گہری دلچسپی ہے لیکن سرکاری ترغیبات میں طبقات نوعیت کی طرف داری روز افزوں واضح ہوتی جا رہی ہے۔

ہندستان میں سرکاری ترغیبات کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ سرکاری کنٹرول کے برعکس شروع ہی سے اس کا مقصد ملک کی تمام صنعتی تشکیلوں کو اثر انداز کرنا تھا۔ اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ زیریں تشکیلوں کے اندر حکومت کی ترغیبات زیادہ جامع قسم کی تھیں اور زیادہ موافق شرائط پر کی جا رہی تھیں اور اس کا اولین مقصد یہ تھا کہ صنعت کی زیریں شکلوں کی سرمایہ دارانہ اور ٹکنیکی کایا پلٹ ہو جائے تاکہ انہیں بڑے پیمانے کی صنعت کے ساتھ ساتھ تجدید پیداوار کے ایک ہی چکر میں شامل کر لیا جائے۔

نجی کاروبار شروع کرنے کی ترغیبات کی غرض سے کئے گئے بہت سے مختلف اقدامات میں قرضے اور سرمایہ کاری کے نظام نے نمایاں حصہ ادا کیا۔ 1956 اور 1966 کے درمیان نجی سیکٹر کو سرکاری

تنظیموں سے کوئی 8ارب 70 کروڑ روپیے متوسط اورطویل مدتی قرضوں،حصص کی خریداورالتوائی ادائیوں کی ضمانتوں کی صورت میں ملے۔اس کے علاوہ اسٹیٹ بینک آف انڈیا اور اس کے ماتحت اداروں نے نجی سیکٹر کے برسرکارسرمائے کی سرمایہ کاری کے لئےمختصرمدتی قرضوں میں جس رقم کااضافہ کیا وہ3ارب 70 کروڑ روپیے تھی۔13س کے معنے یہ ہیں کہ نجی سیکٹر میں مستقل سرمائے کی نجی سرمایہ کاری میں مجموعی اضافے کا40فیصدی سے زیادہ حصہ اور برسرکارسرمائے میں اضافے کا کوئی 20فیصدی حصہ سرکاری وسائل سے فراہم کیا گیا۔چنانچہ سرکاری ترغیبات ان بڑے عناصر میں سے ایک تھا جنہوں نے مختلف سیکٹروں اورصنعتوں میں جمع کی ازسرنوتقسیم میں اورصنعت میں نجی سرمایہ کاری کے بتدریج نمو میں حصہ لیا۔اس طرح اس نے صنعتی پیداوارکو بحیثیت مجموعی وسیع کردیا۔

سرکاری ترغیبات نے بحیثیت مجموعی صنعتی نمو میں سہولت پیدا کی لیکن ساتھ ہی صنعت کاری کے رخ پرمحض بالواسطہ ہی اثر ڈالا۔سرمایہ داری کے تحت بیشترسرکاری مالیاتی اورقرضہ جاتی ادارے بڑی حد تک تجارتی بنیاد پرکام کرسکتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ہندستان کے مالیاتی اداروں نے قرضوں اوردوسری قسم کی مالی امداد کی درخواستوں پر نہ صرف صنعت کاری کے مقاصہ سے مطابقت کے نقطہ نظر سے بلکہ عرضی دینے والوں میں قرض کی ادائگی کی صلاحیت کے اعتبار سے بھی غورکیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ قرضوں کا بڑا حصہ یا تو نسبتاً بخوبی جمی جمائی صنعتوں کومہیا ہوا یا ان نئی صنعتوں کو جوصنعت کاری کی مزید ترقی کے لئے ثانوی اہمیت رکھتی تھیں۔بہ الفاظ دگرسرکاری ترغیبات ہلکی صنعتوں میں خلانجی سیکٹر کے ذریعے پرکرنے کےعمل میں ممدومعاون ثابت ہوئیں اوراس کاانجام یہ ہوا کہ انہوں نے صنعت کاری جانب بذات خودنجی سیکٹر کے عبورکی ہی رفتار بڑھائی۔

سرکاری ترغیبات کے سماجی ومعاشی نتائج بھی ایسے ہی متضاد نکلے۔ترغیبات کا خاص کردار یہ تھا کہ وہ مزیدنشوونما کے لئےمضمرصلاحیت تخلیق کریں۔اس صورت حال میں ذرائع پیداوار کے مالکوں پر ہی اس بات کا پورادارومدارتھا کہ وہ اس صلاحیت سے استفادہ کریں۔اسی طرح اس فیصلے کا اختیار بھی ان کو ہی تھا کہ یہ صلاحیت کس طریقے سے اورکس مقصد کے لئے استعمال کی جائے۔اس لئے سرکاری ترغیبات سرمایہ دارانہ تشکیلوں میں ہی سب سے زیادہ موثرتھیں جن کے پاس مطلوبہ جمع پونجی تھی اور کافی ٹکنیکی معلومات اورتجربہ بھی تاکہ اس صلاحیت کےسودمنداستعمال کی ضمانت کی جاسکے۔

چھوٹے پیمانے کی پیداوار میں صورت حال زیادہ پر پیچ تھی۔ بحیثیت مجموعی اس نے آزادی کے بعد کے زمانے میں نمایاں وسعت حاصل کی ہے۔ لیکن سرکاری ترغیبات نے اس حلقے میں سرمایہ دارانہ تعلقات کی عام نشوونما کے ساتھ ساتھ چھوٹے پیمانے کی اشیا سازی کی دو قطعینی صورت میں شدت پیدا کر دی۔ ایک طرف تو نیم خود کفالتی اور چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی پیداوار میں استحکام پیدا ہو گیا اور خفیف اضافہ ہوا جو محنت کی کارگزاری میں اضافے کے بجائے قوت محنت میں اضافوں کے ذریعے ہوا۔ دوسری طرف نہایت کثیر تعداد میں چھوٹی سرمایہ دارانہ پیداوار کی اکائیوں کے قیام کے لئے اور ان کے تھوڑے حصے کا رفتہ رفتہ متوسط اکائیوں میں تبدیل ہونے کے لئے موافق حالات نمودار ہو گئے۔

سرمایہ دارانہ صنعت کے اندر بھی سرکاری ترغیبات نے خاصیتی اعتبار سے پیچ میل عوامل پیدا کر دئے۔ ہندستانی اجارہ داریوں اور بڑی بورژوزی کو جن کے پاس جدید ترین ٹکنیکی سہولتیں موجود تھیں، جنہوں نے غیر ملکی کاروباری کمپنیوں سے ساجھیداری کر رکھی تھی، جن کے پاس قرضے لینے کی بہت اونچی صلاحیت تھی اور جن کے تعلقات انتظامیہ عملے سے نہایت مستحکم تھے، انہوں نے خاص طور سے فائدہ پہنچایا۔ 1956 اور 1966 کے درمیان سرکاری سیکٹر سے نجی سیکٹر میں تقسیم کے لئے جو مالیاتی وسائل مقرر کئے گئے تھے ان کے 50 فیصدی سے زیادہ حصے کو بڑے اور اجارہ دارانہ سرمائے کی 73 گروہ بندیوں نے اپنے قابو میں کر لیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ترغیبات نے اجارہ داریوں کی نشوونما کو بڑھاوا دیا اور ان کے معاشی اور سیاسی اثر میں موثر طریقے سے اضافہ کیا۔ 67-1966 کی معاشی سرد بازاری کی صورت حال میں اجارہ داریوں کے مزید تقویت حاصل کر لینے سے ہندستانی بورژوازی کی نچلی پرتوں کے مفادات متاثر ہوئے۔ جو تضادات موجود تھے ان میں اضافہ ہوا اور بورژوازی کے مختلف حلقوں اور گروہوں کے درمیان آپس کے جھگڑے بڑھ گئے۔

جب صنعت کاری شروع ہوگئی تو ہندستانی حکومت صرف نجی سیکٹر کے لئے ہی ترغیبات فراہم کرنے تک اپنے آپ کو محدود نہ رکھ سکی۔ جب آزادی حاصل ہوئی تو اس وقت ہندستانی بورژوازی مالی اور ٹکنیکی ہر دو اعتبار سے نسبتاً کمزور تھی اور ملک کی بھاری صنعتوں کی تعمیر کے لئے موثر کارروائیاں شروع کرنے کے قابل نہیں تھی۔ علاوہ ازیں مزید وسائل اور ٹکنیکی معلومات کی ضرورت، جن میں سے دونوں کو غیر ممالک سے درآمد کرنا لازمی تھا، یہ خطرہ پیدا کر رہی تھی کہ کہیں ہندستانی تجدید پیداوار کا بیرونی منڈی

اور غیر ممالک کی اجارہ داریوں پر، جن کا اثر پھر صنعت کاری کی مہم سے ابھرنے والی صنعتوں تک پھیل سکتا تھا، انحصار برقرار نہ ہوجائے۔ ان تمام حالات اور دوسری باتوں کا مطالبہ ہوا کہ قومی معیشت کے کئی سیکٹروں میں سرکاری کارخانے قائم کئے جائیں۔

معیشت کے مختلف سیکٹروں کے درمیان نہایت ہی نمایاں عدم توازن کا سامنا ہونے پر جو نو آبادیاتی دور سے ورثے میں ملا تھا، حکومت کو نہ صرف ذیلی تشکیلی کی بلکہ متعدد ان حلقوں کی بھی نشوونما کرنی پڑی جہاں روایتاً نجی کاروکا غلبہ ہوتا ہے (صنعت، تعمیر، جہاز سازی اور گردش کا حلقہ)۔ صنعت کاری کے ابتدائی مرحلوں میں بھاری صنعتوں کو قوت اوکچے مال کی قلتوں اور جمی جمائی منڈی کی غیر موجودگی سے پیدا ہونے والی دقتوں کا سامنا ہوا۔ ایسی حالت میں صنعت کاری صرف اسی صورت پیش قدمی کرسکتی تھی جب کہ ساتھ ہی ساتھ ایسے کاروباروں کو ترقی دی جائے جو ایندھن اور توانائی کی بنیاد تعمیر کرنے میں، کچا مال فراہم کرنے میں، اس کو تیار کر کے آلات اور اشیائے محنت میں تبدیل کرنے میں، نقل وحمل، تقسیم وغیرہ کی ضمانت کرنے میں ممد ومعاون ثابت ہوں۔

سرکاری کاروباروں کی توسیع نے ہندستان کی معاشی نشوونما اور ترقی کے پورے راستے پر گہرا اثر ڈالا۔ ایک تو یہی کہ (ہندستانی معیاروں کے مطابق) صنعت میں نہایت وسیع پیمانے پر سرکاری سرمایہ کاری نے صنعتی ترقی کو زوردار بڑھاوا دیا۔ اس کے علاوہ حکومت کی بڑی بڑی فرمائشوں نے پیداواری اور صرفے کی اشیا کی طلب میں خاصی توسیع کردی اور پھر اس کی وجہ سے صنعت میں نجی سیکٹر کی توسیع کی رفتار بڑھ گئی۔ دوسرے یہ کہ سرکاری سیکٹر میں متنوع بھاری صنعتوں کی مجموعے کے قیام نے ملک میں نقد جمع کو پیداواری اثاثے میں تبدیل کرنے کے حالات بہت ہی بہتر کردئے۔ درحقیقت ساتویں دہائی کے اواخر میں (برقی قوت کی صنعت کو چھوڑ کر) مجموعی صنعتی پیداوار میں سرکاری کاروباروں کا حصہ 25 فیصدی سے بھی بڑھ گیا تھا اور اس کا بیشتر حصہ پیداواری سامان پر مشتمل تھا۔ غیر ملکی زرمبادلہ کے کہنہ بحران کے تحت سرکاری کاروبار پورے ملک میں صنعتی تعمیر کی ترقی پر فیصلہ کن اثر ڈالنے لگے ہیں۔ بہ الفاظ دگر سرکاری کاروبار اندرونی تجدید پیداوار میں ایک اہم عنصر بن گئے ہیں۔

خالص معاشی وظائف کے علاوہ سرکاری کاروبار کے پیش نظر واضح سماجی وسیاسی مقاصد بھی ہیں۔ ان مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہندستانی حکومت کی پالیسیوں کو پرکھتے وقت ہندستان کی سماجی ومعاشی

تشکیل کے خصوصی خدوخال کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے جن میں سرمایہ داری سے پہلے کے اور عبوری تعلقات کا پھیلاؤ بھی شامل ہے۔ زرعی آبادی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی ہونے، کاریگروں اور دستکاروں کی صنعتوں کے برقرار رہنے وغیرہ کے حالات میں سرمائے کی ابتدائی جمع کے عوامل اور بطور خود سرمایہ دارانہ جمع کو اگر اپنا راستہ اپنے آپ اختیار کرنے دیا جاتا تو شدید سماجی بحران اور جھگڑے اٹھ کھڑے ہو سکتے تھے۔ اس طرح مختلف سماجی حلقوں کے درمیان تعلقات پر سرکاری کاروبار کا ایک حد تک سودمند اثر پڑا اور خاصی طویل مدت کے لئے سیاسی استحکام میں مدد ملی۔

ملک کی صنعت کاری میں سرکاری سیکٹر کے اہم حصے کے باوجود اسے توسیع دینے کی سرکاری پالیسی پر سرکاری سیکٹر کی پست کارگزاری کے باعث جسے عموماً نجی سیکٹر کی بہ نسبت کم منافع بخشی کے مترادف تصور کیا جاتا ہے، تنقید کی گئی ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ کارگزاری کو محض منافع بخشی کا ہی معاملہ تصور کرنا سراسر غلط ہوگا۔ کیونکہ سرکاری سیکٹر کے وظائف متنوع ہیں اس لئے اس کی کارگزاری کی پڑتال کرنے کی کئی کسوٹیاں ہونی چاہئیں۔ بڑی کسوٹیوں میں خردوکلاں معاشی کارگزاری کی باہم تکمیلی کسوٹیاں بھی شامل ہیں۔ کلاں معاشی کارگزاری کا اظہار معیشت کی شاخ وار تشکیل کے بدلتے ہوئے نمونے، دوسرے سیکٹروں کی جدید ترین کارخانوں اور مشینوں سے ازسرنو آراستگی، قومی پیمانے پر محنت کی کارگزاری کے بڑھنے وغیرہ میں ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ سرکاری سیکٹر کی صنعت میں جو خالص قدر پیدا ہوتی ہے اس کے خاصے بڑے حصے کی وصولیابی سرکاری سیکٹر سے باہر ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ پیداوار کے مجموعی یا اصلی اضافے میں پبلک سیکٹر ک صنعتوں کا واقعی جو حصہ ہوتا ہے اس کو ٹھیک ٹھیک رقم کی شکل میں ظاہر کرنا اگر ناممکن نہیں تو انتہائی مشکل ضرور ہے۔ نجی سیکٹر کی اعلیٰ منافع بخشی کا ایک حد تک سبب سرکاری سیکٹر سے نجی سیکٹر میں اصل قدر کی ازسرنو تقسیم ہے۔

دوسری کسوٹی وہ ہے جو خرد معاشی کارکردگی (منافع بخشی) کہلاتی ہے۔ اگرچہ کلاں معاشی کارکردگی گھٹا کر منافع بخشی کی اعلیٰ سطح حاصل کی جاسکتی ہے مگر اسے ایک خاص سطح پر ضرور پہنچنا چاہئے ورنہ سیکٹروں کے درمیان تناسبات میں فرق پڑ جائے گا اور کارخانوں کی پرانی بے کار مشینوں اور ساز و سامان کو بدلنا زیادہ مشکل ہو جائے گا۔ مختلف وجوہ کی بنا پر ہندستان میں سرکاری کاروباروں کی منافع بخشی کی سطحیں بہت ہی نیچی تھیں۔ اول تو، سرکاری سیکٹر کے قیام کے ابتدائی مرحلوں میں کلاں معاشی کارکردگی کے مقصد کو سب

پر فوقیت حاصل تھی اور خیال یہ تھا کہ سرکاری کاروباروں کو نہ تو منافع کمانے ہیں نہ نقصانات برداشت کرنے ہیں۔ قیمت مقرر کرنے کی پالیسی اسی کے مطابق مرتب کی گئی۔ جب سرکاری سیکٹر نے بڑھ کر معیشت کی کئی شاخوں میں غلبہ حاصل کرلیا تب ہی کہیں جا کر باقاعدگی کے ساتھ منافع حاصل کرنے پر زور دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ منصوبہ بندی میں حساب کی غلطیوں اور کوتاہیوں کا صنعتی کاروباروں کی منافع بخشی کی سطحوں پر خراب اثر پڑتا ہے۔ رکاوٹ پیدا کرنے والے دوسرے عناصر میں ہنرمند عملے کی قلت، کاروبار کی خوداختیاری اور قیمت مقرر کرنے کے متعلق ابھی تک تصفیہ طلب مسائل، دفتری گھس گھس وغیرہ شامل ہیں۔14 تیسرے، منافع بخشی کی سطح نیچی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مال کی قدر میں جو اضافہ ہوجاتا ہے اسے سرکاری ملکیت کے کاروباروں میں ان کے منافعوں کی شکل میں اتنا وصول نہیں کیا جاتا جتنا سود کی ادائگی اور ان کے مال پر لگے ہوئے محصول کی صورت میں۔ سرکاری اور نجی سیکٹر دونوں کے لئے ایک ہی طریقے سے حساب لگانے کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ ساتویں دہائی کے اواخر میں سرکاری کاروباروں کا منافع اس سرمائے کا 6 فیصدی تھا جو لگایا گیا تھا۔

ہندستان کی معاشی ترقی اور صنعت کاری پر ریاستی سرمایہ دارانہ اقدامات کا اثر عام طور پر درحقیقت متضاد تھا۔ یقیناً ان اقدامات نے قومی آمدنی میں جمع کے بڑھنے کو قدرے زوردار طریقے سے بڑھاوا دیا اور مختلف سیکٹروں میں سرمایہ کاریوں کی ازسرنو تقسیم میں ممد و معاون ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خودمختاری کے دوران جدید صنعتوں میں پہنچنے والے مالی وسائل قطعی اور نسبتی دونوں اعتبار سے بڑھ گئے۔ زمرہ اول کی صنعتوں نے زیادہ تیز رفتار سے ترقی کی۔ اس نے اصل صنعت کاری کی جانب عبور کے لئے زمین ہموار کی اور آخری تجزیے میں، پوری ہندستانی معیشت میں محنت کی کارگزاری بڑھانے کے لئے میدان تیار کیا۔

ایک اور بڑا نتیجہ یہ تھا کہ چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت کی تشکیل کی کایا پلٹ اور ہندستان کی سرمایہ دارانہ ترقی میں نمایاں تیز رفتاری آ گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھوٹی سرمایہ دارانہ تشکیل کی خصوصاً صنعت میں بڑی ہی شاندار توسیع ہوئی جہاں چھوٹے اور بڑے کاروباریوں کے پیداواری وظائف باہم ملجانے کے واقعات بھی دیکھنے میں آئے۔ بہ الفاظ دگر ملک کی معیشت میں عموماً اور صنعت میں خصوصاً سرمایہ دارانہ تجدید پیداوار نے روزافزوں حصہ ادا کرنا شروع کردیا۔

لیکن صنعت کی طرف سرمائے کا بہاؤ بڑھا کر حکومت سرمایہ دارانہ تجدید پیداوار پر قدرت رکھنے والے قوانین کے خودرو تاثر کو موثر طریقے سے ختم نہیں کر سکی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بعض صنعتوں میں سرمایہ ضروریات سے زیادہ پہنچ گیا اور کچھ ابھرتے ہوئے کاروبار حد سے زیادہ لاگت پر چلتے رہے۔ صنعت میں مختلف تشکیلوں کے درمیان ربط ضبط بے حد نا کافی ثابت ہوا۔

جب سماجی اور معاشی حالات یہ تھے تو ان کے تحت صنعت کاری کا عمل عالمی سرمایہ دارانہ منڈی اور غیر ملکی اجارہ داریوں پر ہندستانی معیشت کے بدستور بڑے انحصار کے سائے میں جاری رہا۔ یہی وجہ ہے کہ مقامی اور غیر ملکی صنعت کاروں کے درمیان تقسیم محنت کا وہ خاکہ باقی رہا جو ہمیشہ موافقانہ نہیں ہوتا اور درآمد، ٹکنیکی علم وغیرہ کی ضرورت بڑھتی ہی رہی۔ آخر میں یہ کہ غیر ملکی اجارہ داریوں سے وسیع تعلقات کے باعث منافع، قرضوں پر سود، رائلٹی وغیرہ کی شکل میں غیر ممالک کی جانب سرمائے کا بہاؤ بتدریج و مسلسل بڑھتا رہا۔

ان تمام عناصر نے مل کر ہندستانی صنعت کاری کو واقعی بڑا مہنگا عمل بنا دیا۔ اور بھی بری بات یہ ہوئی کہ اس پر سماجی سرمائے کے زبردست غیر پیداواری اخراجات کا بار بھی پڑا۔ چونکہ صنعت کاری کی بڑی حد تک سرمایہ کاری ضروری پیداوار کی ازسرنو تقسیم سے کی گئی تھی اس لئے اس کا بھاری مالیاتی بوجھ روزافزوں پیمانے پر ہندستانی آبادی کے کندھوں پر منتقل کر دیا گیا۔ اس نے پھر گھریلو منڈی کی توسیع میں رکاوٹ پیدا کی اور صنعت کے نمو کی رفتار سست کر دی۔

ہندستان کی کثیر تشکیلی معیشت کے حالات میں سرمایہ دارانہ صنعت کاری کی تعمیل نے متعدد ناموافق سماجی عوامل پیدا کئے جن میں خاص طور پر قابل غور اجارہ داریوں کا تیز رفتار نمو ہے۔ حکومت کے اقدامات کے پورے سلسلے کو اپنی معاشی قوت بڑھانے اور ملک کی معیشت اور سیاست پر اپنے اثر میں اضافہ کرنے کے لئے استعمال کرنے کا مقدور اجارہ داریوں کو ہی تھا۔ کثیر تشکیلی معیشت کے حالات میں اجارہ داریوں کو ہی تھا۔ کثیر تشکیلی معیشت کے حالات میں اجارہ داریوں کی توسیع نے ''نیچے سے'' سرمایہ دارانہ ارتقا کو روک دیا ہے۔ آخری تجزیے میں اس صورت حال نے معاشی بنیاد کے صنعتی تغیر و تبدل کی رفتار سست کر دی اور ہندستانی سماج کے مختلف طبقوں اور حلقوں کے درمیان سماجی ٹکراؤ میں اضافہ کر دیا۔ یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ اجارہ دارانہ رجحانات میں اضافہ بھی اس سیاسی بحران کے گہرے

اندرونی اسباب میں شامل تھا جو ہندستان میں ساتویں دہائی کے اواخر میں پیدا ہو گیا۔

صنعت کی بدلتی ہوئی تشکیل

موجودہ صدی کی چھٹی دہائی کے اواخر تک نئی صنعتی تعمیر کے پیمانے کا انحصار بڑی حد تک نجی کاروبار کرنے والوں کی کارروائیوں پر ہوتا تھا۔ سیکٹری سرمایہ کاریوں کا بڑی حد تک تعین ہلکی صنعت میں پائے جانے والے حالات کرتے تھے۔ جب ہندستان نے آزادی حاصل کی تو جی جمائی بڑے پیمانے کی ہلکی صنعتوں کی ترقی کے لئے صورت حال کچھ زیادہ موافق نہیں تھی۔ گھریلو منڈی اپنائی گئی تھی، بیرونی منڈی گلا کاٹنے والی مقابلہ بازی کا اکھاڑا بنی ہوئی تھی اور ملک کے اندر صارفانہ طلب بہت ہی سست رفتاری سے بڑھ رہی تھی۔ اس کے علاوہ ان جی جمائی صنعتوں کو حکومت کے سہارے کی قریب قریب کوئی سہولت حالت نہیں تھی اور ان میں سے بہتوں کی ترقی چھوٹے پیمانے کی پیداوار کو بڑھاوا دینے کی غرض سے جان بوجھ کر محدود رکھی جا رہی تھی۔ نتیجہ یہ تھا کہ چھٹی اور ساتویں دھائیوں کے دوران میں ان صنعتوں نے آبادی میں قدرتی اضافے سے محض قدم ملائے رکھے۔15

ان ہلکی صنعتوں کی توسیع کے لئے کہیں زیادہ مواقع فراہم تھے جو یا تو ابھی قائم ہی ہو رہی تھیں یا جن کا ابھی وجود بھی نہیں تھا۔ ان میں دودھ سے تیار ہونے والی چیزوں کی، اشیائے خوردنی ڈبہ بند کرنے کی، ڈبل روٹی کی، لباس تیار کرنے کی، کاغذ بنانے کی اور مصنوعی ریشے کی صنعتیں شامل تھیں۔ ان کے قیام میں قومی آمدنی کی تقسیم میں بڑھتی ہوئی عدم مساوات، درآمدات کے بدل کی تلاش، شہری آبادی میں اضافے اور صارفوں کے بدلتے ہوئے ذوق اور ترجیح کی بدولت سہولت پیدا ہوئی۔ لیکن ان صنعتوں کے تیار کئے ہوئے مال کے لئے گھریلو منڈی کی مطلق وسعت مختصر تھی اور قومی بورژوازی نے جو جمع کر لی تھی وہاں اس کے کسی خاص بڑے حصے کی کھپت نہیں ہو سکتی تھی۔

نئی ہلکی صنعتوں میں جو خلا موجود تھا وہ جیسے جیسے ختم ہوا ویسے ویسے نجی سرمایہ بھاری صنعت میں (جس میں دیرپا اشیائے صرف بھی شامل تھیں) منتقل ہونا شروع ہو گیا۔ اس صدی کی چھٹی دہائی کے اواخر میں جب حکومت کی سرمایہ کاری بھاری صنعت میں خاصی بڑھ گئی اور غیر ملکی سرمایہ کاریوں کے بہاؤ کا رخ بدل گیا تو اس عمل میں نمایاں تیز رفتاری آ گئی۔ تحفظات بڑھ جانے اور درآمد پر پابندیاں عائد ہو جانے

کے باعث غیر ملکی سرمایہ کاریوں کے بہاؤ کا رخ بھاری صنعت کی طرف بھی کر دیا گیا جس نے اس کی پیش قدمی کی رفتار نمایاں طور پر بڑھا دی۔

سماجی سرمائے کی توسیع شدہ تجدید پیداوار کے اپنے تجزیے میں مارکس نے واضح کیا ہے کہ سرمایہ دارانہ معیشت میں پیداواری ذرائع کی پیداوار اشیائے صرف کی پیداوار سے زیادہ ہوتی ہے۔ بھاری صنعت کی زیادہ تیز نشوونما اور ترقی کے لئے بنیاد کی اسی سے تشکیل ہوتی ہے۔ ترقی یافتہ صنعتی سرمایہ دار ملکوں کے تجربے بے واضح کیا ہے کہ صنعت کاری کے ابتدائی مرحلوں میں زمرہ اول کی صنعتوں کا نموزمرہ دوئم کی صنعتوں میں نشوونما کی رفتار کی بہ نسبت ہمیشہ تیز رفتار رہا اور دونوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ فرق 100 سے 120 فیصدی تک پہنچا۔ ہندستان میں یہ فرق کہیں زیادہ تھا۔ بھاری اور ہلکی صنعتوں اوسط سالانہ شرح ترقی کا تناسب پہلے پنجسالہ منصوبے کی مدت میں 1.9:1 ' دوسرے میں 3.3:1 اور تیسرے پنجسالہ منصوبے کی مدت میں 3.6:1 رہا۔16 تاثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہندستان میں پیداواری ذرائع کی طلب سے محض خفیف مجموعی پوری صنعت کے نمو اور اشیائے صرف کی طلب سے محض خفیف تعلق تھا۔ شرح نمو میں زبردست فرق کے پس پردہ کیا تھا؟

اول تو ہندستان میں مشینی صنعت، ذرائع نقل وحمل اور رسل ورسائل کے قیام کوئی سو سال بعد صنعت کاری شروع ہوئی۔ اس لئے قومی معیشت کی جدید شاخوں کی ٹوٹ پھوٹ کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ذرائع پیداوار خاصی بڑی مقدار میں مہیا کرنا پڑا۔ مقامی طور پر تیار کئے ہوئے اس قسم کے مال کی عدم موجودگی کی صورت میں ان کی طلب درآمدات سے پوری کرنی پڑی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ذرائع پیداوار کی طلب اور ان کی گھریلو پیداوار کے محدود پیمانے کے درمیان بڑے فرق نے ہی بھاری صنعتوں کی ترجیحی ترقی کے لئے موافق حالات پیدا کئے۔ بہ الفاظ دگر ابتدائی مرحلوں میں درآمد شدہ مال کی جگہ لے کر گھریلو منڈی میں بڑھتی ہوئی طلب سے قطع نظر بھاری صنعت کی نشوونما جاری رہ سکتی تھی۔

دوسرے، بڑھتی ہوئی جمع نے بھی بھاری صنعت کی ترجیحی نشوونما میں حصہ ادا کیا۔ جیسا کہ سب جانتے ہیں بھاری صنعت کی ترجیحی ترقی کی رفتار قومی معیشت میں جمع کی سطح پر نہیں بلکہ جمع کے حصے میں اضافے پر منحصر ہوتی ہے۔ 1951 اور 1960 کے درمیان ملک کی قومی آمدنی میں جمع کا حصہ قریب قریب دگنا ہو گیا (اور اگر ہم غیر ملکی امداد کو بھی شامل کر لیں تو اس نے 170 فیصدی کا اضافہ دکھایا)۔ جمع

کے حصے کے ایسے قابل لحاظ اضافے کا نتیجہ بھاری صنعت کی ترجیحی نشوونما اور ترقی ہوا۔

تیسرے، پاکستان اور چین سے فوجی تصادموں کے بعد دفاعی صنعتوں کی ترقی اور فوجی تعمیر نے بھی بھاری صنعت میں ترقی کی ترجیحی شرحوں کا مطالبہ کیا۔

چوتھے، ملک کی معیشت میں بعض تبدیلیاں بھی بھاری صنعت کی ترقی کی رفتار بڑھانے میں ممد ثابت ہوئیں۔ خاص طور پر زراعت اور چھوٹے پیمانے کی صنعت میں ریاستی سرمایہ دارانہ اقدامات نے ملک کی معیشت کی ان شاخوں میں پیداواری مال کی کھپت بڑھادی۔ قدرتی کچے مال کی جگہ کیمیاوی اور مصنوعی کچے مال کو زیادہ سے زیادہ دینے کے باعث ہلکی صنعت نے بھی بھاری صنعت کا تیار کیا ہوا مال طلب کرنا شروع کر دیا۔

آخر میں یہ کہ ہندستانی معیشت کے جدید سیکٹروں کی بھی خصوصیت مستقل سرمائے کی واضح فرسودگی اور جسمانی محنت سے وسیع پیمانے پر استفادہ تھی۔ چونکہ ان صنعتوں کی ازسرنو آراستگی نسبتاً جدید ترین ٹکنالوجی اور ساز وسامان پر مبنی تھی اس لئے اس نے قدرتی طور پر بھاری صنعت کی پیداوار کی طلب بڑھادی۔

لیکن بھاری اور ہلکی صنعتوں کی نشوونما کی رفتار میں فرق کو کہیں نہ کہیں تو رکنا ہی تھا کیونکہ پیداواری صرفہ ہمیشہ ذاتی صرفے سے قریبی طور پر متعلق ہوتا ہے۔ درآمدات پر پابندیوں سے پیدا ہونے والی خلا کے پر ہونے اور 1961 اور 1960 کے درمیان ملک کی قومی آمدنی میں جمع کے حصے کا اضافہ گھٹنے کے ساتھ ساتھ بھاری صنعت ترقی کی تیز رفتار اور طلب کی توسیع کی سست رفتار کے درمیان دن بدن زیادہ تضاد آنے لگا۔ 67-1966 کا معاشی بحران اس ارتقا کا انتہائی نقطہ تھا اور اس سے ملک کی بھاری صنعتوں میں زبردست کمی ہوئی۔ یہ بات قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ آئندہ بھاری صنعتوں کی ترقی مندرجہ ذیل دو عناصر پر پہلے سے کہیں زیادہ حد تک منحصر ہوگی: (1) صارف کی طلب میں توسیع اور (2) ذیلی تشکیلوں میں پیداواری مال کی فرخت میں اضافہ یعنی ان تشکیلوں میں سرمایہ دارانہ تغیر وتبدل۔ فی الحال ان عناصر میں سے کوئی بھی بھاری صنعت میں ترقی کی غیر متناسب تیز رفتار میں ممد نہیں ہے۔ ہندستان کی بھاری صنعت کے لئے بیرونی منڈی کی نمایاں توسیع کی امکانات بھی روشن نہیں ہیں۔

ہندستان کی بھاری صنعت میں ترقی کی تیز رفتار کے باوجود اس کی الگ الگ شاخوں کی ترقی

انتہائی غیر مساوی ہوئی ہے۔اس کا نتیجہ بحیثیت مجموعی پوری بھاری صنعت کے اندر کسی حد تک غیر متوازن تناسبات کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔سب سے پہلے تو کانکنی کی صنعت خام مال پر عمل کرنے کی صنعت اور برقی قوت کی پیداوار کے پیچھے پیچھے گھسٹ رہی ہے۔اور یہ ایک ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب کہ اسے نجی صارف کی ضرورتیں پوری کرنے کے علاوہ ذرائع نقل وحمل اور تعمیر کے بڑھتے ہوئے مطالبات سے قدم ملائے رکھنا چاہئے۔

خام مال پر عمل کرنے کی صنعت کے دائرے میں لوہے اور فولاد کی صنعت اپنی سب سے بڑی صارف ___ مشین سازی کی صنعت کے پیچھے گھسٹتی رہی۔علاوہ ازیں لوہے اور فولاد کی صنعت کو قومی معیشت کے دوسرے سیکٹروں کی ضرورتیں بھی پوری کرنی پڑیں۔آخر میں یہ کہ تعمیراتی اور ضمنی سامان کی صنعتیں بحیثیت مجموعی زمرہ اول کی صنعتوں سے پچھڑی رہیں۔آبی انجینیرنگ اور سول انجینیرنگ نے بھی تعمیرات کے سامان کی بڑی طلب کی جس کی قلت کے باعث بہت سے پروجیکٹوں کی تعمیر میں تاخیر ہوئی۔

تمام ہندستانی صنعتوں میں برقی قوت کی صنعت نے ترقی کی سب سے زیادہ رفتار قائم رکھی ہے۔ لیکن خود اس صنعت کے حلقے کے اندر ہی متعدد ایسے کاروبار قائم ہوئے جن میں برقی قوت کا استعمال شدت سے ہوتا ہے اور انہوں نے بڑی تیز رفتاری سے ترقی شروع کر دی۔اس کے علاوہ بہت سے جمے جمائے کاروباروں نے دخانی انجنوں کی جگہ برقی موٹریں استعمال کرنی شروع کر دیں، ریلیں بجلی سے چلائی جانے لگیں اور زراعت میں آبپاشی کی سہولتوں کو دن بدن زیادہ حد تک ان پمپوں سے آراستہ کیا جانے لگا جو بجلی سے چلتے ہیں۔ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے علاقوں میں بجلی کی قلت پیدا ہوگئی اور صنعت کے لئے برقی قوت کی فراہمی میں کمی کر دی گئی۔

ان تمام عدم تناسبات نے صنعت کاری کی رفتار سست کر دی۔سب سے پہلے تو انہوں نے پیداوار میں سرمائے کی طلب بڑھا دی کیونکہ بعض قسموں کے پیداواری مال کی پرانی قلت نے نصب شدہ صلاحیتوں سے پورا اور کارگزار استفادہ دشوار کر دیا۔دوسرے، یہ کہ متعلقہ اور منسلکہ صنعتوں کی غیر مساوی نشوونما اور ترقی نے عالمی منڈی پر انحصار سے صنعت کو آزاد کرنے کی رفتار سست کر دی۔درحقیقت رسد اور طلب کے درمیان عدم تناسب کو درآمدات کے ذریعے مٹانا پڑا۔درآمد شدہ مال زیادہ سستا تھا اور اس وجہ

سے اس کی گھریلو پیداوار میں اضافہ رکا رہا۔

اس کے ساتھ ہی صنعت کاری اور بعض صنعتوں کی غیر مساوی نشوونما اور ترقی نے ہندستانی صنعت کی شاخوار تشکیل میں خاصی تیز رفتار تبدیلی لانے میں حصہ ادا کیا۔ کانکنی کی صنعت میں ترقی کی سست رفتار کے باعث منظّم صنعتوں کی مجموعی پیداوار میں اس کا حصہ جو 1951 میں 4.4 فیصدی تھا گھٹ کر 1971 میں 4.0 فیصدی رہ گیا۔ 17 آزادی کے بعد سے ہندستانی کانکنی میں تین بنیادی عوامل کرداری خصوصیت کے حامل رہے ہیں: کچے مال کی صنعتوں کی بہ نسبت ایندھن نکالنے والی صنعتوں کا پچھڑا ہوا رہنا؛ ان معدنیات کے نکالنے میں اضافہ جن کو بعد میں صنعتی طور پر تیار کیا جاتا ہے اور برآمداتی رجحان کی صنعتوں میں کمی۔ اس طرح کانکنی کی صنعت میں ایسی تبدیلیاں واقع ہوئیں جن کے نتیجے میں وہ اندرونی تجدید پیداوار کے نظام عمل میں زیادہ سے زیادہ کھنچ آئی۔ لیکن خام مال پر عمل کرنے کی صنعت کے نمو کی خصوصیتیں اور عالمی منڈی سے اس کے رشتے ایسے تھے کہ ان سے ان قسموں کی معدنیات کی پیداوار کی رفتار سست ہو جاتی ہے جنہیں استعمال سے پہلے بہت اچھی طرح تیار کر لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہندستانی صنعت کے تجدید پیداوار کے نظام میں کانکنی کی صنعت غالباً سب سے کمزور کڑی ہے۔

ہندستان کی خام مال پر عمل کرنے کی صنعت کی تشکیل کے اندر کہیں زیادہ زبردست تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ سب سے پہلے تو 1951 اور 1971 کے درمیان مجموعی صنعتی پیداوار میں ہلکی صنعتوں کا حصہ بہت ہی کم ہو گیا (65 فیصدی تھا، 31 فیصدی رہ گیا)۔ زمرہ دوئم کے اندر بھی بعض تبدیلیاں ہوئی ہیں: سوتی کپڑے کی صنعت کا حصہ کم ہو گیا ہے، اسی طرح ان صنعتوں کا بھی جو زرعی پیداوار کو ابتدائی طور پر تیار کرتی ہیں جب کہ غذائی اور بہت سی نئی صنعتوں (لباس، فرنیچر، کاغذ، فاؤنٹین پین اور چھتریاں بنانے کی صنعتوں) کا حصہ خاصا بڑھ گیا ہے۔ نئے حالات میں اس نے ہلکی صنعتوں میں تنوع کی عکاسی کی ہے۔

گذشتہ تین پنجسالہ منصوبوں کے دوران میں صنعت کاری کے نتیجے میں بھاری صنعت کی ترقی کے حصے میں بڑا اضافہ نظر آیا ہے۔

لیکن یہ بات دھیان میں رکھنی چاہئے کہ صنعتوں کے مجموعوں میں سے ہر ایک کے اندر جو تبدیلیاں

رونما ہوئی ہیں وہ ان کی مطلق اور نسبتی توسیع سے لازمی طور پر مطابقت نہیں رکھتیں۔ اول تو بہت سی صنعتوں میں پیداوار کی توسیع بڑھتی ہوئی گھریلو طلب پوری کرنے کے لئے اشیائے صرف کی پیداوار بڑھانے سے شروع ہوئی۔ اس لئے مجموعی پیداوار میں موخرالذکر کا حصہ اب بھی بہت زیادہ ہے۔ مثلاً کیمیائی صنعت میں اور ذرائع نقل وحمل کی انجینیرنگ میں صارفانہ پیداوار اصل پیداوار کی 40 فیصدی سے بھی زیادہ ہے۔ دوسرے، نئی وضع کی اشیا درآمد شدہ کچے مال اور درمیانی اشیا کے وسیع پیمانے پر استعمال کی بنیاد پر تیار کی جاتی ہیں۔ ایک طرف تو اس سے پیداوار کی مجموعی قدر میں بھاری صنعتوں کا حصہ بڑھ جاتا ہے اور دوسری طرف اندرونی تجدید پیداوار کے نظام عمل پر ان کا تاثر اس سے کہیں کم ہوتا ہے جو متعلقہ اعداد ظاہر کرتے ہیں۔ آخر میں یہ کہ بھاری صنعتوں کے نسبتاً اعلیٰ تناسب کے باوجود ہندستان کی تجدید پیداوار کا اب بھی عالمی منڈی پر انحصار ہے۔

بحیثیت مجموعی صنعت کاری کے دوران میں ہندستانی صنعت کی شاخوار تشکیل میں بڑی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اور وہ ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں کی صنعت کے قریب پہنچ گئی ہے۔ لیکن ان میں سے بیشتر تبدیلیاں بڑے پیمانے کی منظّم صنعت میں رونما ہوئی ہیں۔ اگر بحیثیت مجموعی پوری ہندستانی صنعت کو پیش نظر رکھیں جس میں اس کی نچلی شکلیں بھی شامل ہوں، تو وہ تبدیلیاں اتنی رعب دار نظر نہیں آتیں۔ بنیادی صنعتی مجموعوں کے اندر اشیائے صرف کا تناسب اور اسی طرح مرمت اور ضمنی کاموں کا تناسب اب بھی بہت اونچا ہے۔ اس لئے اندرونی تشکیل کے اعتبار سے بھاری صنعت کے بنیادی مجموعے مثلاً لوہے اور فولاد، مشین سازی اور کیمیائی صنعت کے مجموعے صنعتی ملکوں کے ایسے ہی مجموعوں کی بہ نسبت خاصے مختلف ہیں۔

بیشتر ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں میں صنعت کاری کا آغاز نسبتاً زیادہ ترقی یافتہ اور مربوط معیشت میں ہوا تھا۔ اس لئے مادی پیداوار کی تمام شاخوں میں جدید ترین ذرائع پیداوار کی خاصی طلب موجود تھی۔ پھر صنعت کاری نے سرمایہ داری کی نشوونما اور ترقی کو بڑھاوا دیا اور معیشت کے مزید سرمایہ دارانہ اتصال میں سہولت پیدا کی، جس کا آخر کار نتیجہ یہ ہوا کہ معیشت کی تمام شاخوں میں صنعتی انقلاب آ گیا۔

ہندستان میں نمایاں طور پر مختلف صورت حال تھی۔ وہاں کثیر تشکیلی معیشت کے دائرے کے اندر صنعت کاری شروع ہوئی جہاں نیم خود کفالتی چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت، چھوٹی اور بڑی سرمایہ دارانہ

اور ریاستی سرمایہ دارانہ تشکیلوں کا پہلو بہ پہلو وجود تھا اور جن میں آپس میں قریبی تعلق قائم تھا۔ علاوہ ازیں آبادی کا بہت بڑا حصہ زیریں معاشی تشکیلوں میں برسرکار تھا جو قومی آمدنی کا آدھے سے زیادہ حصہ پیدا کرتی تھیں۔ چونکہ توسیع شدہ تجدید پیداوار کی بہ نسبت زیریں تشکیلوں کی نشوونما پر نافذ ہونے والی سادہ تجدید پیداوار ہوتی ہے اس لئے جدید ترین مشینیں، ساز وسامان اور بھاری صنعت کی دوسری اشیا کے لئے ان کی طلب نسبتاً کم رہی۔ اس کے علاوہ ان کی ضرورتیں سادہ قسم کی اشیا سے آگے نہیں بڑھیں کیونکہ بے حد بڑھی ہوئی دیہی آبادی اور ابتدائی جمع کے طریقوں کا شدت سے استعمال ہونے کے باعث جدید ترین مشینوں اور ٹکنالوجی سے استفادے میں ان کاروباروں میں بھی رکاوٹ پیدا ہوئی جنہوں نے پیداوار کے سرمایہ دارانہ طریقے اپنا لئے تھے۔ اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ ارتقا کی کارخانہ داری کی منزل سے پہلے کے مرحلے میں ہندستان کی زیریں تشکیلیں جامد کیوں رہ گئی تھیں۔

دوسری طرف بڑی بڑی سرمایہ دار اور ریاستی سرمایہ دار تشکیلیں تھیں جو نئے صنعتی کاروبار قائم کرنے میں عالمی ٹکنالوجی کل اور ٹکنیکی معیاروں کی جانب مائل اور جدید تری ذرائع پیداوار کی خاص صارف تھیں۔ اس صورت حال میں صنعت کاری کا خاص رجحان یہ تھا کہ ہندستانی معیشت کے سرمایہ دارانہ اعتبار سے زیادہ ترقی یافتہ سیکٹروں اور شاخوں کے اندر جن میں بڑے پیمانے کی صنعت، مشینی ذرائع نقل وحمل، ذرائع رسل ورسائل اور کسی حد تک تجارت اور مالیات بھی شامل ہیں، تجدید پیداوار زیادہ جدید بنیاد پر استوار کردی جائے۔ ہندستانی صنعت کاری میں اس رجحان نے ساز وسامان کی خوبی میں بڑی اصلاح کی اور ہندستانی معیشت کی زیادہ ترقی یافتہ شاخوں کے اندر توانائی کے صرفے کی سطحوں میں تیزی سے بڑا اضافہ کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صنعت اور نقل وحمل کی بعض شاخیں محنت کی کارگزاری کے اعتبار سے عالمی معیاروں کے قریب پہنچ گئیں۔

مختلف تشکیلوں میں طرح طرح کے متضاد مظاہر کے باعث ہندستان کی بحیثیت مجموعی معیشت میں طرح طرح کے میں تجدید پیداوار کے عمل کو جدید بنانے پر صنعت کاری کا تاثر ترقی یافتہ سرمایہ دار ریاستوں میں ہونے والے تاثر سے مختلف ہے۔ اگرچہ ہندستان کی معیشت کی سرمایہ دارانہ کایا پلٹ اور اتحصال میں صنعت کاری سہولت پیدا کردیتی ہے مگر وہ قومی پیمانے پر صنعتی انقلاب لانے کے مترادف نہ ہوسکی۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ موجودہ مرحلے میں صنعت کاری نے (موجودہ سماجی ومعاشی نظام کے تحت)

اعلی اور زیریں دونوں معاشی تشکیلوں میں محنت کی کارگزاری کی سطحوں میں بڑا فرق پیدا کر دیا ہے۔ اس سے پوری معیشت کی نشوونما کی رفتار سست ہوگئی ہے کیونکہ ہندستان میں جسمانی محنت کا دائرۂ عمل تنگ ہونے کے بجائے اور بھی زیادہ وسیع ہوگیا ہے۔ جدید مشینی پیداوار میں کارگزاری بڑھی لیکن جسمانی محنت سے ہونے والی پیداوار میں وہ یا تو گھٹ گئی یا اس میں جمود آ گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صنعت کاری کو بحیثیت مجموعی ملک کی معیشت میں محنت کی کارگزاری میں نمایاں اضافہ کرنے میں ناکامی ہوئی۔

ہندستان میں صنعت کے نظام عمل کی خصوصیات

جب صنعت کاری شروع ہوئی تو بیشتر ہندستانی صنعتوں میں پیداوار کی سہولتیں کمزور تھیں۔ اس لئے بڑے پیمانے پر تعمیر اور کثیر تعداد میں نئے کاروباروں کا قیام ناگزیر ہوگیا۔ صرف خام مال پر عمل کرنے کی صنعت ہی میں درج شدہ کاروباروں کی تعداد 1949 اور 1968 کے درمیان 20100 سے بڑھ کر 66100 ہوگئی۔ اس پس منظر میں دو عوامل نظر آئے جو صنعت کاری کے ابتدائی مرحلوں میں نامثالی حیثیت رکھتے ہیں۔

ایک تو یہ کہ چھوٹے کاروباروں کی، جن میں 10 سے 50 تک مزدوروں کو ملازم رکھنے والی مشینوں سے آراستہ اکائیاں اور 20 سے 100 مزدوروں تک کو ملازم رکھنے والے جسمانی محنت استعمال کرنے والے کاروبار دونوں ہی شامل تھے، تعداد میں تیزی سے بڑھنے لگے۔ صنعتی کاروباروں کی مجموعی تعداد میں ان کا تناسب 1949 اور 1966 کے درمیان 65.6 سے بڑھ کر 81.1 فیصدی ہوگیا جب کہ صنعتی مزدوروں کی مجموعی تعداد میں ان کا تناسب 10.2 سے بڑھ کر 14.4 فیصدی ہوگیا۔[18] نتیجہ یہ ہوا کہ فی کاروبار برسرکار لوگوں کی اوسط تعداد اس عرصے میں 145 سے گھٹ کر 72 رہ گئی۔ یہ عمل تمام ہندستانی صنعتوں میں رونما ہوا حالانکہ بھاری صنعت میں یہ عمل تمام ہندستانی صنعتوں میں رونما ہوا حالانکہ بھاری صنعت میں یہ سست رفتار تھا۔ اس نے ایک طرف تو پورے ملک میں یہ سست رفتار تھا۔ اس نے ایک طرف تو پورے ملک میں سرمایہ داری کی نشوونما اور ترقی میں تیز رفتاری آجانے کی اور صنعت کاری کی مہم کے زیر اثر صنعتی انقلاب کی رفتار بڑھانے کی تصدیق کی۔ دوسری طرف چھوٹی اکائیوں کے حصے میں اضافے اور پیداواری اکائیوں کی اوسط جسامت میں کمی نے پیداواری فنڈوں کی تشکیل، پیداوار

کی لاگت، تیار مال کی قیمتوں اور مقابلے کی نوعیت پر گہرا اثر ڈالا۔

دوسرے یہ کہ نئی صنعتی تعمیر کے وسیع پیمانے کا عموماً نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پیداواری فنڈوں میں بے عمل عناصر (جیسے کہ زمین، عمارتوں اور سڑکوں) کا حصہ بڑھ جاتا ہے۔ لیکن ہندستان میں صنعت کاری کے ساتھ بھاری صنعتوں کو ترجیحی ترقی بھی دی گئی جس میں سرمائے کی طلب کی سطح بلند رہی۔ دوسرے عناصر میں ہلکی صنعتوں کو جدید بنانا جس کے نتیجے میں ان کے فنڈوں میں سرگرم عمل عناصر کا تناسب بڑھ گیا اور چھوٹے کاروباروں کا بڑھتا ہوا تناسب شامل تھا جن میں برسرکار سرمائے کے دائرے کے اندر قائم بنیادی فنڈوں کا حصہ زیادہ تھا۔ ان تمام اسباب کی بنا پر پیداواری فنڈوں کے دائرے کے اندر مستقل سرمائے کے عامل عناصر کے حصے میں رفتہ رفتہ اضافہ ہوگیا۔ مشینوں سے کام لینے والے کارخانوں اور جسمانی محنت سے کام لینے والے کارخانوں میں مستقل سرمائے کی تشکیل کی مندرجہ ذیل تصویر سامنے آئی[19]:

سال.....	1947	1951	1956	1961	1965
زمین اور عمارتیں	37.6	36.1	31.5	29.2	24.3
مشین اور ساز و سامان	57.2	57.8	61.9	63.6	64.3
دیگر فنڈ[20]	5.6	6.1	6.6	7.6	11.4
میزان.....	100.0	100.0	100.0	100.0	100.0

مستقل سرمائے میں مشینوں اور ساز و سامان کا بڑھتا ہوا حصہ صنعت کی شاخوار تشکیل اور خود پیداواری فنڈوں دونوں میں ترقی پسند تبدیلیوں کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ بات کرداری خصوصیت کی حامل ہے کہ پیداواری فنڈوں سے مشینوں اور ساز و سامان کے حصے کے اعتبار سے ہندستانی صنعت برطانیہ، جاپان اور ریاستہائے متحدہ امریکہ جیسے ملکوں سے آگے ہے۔

یہی وہ صورت حال ہے جو یہ سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ ہندستانی صنعت میں مشینوں اور ساز و سامان کی قدر کو افراط زر کاغذی کے عوامل سے بھی منسوب کیا جاسکتا ہے اور (منسلک قرضوں کے بموجب) مہنگے داموں پر ساز و سامان کی درآمد سے بھی نیز زمین اور عمارتوں کی پھر سے قیمت لگانے پر ہندستانی محصولی قانون کی قائم کردہ پابندیوں سے۔ مشینوں اور ساز و سامان کی مصنوعی طور پر بڑھائی ہوئی

قدر جو پیداواری سہولتوں کی صحیح توسیع سے زائد ہوتی ہے قدرتی طور پر ٹوٹ پھوٹ پر رقم میں لازمی طور پر بڑا اضافہ پیدا کردے گی اور پوری ہندستانی صنعت میں مالیاتی اشاریے بگاڑ دے گی۔

آزادی حاصل کرنے کے وقت ہندستان کی انتہائی کمزور صنعتی بنیاد نے صنعت کاری کے خود امکان کو ہی ساز و سامان، پروجیکٹوں اور ٹکنیکی معلومات کی غیر ممالک سے درآمد پر منحصر کر دیا تھا۔ اس صورت حال میں صنعت کاری غیر ملکی ٹکنیکی مہارت سے وسیع پیمانے پر استفادہ کرنے کے ذریعے جاری رہی۔ آج کل ہندستان کی 20 فیصدی سے زیادہ صنعتی پیداوار ان سہولتوں سے حاصل ہوتی ہے جو غیر ملکی پیٹنٹوں اور لائسینسوں کے مطابق تعمیر ہوئی ہیں۔ 21 صنعتی ترقی کے اس طریقے کی بدولت جدید پیداوار کی تعمیر ہوئی ہیں۔ صنعتی ترقی کے اس طریقے کی بدولت جدید پیداوار کی تعمیر کی رفتار بڑھانا اور تحقیق پر اور عملے کی تربیت پر ابتدائی اخراجات گھٹانا ممکن ہو گیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ غیر ملکی کمپنیوں کو اس مال کی برآمد سے دلچسپی نہیں تھی جو خود ان کے اپنے پیٹنٹوں اور لائسینسوں کے مطابق بنا تھا، جس سے نئی وضع کے مال کی برآمد پر ایک طرح کی رکاوٹ پیدا ہوئی۔ اس کے علاوہ غیر ملکی کمپنیوں نے ٹکنیکی مہارت دوسرے ہندستانی کاروباروں میں منتقل کرنے پر پابندی عائد کی۔ نتیجہ یہ ہوا ہ بڑی فضول خرچی ہوئی۔ پیداواری مقدار نسبتاً کم ہوتے ہوئے بھی ہندستان میں ایک ہی چیز اکثر کئی ملکوں سے مستعار لئے ہوئے پیٹنٹوں اور لائسینسوں کے مطابق بنائی گئی جس کے نتیجے میں صنعتی اشیا کی طلب غیر ضروری طور پر تقسیم ہو گئی۔ ہر وضع کا مال تیار کرنے کے لئے ہندستانی صنعت کار کو مختلف قسموں اور معیاروں کی مشینیں اور ساز و سامان، کچا مال، اجزا، نیم تیار سامان وغیرہ استعمال کرنا پڑا۔ اس صورت حال میں یہ مال تیار کرنے والے صنعتی کاروباروں کے لئے خانگی خدمت اور رسد کا انتظام کرنا انتہائی مشکل تھا کیونکہ تھوڑی مقدار میں اشیا درآمد کرنا ان کی پیداوار مقامی طور سے شروع کرنے کی بہ نسبت زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندستانی صنعت میں پیداواری تعلقات اور تعاون اتنی سست رفتار ترقی پا رہے ہیں۔

اندرون قومی تحقیق اور ترقی پر غیر ملکی ٹکنیکی معلومات کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ پیداوار اور اشیا سازی کی ترکیبوں کو مقامی صنعتی ماحول کے مطابق ڈھالنے کو اس سے بڑھاوا ملتا ہے مگر نئی اشیا اور بنیادی ٹکنالوجی کے سلسلے میں قومی تحقیق پر اس سے روک لگ جاتی ہے۔ ایک تو یہی ہوتا ہے کہ غیر ملکی مہارت سے استفادہ کرنے والی مقامی کمپنیوں کو تحقیق کے خود اپنے پروگرام جاری رکھنے سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ

ڈیزائن میں کوئی نمایاں ردوبدل کرنے کی بہت سے سمجھوتوں میں خاص طور سے ممانعت ہوتی ہے۔اس صورت حال سے تحقیق اور ترقی کے لئے نجی سیکٹر کی منظور شدہ رقموں کے قلیل ہونے کا سبب واضح ہو جاتا ہے۔اس کے ساتھ ہی سرکاری مرکزوں میں کی گئی بنیادی تحقیق کا صنعتی پیمانے پر کہیں اطلاق نہیں ہوسکتا۔

ہندستانی اور غیر ملکی کمپنیوں کے درمیان وسیع پیمانے کے اشتراک عمل سے ایک اور یہ سنگین مسئلہ پیدا ہو گیا کہ ایسے کاروبار قائم ہو گئے جو الگ الگ حصوں کو جوڑنے، ڈبوں وغیرہ میں بند کرنے اور پیداوار کی آخری منزل کے ایسے ہی دوسرے کام میں خصوصی مہارت رکھتے ہیں۔خالص ٹکنالوجی کل نقطہ نظر سے پیداوار کی باہم وابستہ شاخوں کی نہایت کمزور نشوونما اور کئی وضع کے ابتدائی کچے مال اور نیم تیار مال کی قلت اس قسم کے کاروباروں کے قیام کا سبب تھا۔اس صورت حال میں نامکمل پیداواری گردش والے کاروباروں کا قیام ترقی یافتہ ملکوں کے صنعتی وسائل سے استفادے پر مبنی تھا۔معاشی اعتبار سے اس قسم کے کاروباروں کے قیام کی وضاحت تنگ گھریلو منڈی، صنعتی اشیا کی متنوع طلب اور درآمد پر مستقل پابندیوں سے ہوئی۔آخر میں یہ کہ ان کاروباروں کا قیام مقامی اور غیر ملکی دونوں اجارہ داریوں کے مفادات کے مطابق تھا۔اول الذکر نے تو اپنی ابتدائی سرمایہ کاری کو بچائے رکھا اور گھریلو منڈی کو قابو میں کرلیا اور موخر الذکر نے ہندستانی منڈی میں اپنی جگہ بنائے رکھی۔

نامکمل پیداواری گردش والے کاروباروں کی تیز رفتار ترقی سے چونکہ بحیثیت مجموعی پورے ملک کی صنعتی ترقی کی رفتار سست پڑی اور درآمدات میں اضافہ ہوا اس لئے ہندستانی حکومت نے چھٹی دہائی کے وسط سے اس قسم کے کاروباروں کے قیام پر روک ٹوک شروع کر دی اور ان میں تمام یا زیادہ تر حصوں اور پرزوں کی روز افزوں تیاری کے پروگراموں پر اصرار کرنے لگے گئی۔لیکن ان کاروباروں میں چونکہ مقامی طور پر مہیا درمیانی اشیا زیادہ سے زیادہ وسیع پیمانے پر استعمال کی گئیں اس لئے پیداوار کی مطلق مقدار بھی بڑھی۔اس لئے درآمدات برقرار رکھنے پر غیر ملکی زرمبادلہ اور بھی زیادہ خرچ کرنا پڑا۔غیر ملکی زرمبادلہ کی قلت نے ایسی درآمدات محدود کرنے پر حکومت کو بارہا مجبور کیا۔نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سی صنعتوں میں پیداوار کی مقدار نصب شدہ صلاحیتوں پر اتنی منحصر نہ رہ گئی جتنی کچے مال اور نیم تیار مال کی اس مقدار پر جس کی درآمد کی انہیں اجازت دی گئی۔درآمدی پابندیوں کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ درآمدات پر زیادہ انحصار کرنے والی صنعتوں میں بے کار صلاحیتیں بڑھ گئیں۔اندازہ یہی ہے کہ جب تک ہندستانی صنعت ساز وسامان

اور معلومات کی درآمد پر اپنا انحصار باقی رکھتی ہے اور جب تک گھریلو منڈی تنگ رہتی اور اس وجہ سے بڑے بڑے سلسلوں میں پیداوار کی تنظیم میں مانع آتی ہے تب تک نامکمل پیداواری گردش والے کاروبار بدستور ایک خصوصیت رہیں گے۔

ہندستانی کی ایک اور خصوصیت انفرادی صنعتوں کے درمیان اور ہر صنعت کے اندر پیداواری اکائیوں کے درمیان بھی ناکافی تقسیم محنت ہے یعنی یہ کہ پیداوار کی تخصیص اور تعاون کی سطح پست ہے۔ غیر تخصیصی کاروباروں کے پھیلاؤ کا سب سے پہلا سبب تو گھریلو منڈی میں طلب کا خاصا متنوع خاکہ تھا لیکن کسی ایک وضع کی چیز کی مانگ بدستور کم تھی۔ ان حالات میں صرف غیر تخصیصی کاروبار ہی بہت سی قسموں کی نئی چیزوں کی پیداوار موثر طریقے سے شروع کر سکتے تھے۔ علاوہ ازیں یہ طریقہ ابتدائی سرمایہ کاری کو کم رکھتا ہے، نئی صنعتوں کی توسیع کی رفتار تیز کرتا اور زیادہ جلدی سے گھریلو منڈی کو اپنے قابو میں کر لینے میں صنعت کاروں کو مدد دیتا ہے۔ لیکن موجودہ صورت میں نئی مدوں کی پیداوار، غیر تخصیصی کارخانے اور ساز و سامان کو استعمال کر کے، عموماً محدود پیمانے پر اور صرف چھوٹے سلسلوں میں شروع ہوئی اور صرف ایک ہی چیز کی پیداوار کرنا بھی ممکن تھا۔ پیداوار کے ان طریقوں کا ناگزیر نتیجہ تیار مال کی اونچی لاگت ہوتا ہے۔ اس لئے غیر تخصیصی کاروباروں کے پنپنے کی سکت کی ضمانت کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ تحفظ کے اقدامات کئے جائیں اور مقابلے پر آنے والی اشیا کی درآمد پر مستقل پابندیاں عائد کر دی جائیں۔

ہندستان میں نئی صنعتیں متعلقہ صنعتوں کے باوجود پیدا ہوئیں۔ ان حالات میں یا تو ایسے کاروبار کم تھے جو درمیانی اشیا فراہم کرنے کا بیڑا اٹھا سکتے، یا تو وہ کارخانے موجود تھے مگر نئے ٹکنیکی تقاضے پورے کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اس طرح ایسے کاروبار قائم کرنے کا رجحان پیدا ہوا جو ''خود کفیل'' کہلائے جو ضرورت کے تمام اجزا یا ان میں سے بیشتر خود تیار کرتے تھے۔ اگرچہ صنعت کاری کے دوران میں ضمنی کاروباروں نے کسی حد تک نشوونما حاصل کی مگر یہ عمل قدرے سست رفتار رہا۔ ایک بار جب کاروبار کرنے والی کوئی کمپنی سرمایہ لگا دیتی ہے اور اپنی ضرورت کے مطابق پرزے اور ضمنی سامان پیدا کرنے کے لئے مطلوبہ پیداواری صلاحیتیں قائم کر لیتی ہے تو پھر اسے موخرالذکر کی خریداری سے اس وقت تک دلچسپی نہیں ہوتی جب تک کہ تخصیصی مال فراہم کرنے والے سے مناسب سودا کرنے میں نمایاں طور پر زیادہ نفع حاصل نہیں ہوتا۔ بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ اس مقام پر پہنچنے میں ہندستان کو ابھی طویل فاصلہ طے

کرنا ہے۔ پھر یہ کہ نئی صنعتوں کے متواتر نمودار ہوتے رہنے سے تعاون سست پڑ جاتا ہے۔

یہ نظام ایک طرح سے اپنی توانائی آپ پیدا کرتا ہے۔ اشیا کا تنوع تخصیصی کاروباروں کے نمودار ہونے میں رکاوٹ پیش کرتا ہے۔ لیکن جہاں اس قسم کے کاروبار قائم کئے بھی جاتے ہیں جیسے کہ مثلاً سرکاری سیکٹر میں (یا سرکاری سہارے سے کہیں اور) تو غیر تخصیصی کاروبار کے لئے یہ بات ہر صورت میں ہی منافع بخش نہیں ہوتی کہ وہ اپنے ہاں پیدا کئے جانے والی اشیا کا دائرہ تنگ رکھے اور کہیں اور مال تیار کرنے والے کے پاس اپنی فرمائشیں بھیجے کیونکہ کام میں نہ لائے جانے والے ساز و سامان اور پیداوار کی عمارت سے ٹوٹ پھوٹ کی منہائی ممکن ہے کہ پیداواری تخصیصی سے ہونے والی متوقع بچت سے زیادہ ہو جائے۔ اس امکان کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو کچھ بہت زیادہ امید افزا نہیں ہے، غیر تخصیصی کاروبار تمام قسموں کی اشیا، پرزے اور ضمنی اشیا تیار کرتے رہتے ہیں۔ اس سے چھوٹے سلسلوں میں مال تیار ہونے اور لاگت زیادہ آنے کے ایک دائمی عمل بننے میں بڑھاوا ملتا ہے جس سے گھریلو منڈی میں طلب کو ایک مرکزی شکل دینے کے راستے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔

اس قسم کے کاروباروں کے سامنے ممکن ہے آئندہ بھی ایسے ہی شدید مسائل اٹھ کھڑے ہوں۔ صاف ظاہر ہے کہ پیداوار میں کوئی بھی نمایاں توسیع ان کو مجبور کرے گی کہ وہ پورے سلسلے میں پیداواری صلاحیتوں کو بیک وقت بڑھائیں۔ جیسا کہ صنعتی اعتبار سے ترقی یافتہ ملکوں کا تجربہ ظاہر کرتا ہے، بڑے بڑے صنعتی مرکزوں میں جہاں فیکٹری کے رقبے محدود ہوتے ہیں اس عمل کی تکمیل انتہائی دشوار ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت ساری اشیا کی پیداوار میں بیک وقت اضافہ کرنے سے پیداواری باہمی ربط پیدا کرنا اور انتظام و انصرام کرنا بہت ہی مشکل ہو جاتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کارکردگی گھٹ جاتی ہے۔

ایک اور طریقہ ایسا ہے جس میں محدود تخصیصی پیداوار کے لئے تیاری میں مصنوعات کا تنوع گھٹا دیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ بھی اپنی خامیوں سے خالی نہیں کیونکہ اس کے لئے موجودہ کاروباروں میں اور ان کی پیداواری تنظیم میں خاصی بڑی تبدیلیاں کی جائیں تاکہ تخصیصی مصنوعات کی بڑے پیمانے پر پیداوار کی تنظیم کی جائے۔ یقینی بات ہے کہ ایسی بنیادی تبدیلی اور از سر نو تشکیل کا مطالبہ ہوگا کہ خاصی بڑی زائد سرمایہ کاری ہو اور منڈی کی وسعت میں تیزی سے اضافہ ہو۔ آثار ایسے ہیں کہ ہندستان میں یہ طریقے ابھی آئندہ کافی عرصے تک رائج نہیں ہوں گے۔

سرمایہ تلاش کرنے میں پیش آنے والی مشکلوں، محدود گھریلو منڈی، طلب کی تقسیم، ہنرمندی کی پست سطح اور محنت کے سستے پن اور آخر میں معاشی پسماندگی نے مل کر ایک ایسی صورت حال پیدا کر دی ہے کہ جب جدید مصنوعات بھی جو غیر ملکی پیٹنٹوں اور لائسینسوں کے مطابق تیار کی جاتی ہیں تو (عالمی معیاروں کی) نسبتاً فرسودہ مشینوں اور ٹکنالوجی کو استعمال کر کے پیدا کی جاتی ہیں۔ ہندستانی صنعت کی نمایاں خصوصیت ہمہ گیر ساز و سامان کا غلبہ، چھوٹے سلسلوں میں پیداوار اور جسمانی محنت کا بڑے پیمانے پر استعمال ہے۔

ٹکنالوجی کی ان خصوصیتوں نے ہندستانی صنعت کاروں کو موقع دیا کہ وہ محنت کی پست کارگزاری کی قیمت پر زیادہ محنت طلب عوامل رائج کر کے مستقل سرمائے پر اخراجات گھٹائیں۔ ایک طرح یہ طریقے ہندستانی صنعتوں کی موجودہ ضرورتیں پوری کرتے ہیں کیونکہ ہندستان میں مکمل یا جزوی طور پر بے روزگار لوگوں کی ایک فوج کی فوج ہے اور قوت انسانی نہایت ہی سستی ہے۔ محنت طلب طریقے ایک طرف تو جدید صنعتوں میں بھی ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں کی بہ نسبت سماجی محنت کی کارگزاری کی سطحوں میں فرق کو روز افزوں بڑھاتے ہیں اور دوسری طرف وہ ہندستانی قوت محنت سے ہنر اور لیاقت کا خاص مطالبہ کرتے ہیں۔ مکمل طور پر خودکار ساز و سامان کے استعمال سے نہایت ہی اعلی ہنرمند مستریوں کی نسبتاً کم تعداد کی ضرورت ہوتی ہے جو مشینوں کے عام عمل کی نگرانی کرتے ہیں۔ اس صورت میں مشینیں چلانے والے کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ اعلی ترین لیاقت رکھتا ہو۔ اس کے برعکس نہایت باریکی سے ٹھیک بنائی ہوئی خاصی نفیس چیز کی تیاری میں ہمہ گیر ساز و سامان کا استعمال کرنے کے لئے بہت سارے نہایت اعلی ہنرمند اور ٹکنیکی اعتبار سے لائق آپریٹروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک ایسے ملک میں جس نے حال ہی میں صنعت کاری کی راہ پر قدم بڑھایا ہو کافی تعداد میں ہنرمند صنعتی مزدوروں کو تربیت دینا انتہائی مشکل مسئلہ ہے۔

زیادہ محنت طلب ٹکنالوجی، ہمہ گیر ساز و سامان کے استعمال اور پیداواری تنوع کے درمیان بھی قریبی رشتہ ہے۔ ہمہ گیر ساز و سامان کے استعمال کی بدولت ہی ہندستانی صنعتی کاروبار غیر متعلق قسموں کی مصنوعات بیک وقت تیار کر سکتے ہیں۔ ایسی صورت حال میں جب کہ درآمدات محدود ہوں اور قومی صنعت بہت سی قسموں کی مصنوعات تیار کرنے میں ناکام رہتی ہو تو ہمہ گیر ساز و سامان کو کام میں لینے

سے نئی وضع کی چیزوں کی پیداوار شروع کر دینا زیادہ آسان ہو جاتا ہے اور اس طرح گردش کے حلقے میں ہونے والے کچھ ایسے نقصانات پورے کئے جا سکتے ہیں جو محنت کی پست کارگزاری اور پیداوار کی اونچی لاگت سے ہوتے ہیں۔

لیکن ایک حد ہوتی ہے جس کے بعد زیادہ محنت طلب ٹکنالوجی کاروباری اعتبار سے بے معنے ہو کر رہ جاتی ہے۔ گھریلو منڈی کی توسیع کے جواب میں اضافہ مستقل سرمائے کے بے عمل عناصر پر مزید اخراجات کرے کا لازمی طور پر مطالبہ کرے گا، پیداوار کے انتظام کو زیادہ مشکل کر دے گا۔ اور اس طرح زیادہ سرمایہ طلب پیداوار کی جانب عبور کو ضروری کر دے گا۔ اس عبور میں زیادہ لچک دار رقیبوں کے ہاتھوں منڈی سے نکال باہر کر دئے جانے کا جائز خوف مہمیز کا کام کرے گا۔ لیکن ہندستان میں طرح طرح کے عناصر برسرعمل ہیں جو اس قسم کے عبور کے آغاز کو ملتوی کر دیتے ہیں۔ محنت کی قیمت ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں میں محنت کی اجرت کی محض ایک کسر کے برابر ہے اور بے روزگاروں کی کثیر تعداد کی موجودگی کے حالات میں اس بات کا قطعی امکان نہیں ہے کہ آئندہ دس سال میں اس کی قیمت اتنی بڑھ جائے کہ محنت طلب ٹکنالوجی کا استعمال صنعت میں غیر منافع بخش ہو جائے۔

رکاوٹ پیدا کرنے والا ایک اور عنصر ہر صنعت کے دائرے میں بہت سارے ایسے کاروباروں کی موجودگی ہے جو کثیر قومی اجارہ داریوں سے قریبی طور پر وابستہ ہیں۔ ہندستانی منڈی کو اپنے قابو میں کرنے کی مہم میں یہ اجارہ داریاں عرصہ دراز تک مالی نقصانات برداشت کرنے کو تیار رہتی ہیں بشرطیکہ وہ انجام کار اپنے مدمقابل کو ہندستانی منڈی سے نکال سکیں۔ پیداوار کے اجتماع وارتکاز کی رفتار سست پڑ جانے کا یہی سبب ہے۔ اس لئے بلا تامل فرض کیا جا سکتا ہے کہ آئندہ کچھ عرصے تک (عالمی معیاروں سے) کم کارکردگی والی صنعتی اکائیاں نسبتاً جدید ٹکنالوجی کے ''نخلستانوں'' کے پہلو بہ پہلو باقی رہیں گی۔ بہت امکان اس بات کا ہے کہ زیادہ محنت طلب پیداوار کا نمونہ عرصہ دراز تک ہندستانی صنعتی منظر کی ایک خصوصیت رہے گا۔

گذشتہ دھائیوں کے عرصے میں ایسے متعدد ناموافق رجحانات دیکھنے میں آئے ہیں جو ہندستانی صنعت میں سرمائے کی تشکیل پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مستقل سرمائے میں چھوٹی چھوٹی، کم کارکردگی والی صنعتی اکائیوں کے ساز وسامان کا حصہ خاص طور پر بڑھ رہا ہے۔ مشینوں اور ساز وسامان میں بڑھی ہوئی

سرمایہ کاری کی بڑی وجہ مصنوعی طور پر قیمتوں کا چڑھنا ہے جو غیر ملکی اجارہ داریاں مقرر کرتی ہیں۔ نئے کاروباروں کی توسیع تربیت یافتہ ہنرمند صنعتی مزدوروں کی تعداد سے آگے نکل جاتی ہے۔ان عناصر نے نصب شدہ ساز وسامان کو اعلی کارکردگی کے ساتھ استعمال کرنے میں کاوٹ ڈالی ہے۔عملی سرمائے میں مادی اور ٹکنیکی ذخیروں کا حصہ اوراسی طرح نئی مصنوعات کی فروخت سے متعلق خصوصیات کی بدولت تجارت میں قرضے کا حصہ بتدریج بڑھ گیا ہے۔ان عناصر نے سرمائے کی طلب میں مسلسل وبتدریج اضافے کو بڑھاوادیا ہے(جدول9ملاحظہ فرمائیے)۔

سرمائے کی طلب بڑھنے کے داخلی عناصر بھی ہیں۔اول تو نئی صنعتی تعمیر کے مخصوص انداز نے مستقل سرمائے کی قدر کو عالمی معیار کی بہ نسبت غیر مناسب اونچی سطح پر رکھا ہے۔دوسرے، مقامی اور غیر ملکی اجارہ داریوں کے درمیان قریبی اشتراک عمل نے گھریلو منڈی کو مصنوعی طور پر بانٹ دیا ہے اور چھوٹی چھوٹی، کم کارکردگی والی صنعتی اکائیاں کثیر تعداد میں قائم کردی ہیں۔دونوں عناصر کے مشترک اثر نے ہندستان میں سرمائے کی طلب ''معروضی حد'' سے بہت اوپر رکھنے میں حصہ ادا کیا۔اس میں کوئی شبہ نہیں کہ کچھ عرصے تک سرمائے کی طلب کی اونچی سطح سماجی تجدید پیداوار کی راہ پر خراب اثر ڈالتی رہے گی۔

پوری ہندستانی معیشت پر سرمائے کی طلب میں اضافے کا گہرا اثر پڑا ہے۔ایک تو یہی کہ آبادی میں نسبتاً تیز رفتاری سے اضافے کے ساتھ ساتھ نئی سرمایہ کاری سے گھٹتی ہوئی آمد کا مطالبہ ہوتا ہے کہ ترقی کی شرحوں کو کم ازکم برقرار رکھنے کے لئے سرمایہ کاری میں نمایاں اضافہ کیا جائے۔لیکن کم قومی آمدنی کے ساتھ آبادی میں تیز رفتاری سے اضافہ جمع کے فند میں کسی نمایاں اضافے کو روکتا ہے۔اس لئے صنعتی سرمایہ کاری میں کوئی بھی بامعنی اضافہ ملک کی معیشت کے دوسرے شعبوں میں پیش قدمی کی رفتار سست کر کے

جدول9

ہندستانی خام مال پر عمل کرنے کی صنعت میں سرمائے کی طلب22

سال	سرمائے کی طلب فی روپیہ	سرمائے کی طلب کا اشاریہ 100=1946	سال	سرمائے کی طلب فی روپیہ	سرمائے کی طلب کا اشاریہ 100=1946

اصل	میزان	اصل	میزان		اصل	میزان	اصل	میزان	
137.5	111.4	2.38	0.68	1957	100.0	100.0	1.73	0.61	1946
139.3	119.6	2.41	0.73	1958	104.6	96.7	1.81	0.59	1947
131.7	104.0	2.28	0.64	1959	87.2	81.9	1.51	0.50	1948
132.9	103.2	2.30	0.63	1960	107.5	85.2	1.86	0.52	1949
138.7	113.1	2.40	0.69	1961	124.8	96.7	2.16	0.59	1950
182.6	137.7	3.12	0.84	1962	118.4	88.5	2.05	0.54	1951
191.3	145.9	3.31	0.89	1963	133.5	80.3	2.31	0.49	1952
202.3	152.4	3.50	0.93	1964	126.0	104.9	2.18	0.64	1953
217.9	162.	3.77	0.99	1965	133.5	100.0	2.31	0.61	1954
241.0	170.4	4.17	1.04	1966	118.4	100.0	2.05	0.61	1955
275.7	190.1	4.77	1.16	1967	121.3	104.9	2.10	0.64	1956

نوٹ: سرمائے کی طلب کا حساب مشینی اور جسمانی محنت سے کام لینے والے ان کارخانوں سے متعلق اعداد وشمار کی بنیاد پر لگایا گیا ہے جن میں 50 اور 100 سے زیادہ مزدور کام کرتے ہیں۔

ہی کیا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف سرمائے کی طلب میں اضافہ ذرائع پیداوار کی طلب اور بھاری صنعتوں میں مزید سرمایہ کاری کا سبب بنتا ہے جس کا فی الحال نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سماجی پیداوار کی سرمائے کی طلب میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح سرمائے کی طلب میں بے بنیاد اضافہ ہندستانی معیشت کا ایک بڑا مسئلہ بن گیا ہے۔ ناپسندیدہ داخلی عناصر کو ختم کرنے میں اطمیان بخش ترقی کی صورت میں بھی ہندستان کو اس میدان عمل میں موافق تبدیلی لانے میں کامیابی حاصل کرنے سے پہلے معاشی نشوونما اور ترقی کی ایک طویل دور سے گزرنا پڑے گا۔ اسے اپنی معیشت کے پیداواری اور ٹکنیکی دونوں قسموں کے اسلحہ خانے کی اصلاح کرنی ہوگی اور صنعتوں کے اندر نیز معیشت کے اندر پیداواری تعلقات بہتر کرنے ہوں گے۔

صنعت کاری اور چھوٹے پیمانے کی پیداوار

ہندستان میں چھوٹے پیمانے کی صنعتی پیداوار کی متعدد خصوصیات ہیں۔ اول تو موجودہ صدی کی ساتویں دہائی کی ابتدا تک اس میں گھریلو صنعتوں کا غلبہ تھا۔ چھوٹے پیمانے کی پیداوار میں لگی ہوئی تمام محنت کا 71.6 فیصدی حصہ گھریلو صنعتوں میں ہی لگا ہوا تھا۔ گھریلو صنعت کے علاوہ چھوٹے پیمانے کی پیداوار میں لگے ہوئے بیشتر مزدور رسمی طور پر خودمختار کاریگر تھے کیونکہ کل میں سے صرف 38.7 فیصدی مزدوری پر کام کرتے تھے۔ چھوٹے پیمانے کی پیداوار میں لگے ہوئے تمام لوگوں میں سے 17.6 فیصدی اجرتی مزدور تھے۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کل میں سے 90 فیصدی ایسی چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں ملازم تھے جن میں پانچ یا اس سے کم مزدور کام کرتے تھے۔[23] یہی وہ کاروبار ہیں جو کنبے کی محنت وسیع پیمانے پر استعمال کرتے ہیں اور پیداوار میں مالک عملی حصہ لیتا ہے۔ اس طرح جہاں ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں میں چھوٹے پیمانے کی پیداوار عام طور پر سرمایہ دارانہ طرز پر کی جاتی ہے وہاں ہندستان میں چھوٹے پیمانے کی صنعت اب بھی قبل از سرمایہ داری اور ابتدائی سرمایہ دارانہ منزلوں کے ارتقا کے دور میں ہے۔ اس معنے یہ ہیں کہ ترقی یافتہ ملکوں میں چھوٹے پیمانے کی پیداوار سرمادارانہ وضع کی پیداوار میں تبدیل ہوگئی تھی اور نئی چھوٹی چھوٹی اکائیاں سماجی تقسیم محنت کے مزید ارتقا کے دوران میں نمودار ہوئیں۔ اس کے برعکس ہندستان میں چھوٹے پیمانے کی پیداوار کا بیشتر حصہ سابقہ معاشی نظام کی باقیات میں سے ہے۔

دوسرے، اس صدی کی ساتویں دہائی میں ہندستان کی چھوٹے پیمانے کی پیداوار پر غذائی، سوتی کپڑے، چمڑے کی دباغت اور لکڑی کے کام کی صنعتوں کا غلبہ تھا اور جن میں کل مزدوروں کا 75 فیصدی سے بھی زیادہ حصہ لگا ہوا تھا۔ برطانیہ میں چھوٹے پیمانے کی کیمیائی، مشین سازی، دھات سازی اور طباعت کی صنعتوں میں ان تمام مزدوروں کا 60 فیصدی حصہ لگا ہوا تھا جو چھوٹے پیمانے کی پیداوار میں لگے ہوئے تھے؛ جاپان میں تناسب 25 فیصدی تھا، لیکن ہندستان میں یہ محض 11 فیصدی تھا۔[24] چونکہ ہندستان کی چھوٹے پیمانے کی پیداوار نے اپنی سماجی و معاشی تنظیم اور سیکٹری تشکیل ماضی سے ورثے میں حاصل کی ہے اس لئے چھوٹی اکائیاں بہت کچھ اسی قسم کی اشیا تیار کرتی ہیں جو بڑے پیمانے کی صنعت کرتی ہے اور اس طرح وہ موخرالذکر سے مقابلہ کرتی ہیں۔

چھوٹے پیمانے کی پیداوار پر سرمایہ داری سے پہلے کے دور کی خاصیت کا غلبہ ہے اور وہ بڑے

پیمانے کی صنعت کے پہلو بہ پہلو قائم ہے۔ یہ دونوں باتیں اس بات کی ذمہ دار ہیں کہ ہندستان میں صنعتی سرمائے کی متحدہ طور پر تجدید پیداوار نہیں ہوئی۔ چونکہ چھوٹے پیمانے کی اکائیاں قدرتی کچے مال اور روایتی آلات محنت استعمال کرتی تھیں اس لئے ان کا بڑے پیمانے کی صنعتوں کی مصنوعات پر بہت ہی تھوڑا انحصار تھا۔ پھر یہ کہ بڑے پیمانے کی صنعتیں چھوٹے پیمانے کی صنعت کی نیم تیار مصنوعات بہت کم استعمال کرتی تھیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ سماجی سرمائے کی تجدید پیداوار میں دو ایسے عوامل جاری تھے جن کا باہم بڑا ہی کمزور رشتہ تھا: بڑے پیمانے کی صنعت زیادہ تر سرمایہ دارانہ تشکیلوں کے اندر تجدید پیداوار کی اور چھوٹے پیمانے کی صنعت سرمایہ داری سے پہلے کی تشکیلوں کی ضرورتیں پوری کرتی تھی۔

تیسرے، ذرائع پیداوار کے پست تناسب اور محنت کی گھٹیا تنظیم کے باعث چھوٹے پیمانے کی پیداوار کے دائرے کے اندر محنت کی کارگزاری کم ہوتی ہے۔ اس صدی کی ساتویں دہائی کے وسط میں فی مزدور خالص پیداوار جاپان کی اسی مقدار کا آٹھواں حصہ تھی۔ ہندستان کی جدید بڑے پیمانے کی صنعت میں محنت کی کارگزاری کا چھوٹے پیمانے کی پیداوار میں محنت کی کارگزاری سے موازنہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ چھوٹے پیمانے کی پیداوار میں فی مزدور اصل پیداوار بڑے کارخانوں کی (جہاں 1000 سے زیادہ مزدور کام کرتے ہیں) فی مزدور اصل پیداوار کا پندرھواں حصہ ہے جب کہ جاپان میں یہ عدد صرف پانچواں حصہ ہے۔

مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ کریں تو ہندستان کی چھوٹے پیمانے کی صنعتی پیداوار کی مندرجہ ذیل نمایاں خصوصیات سامنے آتی ہیں: سرمایہ داری سے پہلے کے اور ابتدائی سرمایہ دارانہ دور کی صورتوں کا واضح غلبہ؛ روایتی سیکٹری تشکیل اور عملاً آزاد تجدید پیداوار کے چکر کی موجودگی؛ محنت کی انتہائی کم کارگزاری۔

صنعتی سرمائے کی گردش اور تجدید میں شرکت کے اعتبار سے ہندستان کی چھوٹے پیمانے کی پیداوار کے اندر مندرجہ ذیل تین زمرے نمایاں ہیں۔ پہلا زمرہ ان صنعتوں پر مشتمل ہے جو قدرتی کچے مال استعمال کرتی اور روایتی اوزاروں کی مدد سے روایتی مال تیار کرتی ہیں۔ دوسرے زمرے میں وہ صنعتیں شامل ہیں جو روایتی ذرائع پیداوار استعمال کر کے فیکٹری میں بنے کچے مال اور نیم تیار مصنوعات سے نئی وضع کا سامان بناتی ہیں۔ تیسرا زمرہ چھوٹے چھوٹے جدید کاروباروں پر مشتمل ہے جو صنعتی وضع کی توانائی، کچا مال اور جدید (اگرچہ جدید ترین نہیں) ذرائع پیداوار استعمال کرتے ہیں۔

آزادی حاصل کرنے کے بعد کے زمانے میں ہندستانی حکومت نے سماجی ومعاشی اور سیاسی حالات کے سامنے سرتسلیم خم کرتے ہوئے صنعتوں کے پہلے زمرے کو مستحکم کرنے اور توسیع دینے پر خاص توجہ دی ہے۔56-1951 اور 69-1968 کے درمیان انہیں چھوٹے پیمانے کی پیداوار کے لئے منظور شدہ کل سرکاری رقموں کا 42 فیصدی حصہ ملا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ صنعتوں کے اس زمرے نے اپنی قوت محنت میں خاصی توسیع کر لی اور پیداوار میں اضافہ کرلیا جس میں برآمد ہونے والے مال کی پیداوار بھی شامل ہے۔اس طرح چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کا یہ زمرہ جو بڑے پیمانے کی صنعت سے قریب قریب بے تعلق ہے، مطلقاً اور نسبتاً دونوں اعتبار سے بڑھ گیا ہے۔

صنعتوں کے دوسرے زمرے میں عوامل اس سے کہیں زیادہ پیچیدہ ہیں کیونکہ وہاں فیکٹریوں سے مقابلہ بازی نے انہیں مجبور کیا کہ فیکٹریوں کی نیم تیار مصنوعات روزافزوں پیمانے پر استعمال میں لائیں جو ابتدائی طور پر زیادہ مکمل حد تک تیار کی جاتی ہیں۔اس کے ساتھ ہی مزدور کے سستے پن اور بے روز گاروں کی بڑی فوج کے دباؤ نے اور تاجروں اور مہاجنوں کے معاملوں نے پیداوار کے جدید ذرائع پیداوار استعمال کرنے کی جانب عبور کو زیادہ مشکل کر دیا۔

تجدید پیداوار کے عمل پر صنعتوں کے اس زمرے کی ریاستی ترغیبات کا متضاد اثر پڑا۔ایک طرف تو انہوں نے ان صنعتوں کو تجدید پیداوار کے متحدہ قومی چکر میں کھینچ لانے میں سہولت پیدا کی۔دوسری طرف انہوں نے بڑے پیمانے کی صنعت کی اندرونی تشکیل کا توازن توڑ دیا کیونکہ انہوں نے ٹھیک ان صنعتوں کو ہی سبقت دی جو ایسا کچا مال اور نیم تیار مصنوعات تیار کرتی ہیں جو بعد میں چھوٹے پیمانے کی صنعتیں مکمل طور پر تیار کرتی اور صاف کرتی ہیں۔

ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ چھوٹے پیمانے کی سرمایہ دارانہ صنعتوں کے تیسرے زمرے میں اس صدی کی ساتویں دہائی کے وسط میں مجموعی طور پر 10 ارب سے لے کر 11 ارب روپیے تک کی سرمایہ کاری ہوئی۔ یہ رقم بڑے پیمانے کی پیداوار میں کل سرمایہ کاری کے قریب قریب چھٹے حصے پر مشتمل ہے۔25 چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کے اس زمرے نے اضافے کی پراثر شرحوں کا مظاہرہ کیا۔ 1964 اور 1970 کے درمیان رجسٹر شدہ غیر منظّم چھوٹے پیمانے کی اکائیاں 60 ہزار سے بڑھ کر 2 لاکھ 9 ہزار ہو گئیں۔26 ان صنعتوں میں ٹکنیکی اعتبار سے ازسرنو آراستگی تیزی سے جاری تھی۔اتنا ہی بتا

دینا کافی ہوگا کہ 1964 اور 1968 کے درمیان چھوٹی اکائیوں نے درآمدشدہ جوساز وسامان نصب کیا وہ 37.5 فیصدی سے بڑھ کر 55.5 فیصدی ہوگیا جس کے نتیجے میں محنت کی کارگزاری نمایاں طور پر بڑھ گئی۔ چھوٹی مشین کار اکائیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور کارگزاری کے ملے جلے اثر سے ساتویں دہائی کے وسط میں ایسی صورت حال پیدا ہوئی جہاں انہوں نے چھوٹے پیمانے کی پیداوار میں زیریں شکلیں بتدریج ختم کرنے میں رکاوٹ ڈال دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساتویں دہائی کے وسط تک صنعت کے اندر اور پوری ہندستانی معیشت کے اندر بھی مجموعی اصل پیداوار میں چھوٹے پیمانے کی پیداوار کا حصہ نمایاں طور پر بڑھ گیا۔

چھوٹی سرمایہ دارانہ صنعت کی تیز رفتار نشوونما نے ہندستانی صنعت میں تجدید پیداوار کا متحدہ چکر بننے پر متضاد اثر ڈالا۔ ایک طرف تو بڑے پیمانے کی صنعتوں کے فراہم کئے ہوئے ذرائع پیداوار پر اس اس کے بڑھتے ہوئے انحصار نے واحد چکر کے بننے میں سہولت پیدا کی۔ دوسری طرف، چھوٹی مشین کار اکائیوں کے تیار کئے ہوئے صرفے کے اور پیداوار کے مال کے خاص استعمال کرنے والوں میں زیریں ترین اور چھوٹی سرمایہ دارانہ دونوں طرح کی تشکیلیں شامل تھیں۔ تجدید پیداوار کے مجموعی نظام کے اندر اس نے ایک اور کڑی کے نمودار ہونے کا اشارہ کیا۔ اس طرح چھوٹے پیمانے کی سرمایہ دارانہ صنعت کا نمودار ہونا تجدید پیداوار کے واحد چکر کے قیام کی سمت قدم بڑھانے کے مترادف ہے۔ مگر یہ براہ راست عمل نہیں ہے بلکہ ایک درمیانی کڑی کی تشکیل سے ہوکر گزرتا ہے۔

سہولت کے لئے ہم نے فرض کرلیا تھا کہ چھوٹے پیمانے کی صنعت میں تجدید پیداوار کا واحد، عمومی چکر ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں کہیں زیادہ پر پیچ نظام عمل ملتا ہے۔ چھوٹے پیمانے کی صنعت کی پیداوار کی نوعیت، اس کے پیداوار کے طریقوں اور فروخت اور اطلاق کے نظام کے اعتبار سے چھوٹے پیمانے کی مختلف قسموں میں بڑا فرق ہوتا ہے، اتنا بڑا فرق کہ بلا تامل فرض کیا جاسکتا ہے کہ ہر سماجی ومعاشی تشکیل کی صنعت میں تجدید پیداوار کا اندرونی چکر موجود ہوتا ہے۔ یہ بات عموماً ذرائع پیداوار پر اور آلات محنت پر خصوصاً صادق آتی ہے۔ مثلاً گھریلو اور دستکاروں کی صنعتیں اور جسمانی محنت سے کام لینے والے کاروبار جو ذرائع پیداوار فراہم کرتے ہیں وہ عام طور پر نیم خود کفالتی اور چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت والی تشکیلوں میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس جو ذرائع پیداوار چھوٹے پیمانے کی مشین کار

صنعت مہیا کرتی ہے وہ چھوٹی سرمایہ دارانہ تشکیل میں بڑے پیمانے پر استعمال ہوتے ہیں۔

چنانچہ کثیر تشکیلی معیشت کی کرداری خصوصیت تجدید پیداوار کا وہ نمونہ ہوتی ہے جو اندرون تشکیل کا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں صنعت کاری کے پیش نظر مقصد اس نمونے کو مٹانا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ہندستان میں صنعت کاری کی بلا روک ٹوک ترقی تجدید پیداوار کے عمومی چکر میں صنعت کی مختلف قسموں کے شامل ہونے پر یعنی یہ کہ اندرون تشکیل تجدید پیداوار کے بین تشکیلی تدید پیداوار میں تبدیل ہو جانے پر منحصر تھی۔

ہندستان میں صنعتی تجدید پیداوار کے ایک ہی چکر کے قائم ہوئے کا راستہ متضاد نوعیت کا اور تکلیف دہ قسم کا تھا۔ ایک طرف تو سرمایہ دارانہ تعلقات کے حلقے کی توسیع نے تجدید پیداوار کے واحد چکر کی اہمیت بڑھا دی تھی جس کی چاہے ایک وجہ یہی تھی کہ مجموعی صنعتی پیداوار میں سرمایہ دارانہ صنعت کا تناسب بتدریج و مسلسل بڑھتا رہا۔ دوسری طرف زیریں معاشی تشکیلوں کے جمود، وسیع پیمانے کی مکمل اور جزوی بے روزگاری اور حکومت ہند کی سماجی اور معاشی پالیسیوں نے صنعت کی زیریں شکلوں کی کایا پلٹ میں رکاوٹ ڈال دی جس نے پھر موخر الذکر کو تجدید پیداوار کے عام چکر میں کھینچ کر لانے میں مزاحمت کی۔

صنعت کاری نے صنعت کے اندر اتصالی عوامل ناگزیر طریقے پر پیداوار کئے لیکن ہندستان کی معیشت کی کثیر تشکیلی نوعیت کے باعث اتصال کو طرح طرح کے انحرافوں نے روکے رکھا۔ صنعت کاری کے ابتدائی مرحلوں میں اتصال یعنی تجدید پیداوار کے بین تشکیلی چکر کا قیام جدید ترین آلات محنت کی فراہمی پر مبنی نہیں کیا جا سکا۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ موخر الذکر کو صنعت کی زیریں شکلوں میں استعمال نہیں کیا جا سکتا تھا۔ فیکٹری میں تیار شدہ موضوعات محنت کی کھپت کے معاملے میں صورت حال مختلف پائی جاتی تھی۔ اول تو بہت سی معاملے میں صورت حال مختلف پائی جاتی تھی۔ اول تو بہت سی قسموں کے ابتدائی سامان اور نیم تیار مصنوعات کو روایتی طریقوں سے تیار کیا جا سکتا تھا۔ دوسرے، موضوعات محنت کی پیداوار ہی میں بڑے پیمانے کی مشین کار صنعت چھوٹے پیمانے کی ایسی ہی صنعت پر واضح فوقیت ظاہر کر سکتی ہے۔ اس لئے صنعت کی زیریں شکلوں میں فیکٹری میں تیار شدہ موضوعات محنت کے استعمال کی جانب عبور نے مقابلے کی ان کی صلاحیت بڑھا دی۔

فیکٹری میں تیار شدہ موضوعات محنت کے استعمال سے جسے ہندستانی صنعت کی سرمایہ داری سے

پہلے کی شکلوں نے رواج دیا تھا، تمام قسموں کی صنعتوں کے قائم کئے ہوئے تجدید پیداوار کے چکر ایک دوسرے کو کاٹنے لگتے ہیں۔اس کے ساتھ سرمایہ داری سے پہلے کی صنعت کی شکلیں سرمائے کی مجموعی گردش میں رفتہ رفتہ کھنچ کر آتی ہیں۔ ہندستانی صنعت کاری نے یہی خاص چیز حاصل کی ہے کیونکہ محنت کی کل قومی کارگزاری میں اضافہ ابھی فیکٹری میں تیار شدہ موضوعات محنت کا استعمال شروع کر دینے سے ہوا، آلات محنت کی تبدیلی سے نہیں۔

نشوونما کی اس نہایت ہی کرداری نوعیت کو ان حضرات نے بڑی حد تک کسی شمار میں نہیں رکھا جنہوں نے ہندستانی صنعت کاری کی حکمت عملی کی تشکیل کی۔ ملک کی بڑے پیمانے کی صنعت کے دائرے کے اندر آزادی کے بعد کے زمانے میں ان صنعتوں نے سب سے زیادہ تیز رفتار ترقی دکھائی جو تیار مصنوعات پیدا کرتی ہیں۔ کچے مال اور نیم تیار مصنوعات کی پیداوار پچھڑی رہی اور کمی کو درآمدات کے ذریعے پورا کیا گیا۔ ترقی میں ایک عمل کو دوہرانے سے اور اس کے ساتھ ہی چھوٹے پیمانے اور بڑے پیمانے کی پیداوار کے درمیان مناسب تال میل نہ ہونے کے باعث نصب شدہ صنعتی صلاحیت طویل وقفوں کے لئے بے کار پڑی رہیں اور بہت سے سماجی سرمائے کو منجمد کر کے رکھ دیا۔

مستقل سرمائے کی پیداوار کے الگ الگ چکروں کی بدستور موجودگی سب سے پہلے تو ہندستانی معاشرے کی سماجی ومعاشی خصوصیات سے منسوب کی جاسکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہندستان میں صنعت کاری اب تک ملک کی معیشت کو جدید ذرائع پیداوار سے ازسرنو آراستہ کرنے میں فیصلہ کن طریقے سے اثر انداز ہونے میں ناکام رہی ہے۔ اس وقت صنعت کاری جدید تشکیلوں کے اندر جدید ٹکنالوجی اور پیداوار کے طریقوں کی جانب چھلانگ کی طرح عبور کرنے کا امکان پیدا کر رہی ہے اور زیریں تشکیلوں کے اندر قرون وسطی کے آلات محنت کی جگہ اس وضع کے ذرائع پیداوار کا استعمال شروع کرنے کا امکان پیدا کر رہی ہے جو آجکل کے ترقی یافتہ سرمایہ ممالک اپنے صنعتی انقلابوں کے ابتدائی مرحلوں میں استعمال کرتے تھے۔ الگ الگ معاشی تشکیلوں میں ٹکنیکی آراستگی کی نہایت ہی مختلف سطحیں صنعت میں تجدید پیداوار کے کئی چکروں کے جاری رہنے کا سبب ہیں۔

چونکہ ہندستان کے سماجی ومعاشی حالات چھوٹے پیمانے کی پیداوار کی طرح طرح کی شکلیں برقرار رکھنے میں ممد ومعاون ہیں اس لئے فرض کیا جاسکتا ہے کہ ہندستان کی صنعت میں پیداوار کے چکروں کی

پارہ پارہ نوعیت اور اندرون تشکیل پیداوار آئندہ کچھ عرصے تک باقی رہے گی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ''نیچے سے'' سرمایہ دارانہ کاروبار شروع ہونے کے عمل سے بھی ابتدائی دور میں صورت حال بنیادی طور پر نہیں بدلے گی۔ چونکہ کاریگروں اور دستکاروں کی ہر طرح کی پیداوار کی معاشی بربادی اور رفتہ رفتہ غائب ہوجانے سے چھوٹے سرمایہ دارانہ کاروباروں کی مزید نشوونما کا امکان پیدا ہوجاتا ہے اس لئے ہندستانی صنعت کے اندر تجدید پیداوار کے کئی چکروں کے برقرار رہنے کی ٹھوس بنیاد موجود ہے۔

بورژوا سماج میں طبقات کی تشکیل

ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں کا تجربہ بتاتا ہے کہ صنعت کاری جدید صنعت کی اہمیت بڑھاتی ہے جو محنت اور سرمائے کے اطلاق کا خاص دائرہ بن جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ معاشرے کی سماجی ترتیب وترکیب میں نسبتاً تیزی سے تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ اجرتی مزدوروں کی فوج کے خاص دستے کی شکل میں صنعتی مزدور دن بدن زیادہ نمایاں ہونے لگتے ہیں اور صنعتی بورژوازی استحصال کرنے ولا خاص طبقہ بن جاتی ہے۔

ہندستانی سماج کی سماجی ترکیب وترتیب پر صنعت کاری کا اثر مغرب کی بہ نسبت زیادہ متضاد رہا اور زیادہ سست رفتاری سے آیا۔ اول تو حکومت کی پالیسی کا مقصد یہ رہا ہے کہ جدید فیکٹری کی پیداوار اور صنعت کی زیریں شکلوں دونوں کی ہمت افزائی کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ صنعت کار ملکوں کے برعکس ہندستان میں صنعت کی زیریں شکلوں کی پیداوار میں کمی واقع نہیں ہوئی ہے۔ ان کی اصل پیداوار کا حصہ اگرچہ صنعت کے دوسرے سیکٹروں کی پیداوار کی بہ نسبت گھٹ گیا ہے، مگر ان کی پیداوار کی مطلق مقدار دگنی سے زیادہ ہوگئی ہے۔ دوسرے، سرکاری سیکٹر نے ترقی کی جن ترجیحی شرحوں کا مظاہرہ کیا ہے انہوں نے مجموعی اور اصل صنعتی پیداوار میں نجی ملکیت کے سیکٹر کے حصے کو نسبتاً گھٹا دیا ہے۔ دوسری جانب صنعتی اور زرعی پیداوار کی توسیع نے گردش کے میدان عمل میں نجی سیکٹر کی سرگرمی میں اضافہ کر دیا ہے کیونکہ ابھی تک اس میدان عمل میں حکومت کی حیثیت کمزور تھی۔ نتیجہ یہ ہوا ہے کہ صنعتی پرولتاریہ اور بورژوازی دونوں کا ارتقا انتہائی مخصوص طور پر ہوا ہے۔

صنعتی پرولتاریہ

جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں آزادی حاصل کرنے کے بعد ہندستان میں صنعتی پیداوار کے اضافے کا بڑا حصہ نئے قائم شدہ صنعتی کاروباروں سے آیا تھا۔ چونکہ نئی صنعتی تعمیر نے صنعت کی موجودہ ترتیب وترکیب کی تکمیل کی تھی اس لئے برسرروزگار لوگوں کی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا۔

متعدد روایتی ہلکی صنعتوں میں سرمائے طلب ٹکنیکوں کو رائج کرنے سے باز رکھنے کی حکومت کی پالیسی بھی ایک امدادی عنصر رہی۔ بہ الفاظ دگر صنعت کاری اس طرح کی گئی کہ ملک کے صنعتی پرولتاریہ کی تیزی سے نشوونما کو بڑھاوا ملے۔ لیکن درحقیقت جو واقعات رونما ہوئے وہ اتنے سادہ نہ تھے۔

سب سے پہلے تو یہ کہ آزادی سے پہلے ہندستان میں جو صنعتیں موجود تھیں ان کا ٹکنیکی ساز وسامان بے حد گھٹیا تھا اور وہاں جسمانی محنت وسیع پیمانے پر استعمال کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ بعض کلیدی عوامل میں بھی جسمانی محنت سے کام لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ جو صنعتی ساز وسامان مہیا تھا وہ کثرت استعمال سے گھس پٹ چکا تھا۔ عالمی معاشی بحران اور اس صدی کی چوتھی دہائی کی سرد بازاری کی پیدا کی ہوئی ناموافق معاشی صورت حال اور دوسری عالمگیر جنگ کے دوران میں اور جنگ کے بعد کے ابتدائی زمانے میں جدید ترین صنعتی ساز وسامان کی درآمد کے سلسلے میں درپیش آنے والی مشکلوں نے مل کر صنعت میں مستقل سرمائے کی حسب معمول تجدید سست کر دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ چھٹی دہائی سر میں مستقل سرمائے کی تجدید وسیع پیمانے پر کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ چونکہ ان دنوں ہندستان خود اپنا صنعتی ساز وسامان پیدا نہیں کرتا تھا اور چونکہ چوتھی اور پانچویں دھائیوں میں ترقی یافتہ ملکوں نے زبردست پیمانے پر ٹکنیکی ترقی کی تھی اس لئے مستقل سرمائے کی تجدید کے ساتھ ہی زندہ محنت کی مانگ میں نسبتاً کمی واقع ہوئی۔ اتنا بتا دینا کافی ہے کہ چھٹی دہائی میں ہندستان میں کپڑے اور کانکنی کی صنعتوں نے مزدوروں کی تعداد میں قریب قریب بغیر اضافے کے پیداوار بڑھائی۔

اس کے ساتھ ہی صنعت کاری کے باعث قائم ہونے والی نئی صنعتوں کی خصوصیت ان کی بہتر ٹکنالوجی تھی۔ اس صورت میں، بقول مارکس، مشین کے رائج ہونے کا بنیادی سبب جسمانی محنت سے کام کرنے والوں مین ٹکنالوجی کے بعض عوامل سرانجام دینے کی اہلیت کا نہ ہونا ہوتا ہے۔ بہ الفاظ دگر نئی صنعتوں نے سرمائے طلب ٹکنالوجی سے وسیع پیمانے پر استفادہ کیا اور ان کے ہاں زندہ محنت کی مانگ نسبتاً

کم تھی۔لیکن جب صنعت کاری کی رفتار بڑھی تو ان صنعتوں نے ہی نشو ونما کی شرح کے اعتبار سے سب پر سبقت حاصل کی۔اس کے علاوہ منظّم صنعت میں سرمائے کی نامیاتی تشکیل کو بہتر کرنے میں دوسرے عناصر نے سہولت پیدا کی۔مثلاً محنت کی اجرت میں نسبتاً اضافہ جو غذا کی بڑھتی ہوئی قیمتوں اور مزدوروں کے ہنر میں اضافے کے باعث ہوا، مزدوروں کی منظّم تحریک کے باعث محنت کی قیمت اور لاگت کے درمیان فرق میں کمی اور غیر ملکی ٹکنیکی اور مالی امداد پر ملک کے زیادہ انحصار کے باعث ہندستانی صنعت کا عالمی ٹکنیکی معیاروں کے نزدیک پہنچنا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ ہندستان کا صنعتی مزدور طبقہ سست رفتاری سے بڑھا۔چھٹی دہائی میں جب ہلکی صنعتی کو جدید بنانے کا عمل شروع ہوا تو صنعتی محنت میں اوسطاً 2.75 فیصدی سالانہ اضافہ ہوا۔اس صدی کی ساتویں دہائی کی ابتدا میں جدید بنانے کا عمل قریب قریب امر مسلمہ تھا، نئی صنعتوں نے تیز رفتاری سے پیش قدمی کی اور صنعتی مزدوروں میں اوسطاً 3.25 فیصدی سالانہ کا اضافہ ہوا۔معاشی سرد بازاری شروع ہوجانے کے باعث 1966 اور 1968 کے درمیان بڑے پیمانے کی کانکنی اور کام مال پر عمل کرنے کی صنعتوں میں مزدوروں کی تعداد ایک حد پر ٹھیری ہوئی تھی۔1969 اور 1970 میں نہایت خفیف اضافہ ہوا۔کل ملا کر 1951 اور 1970 کے درمیان ہندستان کی کانکنی اور خام مال پر عمل کرنے کی صنعتوں میں مشترکہ طور پر مزدوروں کی تعداد میں 60 فیصدی کا اضافہ ہوا اور ان کی تعداد 35 لاکھ سے بڑھ کر 56 لاکھ ہوگئی۔

ہندستان کے صنعتی پرولتاریہ کی عددی توسیع کے ساتھ اس میں خاصیتی تبدیلیاں بھی رونما ہوئیں۔ ایک تو یہی بات کہ نئی قائم شدہ صنعتوں میں، خصوصاً بھاری صنعتوں میں نئے ٹکنیکی عوامل کی خاصیت ہی مطالبہ کرتی ہے کہ عملے کی ہنرمندی میں نمایاں اضافہ ہو۔نئی صنعتوں کی تیز رفتار ترقی کے باعث صنعتی مزدوروں کی مجموعی تعداد میں ہنرمند مزدوروں کا تناسب مسلسل اور بتدریج بڑھا۔دوسرے، بھاری صنعتوں میں پیداواری ارتکاز عام طور پر اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے۔اس لئے ان کی ترقی نے مزدوروں کے اعلیٰ درجے کے ارتکاز کو بڑھاوا دیا (باوجودیکہ روایتی صنعتوں میں ان کی تعداد گھٹتی رہی)۔

صنعت کی زیریں شکلوں میں جن کی نشو ونما میں شدت اور وسعت دونوں تھیں، مختلف صورت حال پائی جاتی تھی۔شدت کا اظہار بڑے پیمانے، کی مقامی اور غیر ملکی صنعتوں کے مقابلے سے سرکاری تحفظ

ملنے، براہ راست سرکاری مالی اور ٹکنیکی امداد اور چھوٹے پیمانے کی بعض صنعتی اکائیوں کو بڑے پیمانے کی صنعت کی ضرورتیں پوری کرنے والے ضمنی اداروں میں تبدیل کر لینے کی بدولت جمع کے لئے زیادہ مواقعات کی صورت میں ہوا۔ نشوونما کی وسعت بے روزگاری کے مسلسل و بتدریج بڑھتے ہوئے دباؤ پر مشتمل تھی جس کے باعث ان غیر ہنر مند مزدوروں کی محنت کی اجرت گھٹتی ہے جنہیں مجبوراً چھوٹے موٹے کام کرنے پڑتے ہیں۔ روایتی قسموں کے مال کی مسلسل مانگ اور محدود اندرونی منڈی جو بعض چیزوں کی چھوٹے پیمانے کی پیداوار معاشی اعتبار سے مناسب ہونے کا تعین کرتی ہے مزید ایسے عناصر ہیں جو اس میں مدد ہوتے ہیں۔ ہندستانی صنعت کے نچلے سیکٹروں میں نشوونما کے وسعتی عناصر کا بظاہر اب بھی غلبہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چھوٹے پیمانے کی پیداوار نے بڑے پیمانے کی صنعت کی بہ نسبت ترقی کی اعلیٰ شرحیں برقرار رکھیں۔ ہندستانی معاشیات دانوں کا اندازہ ہے کہ ملک کی چھوٹے پیمانے کی صنعت میں برسرکار لوگوں کی تعداد 90 فیصدی بڑھی اور وہ ایک کروڑ سے بڑھ کر ایک کروڑ 89 لاکھ ہوگئی۔ 27

لیکن اس عام تصویر میں دو متضاد عوامل پوشیدہ تھے۔ ایک طرف تو حکومت کے سہارے کی بدولت سب سے زیادہ پسماندہ نیم خود کفالتی گھریلو صنعتوں میں مصروف عمل محنت نے نشوونما کی اعلیٰ ترین شرح دکھائی۔ 54-1953 اور 71-1970 کے درمیان کھادی 28 اور دیہی صنعتوں میں لگے ہوئے مزدوروں کی تعداد 3 لاکھ 89 ہزار سے بڑھ کر 20 لاکھ 88 ہزار ہوگئی جو 5.3 گنا اضافہ ہے۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ کھادی اور دیہی صنعتیں خود پیداوار کرنے والوں کی ضرورتیں ہی پوری کرتی ہیں یا پھر شہری اور دیہی آبادی کے نچلے حصوں کے لئے ضمنی ذریعہ آمدنی کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سال بھر میں درحقیقت صرف ہونے والے کام کے دن تعداد میں انتہائی قلیل ہوتے ہیں اور فی کس آمدنی بہت تھوڑی ہوتی ہے۔

دوسری طرف چھوٹے پیمانے کی پیداوار میں چھوٹی مشین کار اکائیوں کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہوا (دس سے کم مزدوروں کو ملازم رکھنے والی اکائیاں)۔ ہم نے اندازہ لگایا ہے کہ ان کاروباروں میں مزدوروں کی مجموعی تعداد 1954 اور 1970 کے درمیان چار پانچ لاکھ سے بڑھ کر 16 سے 18 لاکھ تک ہوگئی۔ کیونکہ ان اکائیوں میں نسبتاً پیچیدہ قسم کی مشینیں وغیرہ استعمال ہوتی ہیں جن کے چلانے میں ہنر کی نسبتاً اعلیٰ سطح درکار ہوتی ہے اس لئے ان میں عموماً مزدور اجرت پر رکھے جاتے ہیں کنبے کے

لوگوں کو کام پر نہیں لاگایا جاتا۔اس لئے قوت محنت کی ترکیب وترتیب کے اعتبار سے وہ جدید بڑے پیمانے کی صنعت سے بہت ہی کم مختلف ہوتی ہیں۔

اس طرح ہندستان میں چھوٹے پیمانے کی پیداوار کے دائرے کے اندر مزدوروں کی تعداد میں تیزی سے اضافے کے ساتھ ساتھ مزدوروں کے دوزمروں کے غلبے میں اضافہ ہوا یعنی اجرتی مزدوراور وہ مزدورج کے لئے چھوٹے پیمانے کی صنعت میں کام اپنے روایتی پیشے کے بعد ثانوی حیثیت رکھتا تھا۔اس کے ساتھ ہی خودمختاری یارسمی طور پر پرخودمختاری یارسمی طور پرخودمختاری سے جنس تجارت پیدا کرنے والوں کا تناسب کم ہوگیا حالانکہ مطلق حساب میں ان کا غلبہ بدستور جاری رہا۔

ہندستان کی کثیر تشکیلی معیشت کے اندر خودصنعت کی کثیر تشکیلی حیثیت ہے اوراس کوترکیب دینے والے ہرعنصر میں خود اپنی وضع کا مزدور ہوتا ہے، اس کی اپنی مخصوص نوعیت، قوانین اور تجدید پیداوار کی شرح ہوتی ہے۔اس صورت حال میں روزگار کی ترکیب وترتیب میں تبدیلیوں نے الگ الگ تشکیلوں کے ارتقا کے مختلف رجحانات کی عکاسی کی ہے۔سرمایہ داری سے پہلے کی تشکیلوں کے اندر تجدید پیداوار جس طرح برقرار رکھی جاتی تھی اس کا بڑی حدتک تعین وسعتی عناصر کرتے تھے جن میں روایتی ٹکنالوجی کی بنیاد پر روزگار کی توسیع بھی شامل ہے، جب کہ سرمایہ دارانہ تشکیلوں کے اندر اس کو شدتی عناصر مرتب کرتے تھے جس کی مثال سرمائے کی نامیاتی ترتیب وترکیب کا درجہ رفتہ رفتہ بلند کرنے سے ملتی ہے۔ جدید صنعتی پرولتاریہ کی تعداد میں نسبتاً سست رفتار اضافے کی یہی خاصی وجہ تھی۔درحقیقت 1951اور 1971 کے درمیان مجموعی صنعتی مزدوروں میں اس تناسب 25.9 فیصدی سے گھٹ کر 23 فیصدی رہ گیا تھا۔اس اعتبار سے، جیسا کہ ہم پہلے باب میں واضح کر چکے ہیں، ہندستانی سرمایہ داری ملک کی آبادی کے بڑے حصے کو جدید صنعت کے حلقے میں شامل کرنے میں ناکام رہی۔

چنانچہ، ہندستانی صنعت کاری کے موجودہ سماجی ومعاشی نمونے کے ساتھ، ان مزدوروں کی تعداد جو ملک کی صنعت کے سرمایہ داری سے پہلے کے اور ابتدائی سرمایہ داری کے سیکٹروں میں برسرروزگار ہیں، مطلق اور نسبتی دونوں اعتبار سے بڑھی ہے۔یہ اس حقیقت کے باوجود ہوا ہے کہ یہ سیکٹر استحصال کی بدترین صورتوں کو نمایاں کرتے ہیں، مثلاً اپنے مالک پر مزدور کے ذاتی انحصار کی باقیات، افراد کنبہ سے بلا اجرت کام لینے کا وسیع پیمانے پر رواج اور کام کرنے کا نہایت ہی طویل دن وغیرہ۔اس کے علاوہ روایتی ٹکنالوجی

اور ساز وسامان کا استعمال محنت کی کارگزاری کو کم رکھتا ہے۔اس لے مینوفکچر سے قدر میں جو اضافہ ہوتا ہے اس کے مساوی معاوضے سے بھی صنعت کے ان فرسودہ سیکٹروں میں ان لووگوں کے معیار زندگی میں کوئی بامعنی اصلاح ناممکن ہے جو براہ راست پیداوار کرتے ہیں۔ چونکہ پوری زائد پیداور اور بعض اوقات ضروری پیداوار تک کے ایک حصے کو مالک، تجارت، میں بچولیا، مہاجن یا اجارہ دار ہڑپ کر جاتا ہے اس لئے موجودہ سماجی تشکیل جدید صنعتی پرولتاریہ کے ابھرنے کے لئے کم ازکم موافق ہوتی ہے کیونکہ صنعتی مزدوروں کی تعداد کی بہ نسبت چھوٹے پیمانے کی جنس تجارت پیدا کرنے والے مفلوک الحال لوگوں اور نیم پرولتاریوں کی تعداد زیادہ تیزی سے بڑھ رہی ہے۔

ہندستان صنعتی بورژوازی

کسی سرمایہ دار ملک میں بورژوازی کی ارتقائی سطح کا ایک اہم اشاریہ سرمائے کے اطلاق کا حلقہ اور ذرائع آمدنی ہوتے ہیں۔معیشت کی مخصوص شاخوں کو ترقی دینے میں بورژوازی کے سرکردہ حلقوں کی دلچسپی کی تہ میں یہی بات ہوتی ہے اور دوسرے طبقوں اور غیر ملکی سرمایہ داروں سے تعلقات کے جو نمونے اس کی وجہ سے بنتے ہیں ان میں بھی اسی کی کارفرمائی ہوتی ہے۔اپنی باری میں ملک کی معیشت کی تشکیل اور پیداواری تعلقات کے موجودہ نمونے کی کرداری نوعیت نیز غیر ملکی بورژوازی کو جو مقام حاصل ہوتا ہے اس سے سرمائے کے اطلاق کے حلقے کا اور ذرائع آمدنی کی ترکیب وترتیب کا تعین ہوتا ہے۔

ان عناصر نے نوآبادیاتی ہندستان میں سرمائے کے اطلاق کے انتہائی محدود حلقے کی تشکیل کی۔ ملک کی زراعت میں سرمایہ داری سے پہلے کے زمانے کی قوی باقیات کو محفوظ رکھنے، معیشت کی سرمایہ دارانہ انداز میں منظّم کی ہوئی شاخوں میں غیر ملکی سرمائے کی زبردست مقابلہ بازی اور غیر ملکی سرمایہ داروں کی غالب حیثیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ قومی سرمایہ دارانہ کاروبار کے امکانات محدود ہوگئے۔اس صورت حال میں کاروبار کرنے والے مقامی لوگوں کے لئے تجارت اور مالیات نے بہترین اور وسیع ترین امکانات فراہم کئے۔اس کے ساتھ ہی سرمایہ دارانہ تشکیل کے نسبتاً محدود امکان کے پیش نظر ضمنی وضع کی سرگرمی (ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں کے اعتبار سے) مثلاً جائداد کی خرید وفروخت، وکالت اور ڈاکٹری کے پیشوں نے بڑی اہمیت اختیار کر لی تھی۔نتیجہ یہ نکلا کہ برطانوی نوآبادیاتی حکمرانی کے دور میں ہندستانی بورژوازی

کے لئے سرمائے کے اطلاق کا جو حلقہ کھلا ہوا تھا وہ زیادہ تر غیر پیداواری نوعیت کا تھا۔

آزادی کے بعد سرمایہ داری 1947 سے پہلے کے کسی بھی زمانے کی بہ نسبت کہیں تیز رفتاری سے بڑھ رہی ہے۔ بورژوازی کی صفوں میں 300 فیصدی سے زیادہ اضافہ ہوگیا ہے جو سب سے پہلے ہندستانی سماج کے نیچے کے حلقوں سے نئے اراکین کی آمد سے ہوا۔ 49-1948 اور 67-1966 کے درمیان قومی بورژوازی کی آمدنی 5 ارب 70 کروڑ سے بڑھ کر 26 ارب 10 کروڑ روپے ہوگئی (جاری قیمتوں میں)۔[29] لیکن سرمایہ دارانہ معاشی تشکیلوں کی تیزی سے توسیع کے ساتھ اسی سرعت سے نہ تو سرمائے کے اطلاق کے حلقے میں بہتری کی جانب تبدیلیاں رونما ہوئیں نہ آمدنی کی ترکیب وترتیب میں۔ ہمیں اس کا سبب قومی معیشت کے مختلف سیکٹروں میں ریاستی سرمایہ دارانہ کارخانوں میں ترقی کی نہایت ہی مختلف شرحوں میں نظر آتا ہے۔

52-1051 اور 66-1965 کے درمیان منظّم صنعت کے اندر سرکاری سرمایہ کاری قیمتوں کے اعتبار سے 80 گنی سے بھی زیادہ ہوگئی۔ اس کے مقابلے میں نجی سیکٹر میں محض 3.5 گنا اضافہ ہوا۔ نجی سیکٹر میں اثاثہ پیداوار کی بہ نسبت زیادہ سرعت سے بڑھا کیونکہ اس کا سرمایہ روز افزوں پیمانے پر سرمائے طلب بھاری صنعتوں میں لگایا جارہا تھا۔ علاوہ ازیں ہنرمند عملے اور کچے مال کی قلت نیز تنظیمی مشکلوں نے ایسی صورت حال پیدا کردی جس میں منافع مجموعی پیداوار کی بہ نسبت سست رفتاری سے بڑھے۔

مشین کار ذرائع نقل وحمل نے تبدیلی کا نہایت ہی پیچ در پیچ نمونہ پیش کیا۔ نقل وحمل کی بہت سی شاخوں میں سرکاری سیکٹر کا کاروبار قومیانے پر مبنی تھا۔ ہندستانی ذرائع نقل وحمل میں نجی کاروبار کو جہاز رانی میں اور تجارتی پیمانے پر نقل وحمل کے لئے گاڑیاں چلانے میں توسیع سے ہی مزید فروغ حاصل ہوسکتا ہے۔

ابھی پچھلے دنوں تک گردش کے میدان عمل میں سرکاری اقدامات محدود نوعیت کے تھے اور بیشتر مالیات کے دائرے میں کئے گئے تھے۔ آزادی آنے کے ساتھ ساتھ ہندستانی حکومت نے ریزرو بینک آف انڈیا پر اختیار حاصل کرلیا جو اجرا کا خاص بینک ہے۔ امپیریل بینک آف انڈیا کو جو خاص تجارتی بینک تھا، اسٹیٹ بینک آف انڈیا میں تبدیل کرلیا گیا۔ اس کے علاوہ بیمہ کمپنیوں کو قومیالیا گیا اور درمیانی اور طویل مدت کے قرضے دینے والی 30 سے زیادہ سرکاری تنظیمیں قائم کردی گئیں۔ تجارت کے میدان

عمل میں ساتویں دہائی کے وسط تک صرف ایک سرکاری تنظیم (اسٹیٹ ٹریڈ کارپوریشن) قائم ہوئی جو غیر ملکی تجارت کے سلسلے میں محدود کاروبار کر رہی ہے۔ اسی دوران میں بڑھتی ہوئی پیداوار کے جواب میں اور جنس تجارت اور زر کے تعلقات کی توسیع کے باعث ملک کی جنس تجارت کے کاروبار میں نمایاں اضافہ ہوا۔ ریاستی سرمایہ دارانہ نشوونما کے اس نمونے کا اور ملک کی نوآبادیاتی معیشت کے انتشار کے ساتھ ساتھ آنے والی معروضی مشکلوں سے پیدا ہونے والی سست رفتاری کے اثر کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ ہندستانی قومی بورژوازی کی آمدنی کی ترکیب وترتیب میں کوئی بنیادی تبدیلی رونما نہیں ہوئی (جدول 10 ملاحظہ فرمائیے)۔

جدول 10

ہندستانی بورژوازی کے ذرائع آمدنی (فیصد)30

ذرائع آمدنی	1948-49	1966-67
ہنڈیوں پر سود.....	3.1	1.7
جائداد غیر منقولہ.....	4.8	2.2
کاروبار.....	75.8	68.9
جس میں: صنعت (مع تعمیر).....	21.5	28.7
تجارت اور نقل وحمل.....	36.3	32.4
مالی کاروبار.....	6.9	5.6
آزاد پیشے.....	7.0	2.66
غیر درجہ بند اور دیگر آمدنیاں31	16.3	26.8
میزان کل	100.0	100.0

مندرجہ بالا اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ آزادی کے بعد ہنڈیوں کے سود اور جائداد غیر منقولہ سے حاصل ہونے والی آمدنی کا حصہ نسبتاً گھٹ رہا ہے۔ رجسٹر شدہ اور غیر رجسٹر شدہ فرموں کے منافع کو پیش

نظر رکھیں تو اگرچہ کاروبار سے ہونے والی آمدنی کا حصہ ظاہری طور پر گھٹ گیا ہے مگر درحقیقت 49-1948 اور 67-1966 کے درمیان اس میں 78.9 سے 84.1 فیصدی تک تو سیع ہوئی۔ کاروبار سے حاصل کی جانے والی آمدنی کے زمرے کے اندر آزاد پیشوں سے حاصل ہونے والی آمدنی میں بڑی کمی نظر آئی۔ ان آمدنیوں کو خاصے مشروط طریقے سے ہی سرمایہ دارانہ تصور کیا جاسکتا ہے۔ بہ الفاظ دگر آزادی کے بعد ہندستانی بورژوازی کی آمدنیوں نے روزافزوں پیمانے پر جدید خدوخال اختیار کر لئے ہیں اور وہ گویا ثابت قدمی سے سرمایہ دارانہ بن گئی ہیں۔

قومی معیشت کے مختلف سیکٹروں کی آمدنیوں کے تناسب میں بھی تبدیل واقع ہوگئی ہے۔ آزادی کے بعد کے پورے زمانے میں صنعت سے حاصل ہونے والی آمدنیوں کے تناسب میں بتدریج و مسلسل اضافہ ہوا ہے۔ لیکن جدول 10 میں جن اعداد کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے وہ اصل میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کو بڑھا چڑھا کر ظاہر کرتے ہیں۔ اگرچہ گذشتہ بیس برس کے عرصے میں ہندستانی صنعت رجسٹر شدہ اور غیر رجسٹر شدہ تجارتی فرموں کے معاملوں کے دائرے کے اندر اہمیت حاصل کرتی رہی ہے، پھر بھی یہ فرمیں مطلق اور نسبتی ہر دو اعتبار سے سب سے پہلے گردش کے میدان عمل میں مصروف رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تجارت، مالی کاروبار وغیرہ سے حاصل ہونے والی آمدنیوں کا غلبہ اس سے کہیں زیادہ ہے جس کا جدول 10 کے اعداد سے اظہار ہو۔ بہ الفاظ دگر، زیر جائزہ مدت میں بورژوازی کے لئے خاص ذریعہ آمدنی بن جانے میں صنعت ناکام رہی۔ یہاں سست رفتار صنعتی ترقی اس کا اتنا سبب نہیں جتنا ہندستانی صنعت کاری کا انتہائی مخصوص وہ نمونہ ہے جو ریاستی سرمایہ داری کے غلبے کی صورت حال میں بن رہا ہے۔

آخر میں یہ کہ مختلف صنعتوں کے اندر ایسی تبدیلیاں رونما ہوگئی ہیں جو صنعت کاری کی بڑھتی ہوئی رفتار کا عکس پیش کرتی ہیں۔ بھاری صنعت کی ترجیحی ترقی کی بدولت 49-1948 اور 67-1966 کے درمیان ملک کی سرکردہ صنعت یعنی سوتی کپڑے کی صنعت کا حصہ 32.3 فیصدی سے گھٹ کر 19 فیصدی رہ گیا۔ اس کے برعکس مجموعی صنعتی منافعوں میں لوہے اور فولاد کی اور انجنیرنگ کی صنعتوں کا حصہ 12.9 سے بڑھ کر 25.2 فیصدی ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہے کہ صنعتی بورژوازی کے لئے یہ صنعتیں آمدنی کا خاص ذریعہ بن گئی ہیں۔ تجارت میں صنعت کاری کا عکس ان معاملوں میں تیزی سے توسیع میں نظر آیا جن کا تعلق پیداواری مصنوعات سے ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ 67-1966 کے مالی سال میں تجارت پیشہ بورژوازی کی

مجموعی آمدنیوں میں اشیائے خوردنی کا حصہ محض 10 فیصدی رہا۔اس کے مقابلے میں غیر غذائی اشیا کی تجارت کا مجموعی منافعوں میں حصہ کوئی 90 فیصدی رہا۔32

مالی کاروبار کے میدان عمل میں سرمایہ دارانہ تشکیل کی نشوونما خاص طور سے بڑی ہی نمایاں ہوئی۔ درحقیقت 49-1948 کے مالی سال میں مہاجنوں اور مقامی بینک کاروں (صرافوں) کی آمدنی ہندستان میں کاروبار کرنے والے ہندستانی اور غیر ملکی دونوں قسموں کے بینکوں اور بیمہ کمپنیوں کے مجموعی منافعوں سے زیادہ تھی، مگر 67-1966 کے مالی سال میں موخرالذکر کے مجموعی منافعے مہاجنوں اور مقامی بینک کاروں کے منافعوں سے چار گنے زیادہ تھے۔

آزادی کے بعد سرمایہ داری کی ترقی کی بڑھتی ہوئی رفتار کے باعث سرمائے کی سیکٹری تقسیم میں تبدیلیاں رونما ہوگئی ہیں اور اس کے نتیجے میں بورژوازی کی آمدنی کی ترکیب وترتیب بدل گئی ہے۔لیکن یہ تبدیلیاں بہت ہی سست رفتار سے آئی ہیں اور بنیادی نہیں ہیں جس کی وضاحت معاشی تشکیل میں تیز رفتار تغیر ناممکن ہونے اور ریاستی سرمایہ داری کی نشوونما کی مخصوص خصوصیات سے ہوتی ہے۔اس کے ساتھ ہی ساتھ سرمائے کے بڑھتے ہوئے ارتکاز اور بڑے سرمائے کی نشوونما کی ترجیحی شرحوں نے خود سرمایہ دارانہ تشکیل کو جدید بنانے اور کاروبار کی جدید قسموں کو وسعت دینے میں مدد دی ہے۔معیشت میں سرمایہ دارانہ اور زیریں تشکیلوں کے درمیان بتدریج بڑھتی ہوئی خلیج کی اس سے ایک حد تک شہادت ملتی ہے۔

اب یہ بات قطعی واضح ہوگئی ہے کہ ہندستانی بورژوازی رفتہ رفتہ ارتقا کے راستے پر پیش قدمی جاری نہیں رکھ سکتی کیونکہ 1969-1971 کی اصلاحات اس کی ترتیب وترکیب کو غیر متاثر نہ چھوڑیں گی۔فی الحال ہم اپنی توجہ بعض ان اہم ترین تبدیلیوں پر مرکوز کریں گے جو ان اصلاحات سے پیدا ہوئی ہیں۔

بڑے بڑے تجارتی بینکوں اور عام بیمہ کمپنیوں کو قومی ملکیت بنانا، صنعتی کچے مال کی درآمد پر سرکاری کنٹرول نافذ کرنا اور بہت سی ہلکی صنعتوں میں بڑے سرمائے کے حصے پر پابندیاں عائد کرنا وہ اقدامات ہیں جو بڑی بورژوازی کی آمدنیوں میں اضافے پر بندش لگاتے اور اس طبقے کی نچلی صفوں پر اس کے دباؤ کو محدود کرتے ہیں۔اس کے ساتھ ہی صنعتی اور دیہی بورژوازی کی نچلی صفوں کے حق میں ریاستی قرضوں کی ازسرنو تقسیم، چھوٹے پیمانے کی صنعتوں سے سرکاری خرید کی مقدار میں اضافہ اور ان صنعتوں کو کچے مال کی فراہمی میں اصلاح ___ ان تمام باتوں نے چھوٹے پیمانے کے کاروباروں کو فروغ دینے، متوسط

پیمانے کے کاروبار میں انجام کاران کے عبور کی ہمت افزائی کرنے کے لئے موافق حالات پیدا کردئے۔ اس لئے توقع کی جاتی ہے کہ آئندہ چند برسوں میں بورژوازی کی نچلی صفوں کے حق میں ایک حدتک آمدنی کی ازسرنوتقسیم ہوگی۔

ایک طرف تو ملک کی جمع کی سرکاری سیکٹر کے حق میں ازسرنوتقسیم اور بڑے سرمائے کی سرگرمی پر پابندیوں سے اور دوسری طرف چھوٹے پیمانے کے کاروباروں کی توسیع سے بورژوا سرگرمیوں کی شکلوں اور طریقوں کو جدید کرنے کے عمل میں رکاوٹ پیدا ہونے کا اثر پیدا ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ سب ہی جانتے ہیں کہ چھوٹے پیمانے کی پیداوار کی توسیع عموماً کاروبار کرنے والے کی ذاتی آمدنی کو اور اس سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے محدود حلقے کی آمدنی کو سرمائے میں تبدیل کرنے پر مبنی ہوتی ہے۔ اس لئے سرکاری اور چھوٹے پیمانے کے کاروباروں کی نشوونما نجی سیکٹر میں مشترکہ اثاثے کی کمپنیوں کی آمدنیوں کو ایک ہی جگہ جمادینے اور یہاں تک کہ گھٹانے کا باعث ہوسکتی ہے۔

بورژوازی کو آمدنی کے جو مختلف ذرائع مہیا ہیں ان کے تناسب پر مذکورہ بالا اصلاحیں نمایاں اثر ڈال رہی ہیں۔ 1969 اور 1971 کے درمیان قومیانے کے جو اقدامات کئے گئے ان کے نتیجے میں بورژوازی کی وہ آمدنیاں گھٹ گئیں جو بڑی حدتک گردش کے میدان عمل سے حاصل ہوتی تھیں۔ اس کے مقابلے میں دیہی اور شہری علاقوں میں چھوٹی پیمانے کے سرمایہ دارانہ کاروباروں کی ترغیبات کی بدولت پیداواری حلقے سے آمدنی میں اضافہ ہوا ہے۔ لیکن ہندستان میں جو صورت حال پائی جاتی ہے اس کے پیش نظر مادی پیداوار کے دائرے کے اندر بورژوازی کی آمدنیوں میں اضافہ صنعتی معاملے کر کے اتنا نہیں جتنا زرعی سرگرمیوں سے جاری رکھا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی چھوٹے پیمانے کے سرمایہ دارانہ کاروبار کی نوعیت ہی تجارت کی حیثیت کو بورژوازی کی آمدنی کے ایک اہم ذریعے کی طرح برقرار رکھنے میں ممدومعاون ہوتی ہے۔

آزادی کے بعد عام طور پر ہندستانی معاشرے کی سماجی ساخت میں بنیادی تبدیلیاں واقع نہیں ہوئی ہیں۔ ایک طرف تو صنعتی سماج کی طبقاتی ساخت کو ایک حدتک ''جدید بنایا گیا ہے''۔ ہنرمند مستقل صنعتی پرولتاریہ کی روزافزوں نشوونما ہوئی ہے اور اس کے ساتھ ہی نئی نئی قائم شدہ صنعتوں میں اس کا بڑھتا ہوا ارتکاز ہوا ہے۔ ہندستانی سماج میں بورژوازی نے استحصال کرنے والے خاص طبقے کی حیثیت اختیار

کر لی ہے۔ مذکورہ بالا امور کے ساتھ مختلف صورتوں کی کاروباری سرگرمی صنعتی سرمائے کے قابو میں آ گئی ہے۔ دوسری طرف، منتشر ہوتی زیریں تشکیلوں سے متاثر شدہ لوگوں کی تعداد مطلق اور نسبتی ہر دو اعتبار سے مسلسل و بتدریج بڑھ رہی ہے۔ اس تبدیلی نے اپنی باری میں سرمائے کی نچلی شکلوں کی نسبتاً خود مختارانہ کارروائیوں کے لئے زمین ہموار کر دی ہے۔ بہ الفاظ دگر صنعت کاری کی رفتار بڑھنے کے ساتھ ساتھ ہندستانی سماج کی معاشرتی ترتیب و ترکیب نے روز افزوں حد تک گونا گوں اور عبوری نوعیت اختیار کر لی ہے۔

☆☆☆

ہندستان میں صنعت کاری کے متعلق آخری طور پر فیصلے کرنے کی کوشش کرنا قبل از وقت ہوگا کیونکہ یہ ایک پر پیچ اور طویل عمل ہے۔ پھر بھی وقتی طور پر کچھ نتیجے کئے جا سکتے ہیں۔

ہندستانی صنعت کاری کا بظاہر سب سے زیادہ اہم واحد نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مستقل سرمائے کی تجدید پیداوار میں (مادی طور پر) عالمی منڈی پر انحصار گھٹ گیا ہے۔ درحقیقت ہندستان میں بہت سی بھاری صنعتوں کے نمودار ہونے اور بعد میں نشوونما حاصل کر لینے سے بعض صورتوں میں مختلف پیداواری سامان کی درآمدات کو ختم کرنا ممکن ہو گیا ہے۔ ہندستانی معاشیات دانوں کے قول کے بموجب آزادی کے دور میں ملک کی معیشت میں مجموعی سرمایہ کاریوں میں (بہ اعتبار قدر) غیر ملکی جزو کا حصہ 21-22 فیصدی سے گھٹ کر نو دس فیصدی رہ گیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مستقل سرمائے کی تجدید پیداوار روز افزوں پیمانے پر اندرونی بنیاد پر برقرار رکھی جا رہی ہے۔ ادائگی کے توازن میں خسارے کے پرانے عارضے کی صورت حال میں اس سے نقد بچت کو پیداواری سرمائے میں تبدیل کرنے کے زیادہ متوازن اور پائیدار نمونے کو سہارا ملتا ہے۔

سبقت حاصل کرتی ہوئی صنعتی نشوونما کی شرح نے ملک کی معاشی تشکیل میں کچھ تبدیلیاں کر دی ہیں۔ 1950-51 اور 1970-71 کے درمیان قومی آمدنی میں کانکنی اور خام مال پر عمل کرنے کی صنعتوں نے (جن میں برقی قوت کی پیداوار اور تعمیر بھی شامل ہیں) جو حصہ ادا کیا وہ 16.1 سے بڑھ کر 19.9 فیصدی ہو گیا۔ چھٹی دہائی کے اواخر تک اصل مصنوعات کی مطلق مقدار کے اعتبار سے بڑے پیمانے کی صنعت چھوٹے پیمانے کی صنعت پر سبقت حاصل کر چکی تھی۔ زراعت اور گردش کا حصہ قدرے

گھٹ گیا تھا۔33

جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں ان میں سے بیشتر اگر چہ محدود نوعیت کی ہیں مگر بڑے پیمانے کی صنعت کی ترقی نے بہت سے خود معاشی عوامل پر نمایاں اثر ڈالنا شروع کر دیا ہے۔ سب سے پہلے تو جدید صنعت کی کرداری خصوصیت یہ ہے کہ معیشت کے دوسرے سیکٹروں کی بہ نسبت اس میں محنت کی کارگزاری کہیں زیادہ ہے۔ اس لئے معیشت میں اس کا حصہ بڑھنے سے محنت کی اوسط قومی کارگزاری میں اضافے کے رجحان کو ترغیب ملی ہے۔ دوسرے، ہندستان کی بڑے پیمانے صنعت کی اس خصوصیت کے علاوہ کہ اس میں محنت کی کارگزاری کی سطح نسبتاً بلند ہوتی ہے، ایک خصوصیت قدر زائد کی کہیں زیادہ اونچی شرح بھی ہے اور اس لئے امکانی جمع بھی ہے۔ اس کے علاوہ روانی کے ساتھ جدید صنعتوں کے چالو رہنے کے باعث جس کا نسبتاً اعلی نامیاتی ساخت کا سرمایہ ہوتا ہے ٹوٹ پھوٹ کا خاصا فنڈ جمع ہو جاتا ہے۔ ہندستان میں سستی محنت اور مستقل اثاثے کے آہستہ معدوم ہونے سے یہ ممکن ہے کہ ٹوٹ پھوٹ پیداواری اثاثے کی جگہ لینے کے لئے ہی نہیں بلکہ اس کی توسیع بھی استعمال کر لیا جائے۔ آخر میں یہ کہ بھاری صنعت کی توسیع نے ملک کی معیشت کی دوسری شاخوں کے لئے ذرائع پیداوار کی فراہمی میں اضافہ کر دیا ہے۔ اس طرح محنت کی کارگزاری بڑھانے میں مدد دی ہے۔ بہ الفاظ دگر صنعت کاری نے محنت کی کارگزاری میں ملک گیر پیمانے پر اضافہ کر دیا ہے اور جمع کے فنڈ کی توسیع کر دی ہے، حالانکہ ی یہ عوامل قدرے سست رفتار رہے ہیں۔

صنعتی ترقی نے معاشی نمو کی شرح میں خفیف اضافہ کر دیا ہے۔ ہندستانی معاشیات دانوں کے قول کے بموجب 1900 اور 1949 کے درمیان قومی آمدنی میں اوسط سالانہ اضافہ (یکساں قیمتوں پر فی کس) محض 0.4 فیصدی تھا۔ حالانکہ آزادی کے بعد سے اب تک آبادی میں اضافہ کی شرح قریب قریب دگنی ہوگئی ہے لیکن فی کس قومی آمدنی میں اوسط سالانہ اضافہ 49-1948 اور 71-1970 کے درمیان 1.4 فیصدی ہوا۔

صنعت کاری نے سرمایہ دارانہ بنیاد پر معیشت کے اتصال کی رفتار بڑھا دی۔ بھاری صنعت نے ہلکی اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں، ذرائع نقل وحمل، ذرائع رسل ورسائل اور زراعت کو ذرائع پیداوار کی فراہمی میں رفتہ رفتہ اضافہ کر دیا۔ ہمارے اندازے کے بموجب 61-1920 اور 71-1970 کے

درمیان ہندستان کی زراعت میں رواں تجدید پیداوار کے اخراجات میں (زرعی آلات اور مشینوں کے علاوہ) صنعتی سامان کا تناسب 3.5 سے بڑھ کر 12.8 فیصدی ہو گیا۔ صنعتی عمل کرنے کے لئے ٹکنیکی فصلوں کی پیداوار خاص کر تیز رفتاری سے بڑھی جس سے قومی بنیاد پر متحدہ تجدید پیداوار کے چکر رفتہ رفتہ مرتب ہونے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ملک کی معیشت کے اندر تجدید پیداوار کے عمل پر صنعت کا اثر بڑھ گیا ہے اور اس طرح ملک میں ٹکنیکی جدتوں کی توسیع وتقویت کو بڑھاوا ملا ہے۔

اس طرح صنعت کاری کے دوران میں مندرجہ ذیل خصوصیات مشاہدے میں آئیں: معیشت اور اس کے اشتراک واتحاد میں تشکیلی تبدیلی کی جانب رجحان، محنت کی کارگزاری اور جمع کے فنڈ میں اضافہ، معاشی نمو کی رفتار میں روزافزوں اضافہ اور قومی بنیاد پر (مادی اعتبار سے) مستقل سرمائے کی تجدید پیداوار کے قیام کی جانب رجحان۔ بحیثیت مجموعی جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں وہ قریب قریب ان تبدیلیوں کے مطابق ہیں جو آج کے ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں میں اس وقت واقع ہوئی تھیں جب وہ اپنے صنعتی ارتقا کے ابتدائی مرحلوں سے گزر رہے تھے۔ مگر ہندستان میں یہ عوامل کہیں زیادہ سست رفتار ہیں اور زیادہ پیچیدہ اندرونی تضادات کے ساتھ رونما ہو رہے ہیں۔

ہندستان میں صنعت کاری کی مالیاتی بنیاد کو وسعت دینے کی غرض سے کئے جانے والے اقدامات محدود رہے ہیں، ان میں سے بیشتر کا مقصد صنعتی سرمایہ کاری سے منافع میں اضافہ کرنا، جتنی جمع مہیا ہو اس کو صنعت کے حق میں از سرنو تقسیم کرنا اور غیر ملکی سرمائے اور غیر ملکی امداد کی ہمت افزائی کرنا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ صنعت کاری کے باعث خانگی اور بیرنی قرضداری ڈھیروں بڑھ گئی ہے۔ غیر ملکی امداد اور اندرونی قرضے سرکاری سیکٹر کی مالی ضروریات پوری کرنے کے اہم ذریعے بن گئے ہیں جب کہ نجی ملکیت کا سیکٹر سرکاری سیکٹر کے اداروں سے قرضے لیتا ہے اور نجی غیر ملکی سرمایہ کاریوں کا سیلاب آنے دیتا ہے۔

صنعت کاری کی مالی ضروریات پوری کرنے میں قرضوں پر زور دینے کا صنعت اور ملک کی معیشت کے دوسرے سیکٹروں پر متضاد اثر پڑا ہے۔ موزوں سماجی ومعاشی تبدیلیوں کی غیر موجودگی میں صنعت کاری کے موجودہ پیمانے کے پس پردہ قرضے ہی واحد اہم عنصر تھے۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ قرضوں کے سہارے نے دوسرے عناصر کے ساتھ مل کر صنعت کاری کو انتہائی مہنگا سودا بنا دیا اور جدید بنیادی ذرائع پیداوار کی قیمتوں کو اونچی سطح پر رکھا۔ اس کے باعث صنعت کے اندر بھی اور قومی معیشت کے

دوسرے حلقوں میں بھی ان کے استعمال میں رکاوٹ پیدا ہوئی ہے۔اس کے علاوہ مستقل اثاثے کی فرضی توسیع سے متعلق ٹوٹ پھوٹ کے بھتوں کی بلند سطح اور اس کے ساتھ قرضوں کی ادائگی نے قومی آمدنی اور جمع کے فنڈ میں صنعت کے حصے کو محدود کر دیا ہے۔

محنت کی ملک گیر کارگزاری پر صنعت کاری کا اثر نہایت ہی مخصوص نوعیت کا رہا ہے۔ ہندستان میں صنعت کاری کا پیمانہ اس حقیقت کے باعث محدود رہا ہے کہ نجی سرمایہ دارانہ اور ریاستی سرمایہ دارانہ تشکیلوں کے صرف نسبتاً زیادہ جدید سیکٹروں کے اندر ہی تجدید پیداوار کے نظام عمل کو جدید ٹکنیکی بنیادوں پر قائم کیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ صنعت کاری نے ایک طرف نے ایک طرف ترقی یافتہ اور ترقی پذیر تشکیلوں اور دوسری طرف ان زیادہ پسماندہ تشکیلوں کے درمیان خلیج چوڑی کر دی ہے جن میں محنت کش آبادی کا بہت بڑا حصہ برسر کار ہے۔نشوونما کے اس غیر متوازن نمونے نے معاشی عدم تناسبات میں پیدا کر دی ہے۔

قومی بنیاد پر تجدید پیداوار کا چکر مرتب ہونے میں مخصوص ہندستانی خصوصیات کی کارفرمائی رہی ہے۔نئی صنعتوں کی نشوونما اور ترقی کا ابتدائی طور پر رخ یہ رہا ہے کہ تیار مال بھی پیدا کیا جائے اور پرزے اور اجزا بھی بنائے جائیں جب کہ بہت سی قسموں کا کچا مال اور نیم تیار مال درآمد کرنا پڑتا ہے۔

اگر چہ تیار مال، پرزوں اور اجزا کی پیداوار نے مجموعی سرمایہ کاری میں درآمدات کا حصہ قدرے گھٹا دیا ہے مگر کچا مال اور نیم تیار مال درآمد کرنے کی ضرورت اس حصے میں نہایت ہی سستی سے کمی کا اور درآمدات کی مطلق مقدار میں اضافہ کا باعث ہے۔ ہندستان کی نئی صنعتوں کا عالمی منڈی پر بڑا انحصار ہے۔چونکہ صنعتی نشوونما اور ترقی برآمدات کی توسیع سے زیادہ تیز رفتاری سے ہوئی اس لئے نئی صنعتوں کی ضرورتیں درآمدات سے پوری کرنی پڑیں جن کی قیمت کے ایک حصے کی ادائگی غیر ملکی قرضوں سے کی گئی۔ ان معنوں میں مجموعی سرمایہ کاری میں درآمدات کا حصہ عالمی منڈی پر ہندستانی تجدید پیداوار کے انحصار کی بہ نسبت زیادہ تیزی سے گھٹا۔

صنعت کے دوران میں جو مشکلیں پیش آئیں اور عدم توازن پیدا ہوئے وہی اس صدی کی ساتویں دہائی کے اواخر میں ہندستان کی معاشی سرد بازاری اور سیاسی جدوجہد میں شدت کے پس پردہ خاص عناصر تھے۔عوام کے دباؤ کے تحت حکمراں جماعت نیشنل کانگرس نے 1969-1970 کے بورژوا جمہوری اصلاحات کے پروگرام کا اعلان کیا۔ان اصلاحات کے تین بنیادی عناصر کرداری نوعیت کے

حامل ہیں: (ا) قومیانے کے ذریعے سرکاری سیکٹر کی تقویت اور ملک کے جمع کے فنڈ کی اس کے حق میں از سرِنو تقسیم؛ (ب) چھوٹے سرمایہ دارانہ کاروباروں کے لئے حکومت کی امداد میں اضافہ اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اجارہ داریوں اور بڑے سرمائے کے معاملوں پر روک تھام؛ (ج) زرعی اصلاحات کا نیا دور اور دیہات میں ''سبز انقلاب'' کی حمایت۔

صنعت میں نئی حکمت عملی نے زراعت کو مشینیں، کھادیں اور دوسرا پیداواری مال فراہم کرنے والی صنعتوں کو ترقی دینے کی جانب زور منتقل کرنے میں مدد دی ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر ان اقدامات کی کم بیش ثابت قدمی سے تعمیل کی جائے تو صنعت کی مزید نشو ونما اور بحیثیت مجموعی صنعت کاری کی ترقی پر ان کے مجموعی تاثر کی نوعیت کیا ہوگی۔

ظاہر ہے کہ سرکاری سیکٹر کے استحکام اور اس کے ساتھ حکومت کے ہاتھوں میں مالی اور مادی وسائل کے ارتکاز سے معاشی نظم ونسق میں زیادہ حد تک مرکزیت پیدا ہونے کے رجحان کو تقویت ملتی ہے۔ سب سے پہلے تو سرکاری کاروبار کی توسیع اور گردش پر حکومت کے سخت کنٹرول سے جمع کے فنڈ کی توسیع ممکن ہو جاتی ہے جس سے معاشی ترقی کی اعلیٰ شرحوں کے لئے میدان ہموار ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کی بھی کچھ کم اہمیت نہیں ہے کہ مسلسل و بتدریج بڑھتا ہوا جمع کا فنڈ زیادہ کارگر طریقے سے کام میں لایا جا سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں قومی معاشی ترقی کے منصوبے کے مطابق ملک کی معاشی نشو ونما اور ترقی کے کلیدی خطوں میں قومی وسائل اور کوششوں کو حکومت مرکوز کر سکے گی۔ پھر اس سے زیریں تشکیلوں کی بے مہار سرگرمی سے پیدا ہونے والے نمایاں عدم توازن پر، سرمایہ دارانہ منڈی کی خودرو نوعیت پر اور سرمایہ کاریوں کی قلت اور بکھراؤ پر قابو پانے میں مدد ملے گی۔

لیکن سرکاری سیکٹر نظم ونسق کے دفتر شاہانہ طریقوں سے پاک نہیں ہے اور نسبتاً غیر کارگر ہے۔ اس لئے مجموعی سرمایہ کاری، مجموعی اور اصل قومی پیداوار وغیرہ کے اعتبار سے سرکاری سیکٹر کے حصے کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اس بات کا حقیقی خطرہ پیدا ہو جاتا ہے کہ سماجی پیداوار کی تاثیر گھٹ جائے گی اور سرمائے کی طلب میں اضافہ ہو جائے گا۔ اس کے نتیجے میں ملک کی معاشی نشو ونما اور ترقی بحیثیت مجموعی سست پڑ جائے گی۔ سرکاری سیکٹر میں نظم ونسق جمہوری کرنے اور سرکاری کاروباروں کی کارگزاری میں نمایاں اصلاح ہی سے اس رجحان کو پلٹا جا سکتا ہے کیونکہ موجودہ اصلاحات کے ترقی پسند امکانات سے زیادہ

استفادہ کرنے کا موقع ایسے اقدامات ہی پیش کرتے ہیں۔

صنعت اور زراعت میں چھوٹے سرمایہ دارانہ کاروباروں کی سرکاری امداد کے پیش نظر مقصد ملک کی معیشت میں سرمایہ دارانہ تعلقات کے پھیلاؤ میں تیزی لانا ہے۔لیکن اس پالیسی کا انجام کار اثر متضاد ثابت ہوسکتا ہے۔آج کل ہندستانی صنعت میں چھوٹے کاروبار کا سرمایہ دار نسبتاً جدید ٹکنالوجی سے استفاد کرنے کی جانب جلدی سے عبور کر رہا ہے۔''سبز انقلاب'' جیسے جیسے زور پکڑتا جارہا ہے ویسے ویسے سرمایہ دار کاشتکار کے ہاں بھی ایسا ہی مگر قدرے سست رفتار عمل ہو رہا ہے۔ان حالات میں چھوٹے سرمایہ دارانہ کاروبار کو سرکاری سہارے کا نتیجہ محنت کی کارگزاری ملک گیر پیمانے پر بڑھنے، اندرونی منڈی میں پیداواری مال کی طلب کو اور بحیثیت مجموعی ساری صنعت کو بڑھاوا ملنے کی صورت میں برآمد ہونا چاہئے۔ اس کے نتیجے میں معیشت کے سرمایہ دارانہ اتحاد واشتراک کی رفتار تیز ہوجائے گی۔پھر اس سے آج کے پسماندہ سیکٹروں کو ملک کی بڑے پیمانے کی صنعت کے برابر پہنچنے میں مدد ملے گی جو آگے بڑھ چکی ہے۔ بلاشبہ اس سے ملک گیر پیمانے پر معاشی ترقی کی رفتار بڑھانے کے لئے موافق حالات پیدا ہو جائیں گے۔

چھوٹے سرمایہ دارانہ کاروباروں کی وسیع وبسیط پرت تیزی سے مرتب ہوگی تو اس کے لئے اس امر کے پیش نظر ڈھیروں سرکاری رقمیں خرچ کرنے کی ضرورت ہوگئی۔مطلوبہ رقمیں حکومت صرف اسی صورت میں اکھٹی کرسکتی ہے جب کہ وہ شہروں اور دیہات میں براہ راست پیداوار کرنے والے لکھوکہا لوگوں کی آمدنی کی ازسرنو تقسیم کر سکے۔اس صورت حال میں ہندستان حکمراں طبقے کی دوسری صف کی تشکیل ہندستانی محنت کشوں پر بھاری بوجھ ڈال رہی ہے اور براہ راست پیداوار کرنے والے کی معیشت کو جدید بنانے کے عمل کو تھامے ہوئے ہے۔ان معنوں میں چھوٹے سرمایہ دارانہ کاروباروں کی نشوونما کی ہمت افزائی کی کوششوں نیز دوسرے عناصر کا نتیجہ نچلی تشکیلوں کے اندر پیداوار کے روایتی طریقوں کے مستقل جماؤ کی صورت میں نمایاں ہوگا۔

آخر میں یہ کہ چھوٹے کاروبار کے حق میں مالی اور مادی وسائل کی ازسرنو تقسیم اور بڑے پیمان کی صنعت کے مقابلے کو دبانے سے ہوسکتا ہے کہ جدید بڑے پیمانے کی سرکاری اور نجی دونوں قسم کی صنعتوں میں ٹکنیکی ومعاشی ترقی کچھ عرصے کے لئے سست پڑ جائے۔اس امر کا ایک امکانی نتیجہ یہ ہوسکتا ہے کہ

ہندستان کی بڑے پیمانے کی صنعت عالمی ٹکنیکی معیاروں کے مطابق بدستور پچھڑی رہے۔ پھران کا ناگزیر نتیجہ ملک کی برآمدات میں کمی ہوسکتا ہے جس سے ادائگیوں کے توازن میں خسارہ بہت بڑھ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چھوٹے کاروبار کے حق میں مادی اور مالی وسائل کی ازسرنوتقسیم صرف اس شرط پر کامیاب ہوسکتی ہے کہ بیرونی ممالک سے سرمایہ کاری کا سیلاب اور بھی امنڈ کرآئے۔

آج کل ہندستان میں ریاستی سرمایہ داری کے جواقدامات کئے جارہے ہیں ان کا انجام کا راثر کیا ہوگا اس کی نشاندہی ابھی تک انتہائی دشوار ثابت ہوئی ہے کیونکہ سماجی، سیاسی اور معاشی اعتبار سے نئی معاشی پالیسی میں ابھی تک استحکام نہیں آیا ہے۔ صرف فرض ہی کیا جاسکتا ہے کہ مجوزہ اور تعمیل شدہ اقدامات صنعت کاری کے گذشتہ دور کے مخصوص نمونے میں کوئی بنیادی تبدیلی پیدانہیں کریں گے۔

حوالہ جات وحواشی

1۔ ایضاً، جلد 27، صفحہ 257-

2۔ ایضاً، جلد 31، صفحہ 289-

3۔ ایضاً، جلد 33، صفحہ 49-

4۔ ایضاً، جلد 32، صفحات 187، 217-

5. See {{UN Economic and Social Committee for Industrial Development. 3 rd Session. Industrialisation as a Means of Developmint and Transforming the Economies of Less-Developed Countries}}, EC, 5/L, 17, New York, 16. IV. 1963.

6. Calculated from {{The Second Census of Manufactures in India,1947}}, Calcutta 1948, {{Annual Abstract of Statistics 1938-1948}}, London, 1952.

7. Calculated from {{Large Industrial Establishments in India

1947}}, Delhi, 1952, {{Thackers'Directory of the Chief Industries in India, 1948}}, Calcutta, 1950, {{Calcutta Stock Exchange Year Book}}, Calcutta, {{Kothari's Investors' Encyclopedia}} Madras, {{London's Stock Exchange official year book}}, London, {{India Investors' Year book}}, Calcutta, {{Madras Stock Exchange Year Book}}, Madras, {{Bombay Investors' Guide}} Bombay.

8. {{Large Industrial Establishments in India}}, 1917,1929, 1939, * Calcutta, 1947, Delhi.

9. See {{Report of the Taxation Enquiry Commission 1955, pp. 63, 65-66

10۔مرمت،صرفے کی دیرپا اشیااور بجلی کے اخراجات کے علاوہ۔

11. See D. R. Gadgil, {{Industrial Evolution of India in Recent Times}}, Calcutta, 1948, M.Visvesvaraya, {{Memoirs of My Working Life}}, Delhi, 1960{{Report of the Fiscal Commission 1949-50}}, Vol. I Delhi, 1956.

12۔آمدنی کے اعداد وشمار کی بنیاد پر حساب لگایا گیا ہے اور ان میں زراعت سے حاصل ہونے والی آمدنیوں کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔

13. See {{Report of Industrial Licensing Policy Enquiry Committee}}, Appindices,Vol. IV, Delhi,1969.

14۔اس مسئلے پر لوک سبھا کی مقرر کی ہوئی سرکاری کاروباروں سے متعلق کمیٹی کی جاری کردہ متعلقہ مطبوعات میں زیادہ تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

15۔شکر اور اونی کپڑے کی صنعتیں ہی مستثنا تھیں جن کو صارفوں کے بدلتے ہوئے ذوق، برآمد کی بڑھتی ہوئی فرمائشوں وغیرہ کے باعث تیز رفتاری سے ترقی کا بڑھاوا ملا۔

16. Calculated from {{Monthly Statistics of the Production of Selected Industries of India}}, Delhi,1952-1966.

17. Calculated from {{Progress of Mineral Industries of India 1906-1955}}, Calcutta,{{Statistical Abstract of the Indian Union 1971}} Delhi, 1973.

18. See {{Large Industrial Establishments in India 1949}}, Delhi, 1945, {{Statistical abstract of the Indian Union 1968, {{Indian Labour Journal}}, April 1970.

19. Calculated from {{Census of Indian Manufactures, 1947-1958}}, {{Calcutta Annual Survey of Industries, 1959-1965}}, Calcuttra.

20۔ ''1962 سے ''دیگر فنڈوں'' میں اوزار کی قدر بھی شامل کی جانے لگی ہے جو اس سے پہلے مشینوں اور ساز و سامان کے زیر عنوان آتی تھی۔

21. See Foreiqn Collaboration in Indian Industry. Survey Report}}, Bombay, 1968, {{Annual Survey of Industries 1965}}, Vol. I, Calcutta, 1969, {{NationalSample Survey No.161. Tables with Notes on Annual survey of Industries 1965. Sample Sector: Summary Results}}, Delhi, 1970.

22. Calculated form {{Census of Indian Manufactures, 1946-1958}}, Calcutta, {{Annual Survey of Industries, 1959-1965>>, Calcutta; <<Statistical Abstract. India, 1969>>, Delhi, 1971; <<Economic Times>>, September 12, 1972.

23. Calculated from {{Census of India 1961}}, Vol. I. Part II B (i), * {{General Economic Tables}}, Delhi, 1965, {{Census of India

1961}}, Vol. I, Part IV (b), {{Housing and Establishments Tables}} Delhi, 1964.

24. See {{National Sample Survey}} No. 94, {{Tables With Notes on Small-Scale Manufacture: Rural and Urban}}, Delhi, 1965; {{AnnualAb-stract of Statistics 1964}}, London; {{Japan Statistical Year Book}}, 1966, tokyo.

25۔ ہمارا تخمینہ مہاراشٹر، مدراس، میسور اور ہریانے میں اوسط سرمایہ کاری فی کاروبار پر مبنی ہے جس کا حساب مندرجہ ذیل حوالوں کی بنیاد پر لگایا گیا ہے:

{{Directory of Small-Scale Industry in Haryana}}, Chandigarh. 1969; {{Di-rectory of small-Scale Industrial Units in Madras State}}, Madras, 1966; {{Directory of Registered Small-Scale Industries in Mysore State}}, Banga-lore, 1964; {{Small-scale Industries in India}}, Delhi, 1968.

26. See Development Commissioner for Small- Scale Industries. Small- Scale Industries in India, Delhi, 1968, P. 111. The Fourth Plan Mid-Term Appraisal, Vol. II, Delhi, 1967, P. 147.

27۔ صنعت کے زیریں شکلوں میں قوت محنت کے تبدیل شدہ نمونے کے تعلق کوئی سرکاری اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں کیونکہ 1971 کی مردم شماری میں محنت کی درجہ بندی تبدیل کر دی گئی تھی۔

28۔ ہاتھ کا بنا ہوا کپڑا۔

29۔ یہاں سے اس آمدنی کا حوالہ دیا جائے گا جس پر انکم ٹیکس لگتا ہے۔ جیسا کہ عام طور پر علم ہے ہندستان میں انکم ٹیکس کا زرعی اور پیٹی بورژوا آمدنیوں پر اطلاق نہیں ہوتا۔

30. Calculated from {{Statistical Abstract,India, 1952-53, Delhi. {{Statistical Abstract, India, 1969}},

31۔ یہ گروہ ان آمدنیوں پر مشتمل ہے جن کا آغاز تلاش کرنا غیر ممکن ہے (رجسٹر شدہ اور غیر رجسٹر شدہ

تجارتی فرموں کے منافع، مختلف مدوں کی یکمشت رقم کی شکل میں آمدنی اور غیر ممالک میں سودوں سے حاصل ہونے والے منافع)۔

32۔ اس صورت حال کی وضاحت زرعی اشیا کے قابل فروخت ہونے کی نیچی سطح (دوسرا باب ملاحظہ فرمایئے) اور اس حقیقت سے ہوتی ہے کہ انکم ٹیکس چھوٹے موٹے خردہ فروش تاجروں پر جن کی تعداد خصوصاً اشیائے خوردنی کی تجارت کرنے والوں میں بہت بڑی ہے عائد نہیں ہوتا۔

33۔ ہندستان میں ابتدائی اور از سر نو تقسیم شدہ آمدنیوں کے حاصل جمع سے قومی آمدنی کا حساب لگایا جاتا ہے اور اس لئے صنعتی آمدنیوں کا ایک حصہ بھی دوسرے سیکٹروں سے منسوب ہو جاتا ہے۔ اس طرح قومی آمدنی میں صنعت اور مادی پیداوار کے دوسرے سیکٹر جو حصہ ادا کرتے ہیں اس میں اس سے قدرتی طور پر کمی کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔

آخری لفظ

اس سے پہلے کے ابواب 1966-1973 کے درمیان اپنے مصنفوں کی تحقیق کے دائرے میں خاصی پابندی کے ساتھ محدود ہیں۔ اس لئے نوآبادیاتی حکمرانی کے بحیثیت مجموعی سماجی و معاشی نتائج، مذکورہ سماجی و معاشی تبدیلیوں کے دوران میں ہندستانی سماج میں رونما ہونے والے نظریاتی تغیر و تبدل جیسے اہم مسائل زیر بحث نہیں آ سکے۔ مندرجہ ذیل سطور میں ہم اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔

(ا)

زیر نظر کتاب کے اس آخری حصے میں مصنفین کا ارادہ یہ ہے کہ ہندستان کے معاشی ارتقا کے ان مسائل پر اپنے نظریات پیش کریں جن کا اس کی موجودہ معاشی نشو و نما اور ترقی سے تعلق ہے۔ انہیں ہم مختصراً پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔ ہندستان غیر ملکی حملہ آوروں یعنی برطانوی سامراجیوں کا کبھی بھی محض مجہول شکار بن کر نہیں رہا اور ایسا نہیں ہوا کہ اس کی اندرونی قوتوں نے ان کی مزاحمت نہ کی ہو۔ درحقیقت

ہندستانی معیشت کی نشوونما اور ترقی کے قوانین اور رجحانات غیر ملکی استبداد کی مخالفت کا عنصر تھے۔ جب ہندستانی معیشت ارتقا کے سرمایہ دارانہ راستے پر گامزن ہوئی تو آج کل کے طبقاتی تضادات منظر پر آئے۔ علاوہ ازیں استعماریت کے خلاف جدوجہد کے دوران میں، خصوصاً پہلی اور دوسری عالمی جنگوں کے درمیان، اندرونی طبقاتی تضادات پر ملک گیر بیداری کی فضا کا گویا پردہ سا پڑا رہا۔ الگ الگ طبقاتی قوتیں جنہوں نے برطانوی اقتدار سے مختلف حد تک سمجھوتہ کر لیا تھا، سیاسی طبقاتی جدوجہد کے ابتدائی مرحلوں میں، اس کے پیمانے، کرداری خصوصیت اور عوام الناس کی شرکت کی حد کے براہ راست تناسب سے سامراج دشمن متحدہ محاذ سے رفتہ رفتہ ہٹ گئیں۔

ہندستان میں برطانوی سرمائے کے آجانے کے بعد برطانوی سرمایہ داری کی استعماری اجارہ داری اس کے معاشی اور سیاسی ارتقا کا مرکزی عنصر بن گئی۔ برطانوی سرمایہ ہندستانی دیہی برادری کی، جس پر جاگیردارانہ نظام مبنی تھا، جڑیں کھوکھلی کر رہا تھا اور اس کی معیشت میں جنس تجارت اور زر کے نسبتاً ترقی یافتہ تعلقات رائج کر رہا تھا۔ بعض علاقوں میں اس نے جاگیردار بڑے لوگوں کو بے دخل کر دیا، دوسرے علاقوں میں ان سے سیاسی اسباب کی بنا پر محالحانہ سودا کر لیا اور قریب قریب ہر جگہ کسانوں پر زمینداروں کی حکمرانی محفوظ رکھی یا افضل ترین زمیندار کی حیثیت سے وہ خود محصول کسانوں سے براہ راست وصول کرنے لگا (رعیت واری علاقے)۔

لیکن انیسویں صدی کے آخری نصف زمانے میں مسلسل بغاوتوں اور کسانوں میں بے چینی پھیلنے کے بعد برطانوی حکومت نے کسانوں کو بعض رعایتیں دیں اور مختلف قسموں کے موروثی، عارضی اور تاحیات حقوق لگان داری دئے۔ ہندستانی تجارتی سرمائے کا پرانا نظام عمل برطانوی حکومت کے زیر اثر آ گیا جس میں سے اس نے آڑھت کا پیشہ کرنے والی بورژوازی کا ایک وفادار گروہ منتخب کر لیا ہے جو وقت آنے پر ہندستانی سرمایہ دارانہ صنعت کی باگ ڈور سنبھال سکا۔ ان راستوں پر جو فوجی نقل وحرکت کے لئے اہم تھے اور ان پر جو درآمد و برآمد کی تجارت کے لئے اہمیت رکھتے تھے برطانوی سرمایہ ریلوے لائن تعمیر کر رہا تھا اور منڈی میں سستے بدیسی مال کی بھرمار کر کے دستکاری کی صنعتوں کو تباہ و برباد کر رہا تھا۔ اس نے لاکھوں کاریگروں کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ روٹی کے ایک ٹکڑے کے لئے گاؤں گاؤں بھیک مانگتے پھریں یا بھوکوں مر جائیں۔ وہ زمینیں خرید خرید کر انہیں منافع سے فروخت کر رہا تھا اور کسانوں کو نہایت وسیع

پیمانے پر بے دخل کر رہا تھا۔محصولوں کا بھاری بوجھ کسانوں پر لاد کر، زرعی علاقوں کو تجارتی فصلوں کے لئے مخصوص کر کے، صنعتی کچے مال کی پیداوار کو اور جزوی طور پر نیم تیار مال کو ترقی دے کر وہ ان پر ٹوٹ پڑا تھا۔اس نے بڑی بڑی زمینی جائدادوں کے بڑھنے کی ہمت افزائی کی اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اس کی زرعی پالیسی نے پٹے کی زمینوں کی افسوس ناک حد تک مختصر ٹکڑوں میں تقسیم ہونے دیا، محتاج ہو جانے والے کثیر تعداد کسانوں کی زمین میں زبردست قلت پیدا کی جس کے باعث وہ بٹائی کی نہایت وحشیانہ شرائط پر اور کام کر کے قرضوں کی ادائیگی کرنے کے لئے کھیت مزدور بن گئے۔ برطانوی حکومت نے خود مختار راجاؤں اور نوابوں ___ اپنے وفادار باجگزاروں ___ کے پاس ہندستان کی سرزمین کا تہائی اور آبادی کا چوتھائی حصہ چھوڑ دیا اور وہاں جاگیردانہ سماجی تعلقات کا غلبہ رہنے دیا۔آخر کار، پچھلی صدی کے آخر میں اس نے سرمایہ برآمد کرنا شروع کر دیا۔اس سرمائے نے جو زیادہ تر بینک کاری، بیمے، تجارت اور ذرائع نقل وحمل کی کمپنیوں میں اور خاص طور پر ''گورننگ ایجنسیوں'' میں مصروف عمل تھا، نیز حکومت کے قرضوں کی شکل میں تھا جس پر ہندستان کی حکومت کا اربوں روپے کا قرض مشتمل تھا، سرمایہ دارانہ فیکٹری کی پیداوار جزوی طور پر ہندستان کی سرزمین پر منتقل کر دی جس سے سرمایہ دارانہ نشوونما کی اور پرولتاریہ کے ابھرنے کی رفتار بڑھ گئی۔ پھر بھی اس نے زراعت کو زرعی معیشت کے پست ترین درجے پر چھوڑ دیا، ٹکنیکی اعتبار سے اس کو ترقی دئے بغیر بے رحمی سے اس کا استحصال کرتا رہا، ملک کو بے مثال قحط اور وبائی بیماریوں میں مبتلا کر دیا جن میں لکھوکھ ہا جانیں ضائع ہوئیں۔

ہندستان میں اپنی حکمرانی کے ابتدائی دور میں انگریزوں نے اپنی تمام بے رحمیوں اور سفاکیوں کے باوجود ''تاریخ کے غیر شعوری آلہ کار'' کی حیثیت سے اگرچہ محدود معنوں میں مگر اس حد تک ترقی پسند کردار ادا کیا اور ہندستان کو خواب خرگوش سے جگایا جس حد تک انہوں نے اس کے پرانے سماج کی یعنی دیہی برادری کی، پورے ملک کا احاطہ کئے ہوئے ایشیائی جاگیردارانہ مطلق العنانیت یا جاگیردار مطلق العنان حکمرانوں کے الگ الگ رجواڑوں کی جڑیں کمزور کیں۔ ہندستان میں برطانیہ کی ہلاکت خیز، وسیع پیمانے پر تباہ کن نتائج پیدا کرنے والی پالیسی کے باوجود اس کے اس تاریخی کردار کو جو صرف ایک محدود پیمانے پر ہی ترقی پسند تھا، تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

ہندستان کے اپنے ارتقا کے معاشی قوانین جب بڑی مقامی صنعتوں کا قیام، قومی بورژوازی

اور پرولتاریہ کے نمودار ہونے کا باعث بنے ___ مختصر یہ کہ جب اس کے آزادانہ طور پر سرمایہ دارانہ نشوونما اور ترقی کے خاص حالات نمودار ہو چکے تو ریلوں، بندرگاہوں، معدنی کانوں وغیرہ کی تعمیر کے باوجود برطانوی حکمرانی ترقی میں بلاشبہ مانع ہونے لگی اور رجعت پسند ہوگئی کیونکہ برطانیہ کی معاشی پالیسی کا کلیدی مقصد ہندستان کی آزادانہ صنعتی ترقی کو روکنا اور جدید ٹکنالوجی اور سازوسامان پر برطانوی نوآبادیاتی اجارہ داری کو محفوظ رکھنا تھا۔ یہ پالیسی اس وقت خاص طور پر ناقابل برداشت ہوگئی جب سیاسی منظر میں ایک نیا طبقہ پرولتاریہ آ گیا جو ایسا واحد طبقہ تھا جس نے پیداواری قوتوں کو بیڑیاں لگانے والی معاشی پالیسی اور فرسودہ سماجی تعلقات کے خلاف صحیح اور ثابت قدم رویہ اختیار کیا۔

حصول آزادی سے فوراً قبل ہندستان کی معیشت میں خاص خاص جو تضادات موجود تھے ان کا مندرجہ ذیل خلاصہ پیش کیا جاسکتا ہے:

___ ہندستان کی معیشت اور سیاست پر سامراجی استعماری اقتدار کے مسلسل جاری رہنے کے باوجود معاشی نشوونما کی جانب پرزور معروضی رجحانات اور اس لئے سیاسی اعتبار سے سامراجی حکمرانی کو مٹانے کی ضرورت؛

___ سرمایہ داری سے پہلے کے دور کی ٹکنالوجی کے خصوصاً دیہی علاقوں، دستکاری اور چھوٹی صنعتوں میں عام ہونے کے باوجود معاشی تعلقات کی سرمایہ دارانہ کایاپلٹ؛

___ سرمایہ داری کی لائی ہوئی ترقی پسند سماجی تبدیلیوں کی قریب قریب مکمل غیر موجودگی میں حکمراں ملک سے مالیاتی سرمائے کی آمد؛

___ کسانوں اور کاریگروں کی نہایت کثیر تعداد میں بے دخلی اور اس کے ساتھ ہی ان کے پرولتاریہ بن جانے کے عمل کی انتہائی سست رفتار اور اس لئے محتاجوں میں ان کی تبدیلی جو ہندستانی سماج کا خوفناک ناسور ہے؛

___ کم ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ زراعت کے پہلو بہ پہلو موجود جنس تجارت وزر کے تعلقات کی بنیاد پر کسانوں کی تفریق اور اس لئے مہاجنی اور سوداگری سرمائے کے استحکام اور سرمایہ داری سے پہلے کے دور کے بٹائی کے طریقوں کے چلن میں اضافہ؛

___ وسیع وبسیط زمینی جائدادوں کے ساتھ ہی ساتھ کسانوں کو پٹے پر دئے ہوئے چھوٹے

چھوٹے قطعات اراضی کا غلبہ؛

___ دیہی منڈی پر مہاجنوں اور تھوک خریداروں کا اقتدار، صنعت میں سرمایہ کاری کے لئے وسیع مواقعات کی غیر موجودگی کے باعث تجارتی اور مہاجنی سرمائے کا زبردست ذخیرہ۔

ہندستانی گاؤں پر جب زمینداروں، سوداگروں اور مہاجنوں کا اثر واقتدار ہو اور مفلوک الحال کسان پٹے کی اپنی زمینوں کے چھوٹے چھوٹے قطعوں سے بری طرح چمٹے ہوئے ہوں تو انہیں سرمایہ داری سے پہلے کے دور کی ٹکنالوجی کی بنیاد پر، ان کی قوت محنت کے بجائے ان کی پیداوار خرید کر ان کا استحصال کرنا ممکن تھا۔ حقیقت حال تو یہ ہے کہ معمول کے مطابق صورت حال میں کسانوں کی مفلسی جیسے ہی اس حد تک بڑھ جاتی کہ جب ان میں سے بہتوں کو اپنی زمینوں کو چھوڑ کر اپنی پیداوار کی جگہ اپنی قوت محنت فروخت کرنی پڑتی یعنی پرولتاریہ کی صفوں میں شامل ہونا پڑتا تو تجارتی اور مہاجنی سرمائے کو اور زمیندار کو سرمایہ دارانہ طرز پر زراعت منظّم کرنے کی راہ اختیار کرنی پڑتی اور اب جنس تجارت یا زر کے میدان عمل میں نہیں بلکہ صنعتی سرمایہ دارانہ اصولوں پر مبنی زرعی پیداوار کے میدان عمل میں سرگرمی دکھانا اور سرمایہ جمع کرنا پڑتا۔ ہندستانی دیہات میں یہ اس پیمانے پر نہیں ہوا جس کا یورپ کے پیمانے سے کم از کم جزوی طور پر ہی موازنہ کیا جا سکتا۔ ہندستانی کسانوں کو جنہیں تین قوتوں ___ برطانوی سامراجیت، قومی صنعتی، تجارتی اور مہاجنی سرمائے اور زمینداروں ___ کے دباؤ نے تباہی کی طرف ڈھکیل دیا تھا، اپنی قوت محنت کے لئے کوئی منڈی نہیں ملی۔ ایک طرف تو کسانوں اور دستکاروں کے مفلس ہونے کے پیمانے اور دوسری طرف تجارتی اور مہاجنی سرمائے کے صنعتی سرمائے میں تبدیل ہونے اور زمینداروں کے زرعی سرمایہ داروں میں بدلنے کی حد کے درمیان کم از کم نسبتی توازن تک نہیں تھا۔ اس مظہر کی بنیادی وجہ سب سے پہلے سامراجی استعماری اقتدار میں مضمر تھی۔ اس طرح ہندستانی زراعت میں زر سرمائے میں تبدیل ہونے کا عمل مالکان زر کے ہاتھوں وسیع پیمانے پر اجرتی محنت پر مبنی سرمایہ دارانہ مشین کار کا شتکاری منظّم کرنے کے بغیر انجام پایا۔ نوآبادیاتی دور کی یہ خاص امتیازی صورت حال تھی۔

اس طرح حکمراں ملک کے سرمائے نے ہندستانی زراعت کو کڑیوں کے ایک سلسلے سے باندھ لیا۔ اس نے تجارتی اور مہاجنی سرمائے، زمینداروں اور محصولوں کے ذریعے کسانوں کا استحصال کر کے ان کی زائد پیداوار لوٹ لی اور زراعت کو جدید ٹکنیکی بنیاد پر از سر نو منظّم بھی نہیں کیا، حکمراں ملک کی معیشت کو

ابھارااورنوآبادی کومعاشی جمود کے دردوکرب میں تڑپنے دیا۔

درحقیقت حکمراں ملک کا سرمایہ محکوم ومظلوم ملک کوارتقا کے سرمایہ دارانہ راستے پر ڈھکیل رہا تھا لیکن کچھ تو عالمی جنگوں کے باعث اور کچھ آزادی کی اورانقلابی تحریکوں کی وجہ سے وہ اسے صرف چند قدم اس وقت تک بڑھنے دے رہا تھا جب تک ظالم ملک کی افضلیت کے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر یہ اس کے لئے موزوں ہوتا تھا۔اس کے ساتھ ہی جابر ملک ہر ممکن کوشش کر رہا تھا کہ نوآبادیاتی ملک سے اپنے تعلقات کی طفیلی، استحصالی اصلیت محفوظ رکھے، اس کی نشوونما اور ترقی کوسرمایہ داری کی ابتدائی منزل رکھے،اس کی نشوونمااورترقی کوسرمایہ داری کی ابتدائی منزل میں بیسیوں برس تک روکے رکھے۔

اس سے اس امر سبب واضح ہوجاتا ہے کہ نوآبادیاتی ملک کی صنعت کواس وقت تک نشوونمااورترقی حاصل کرنے کی اجازت کیوں دی گئی جب تک وہ حکمراں قوم کی بورژوازی کومحکوم ملک کی زائد پیداوار جلدی سے،کم داموں پراورکارگزار طریقے سے سمیٹ کر لیجانے کی حقیقی سہولت فراہم کرتی رہی جس کے لئے ریلوں، بندرگاہوں اور عام طور سے ہلکی صنعتوں اور معدنی کانوں کی تعمیر کی گئی تھی۔ ہندستان کی صنعتی نشوونما کی سطح مقرر کرنے والا دوسرا عنصر اس کی گھریلو معیشت کا سرمایہ دارانہ رجحان اور استعماری برتری کو چیلنج کرنے والی دوسری سامراجی طاقتوں سے برطانیہ کی جدوجہد کی شدت اور صورتیں تیسرا عنصر تھا۔

خاص طور پر اس بات پر زور دینا چاہئے کہ جہاں ہندستان کی نوآبادیاتی معیشت کو بحیثیت مجموعی کسی طرح بھی خالص جاگیردارانہ قرار نہیں دیا جاسکتا___اس رویے سے شدید ضرر پہنچنے کا امکان ہے ___ وہاں نوآبادیاتی ہندستانی کو پوری طرح سرمایہ دار ملک کی طرح پیش کرنے کی کوشش کی بھی سخت مخالفت کرنی چاہئے کیونکہ یہ نقطہ نظر بھی اسی قدر غلط ہے۔

اس لئے نوآبادیاتی ہندستان میں جس طرح صنعتی سرمایہ دار طبقے کا قیام عمل میں آیا وہ اس سے بہت مختلف تھا جو یورپ کے خودمختار سرمایہ دار ملکوں میں ہوا، جہاں صنعتی سرمایہ دار طبقہ جن طریقوں سے وجود میں آیا انہیں مندرجہ ذیل الفاظ میں واضح کیا جاسکتا ہے:''....سوداگر پیداوار کو براہ راست اپنے ماتحت کرلیتا ہے''یا''پیداوار کرنے والا سوداگر اور سرمایہ دار بن جاتا ہے....''[1]

ہندستان میں جس عمل سے قومی صنعتی سرمایہ دار طبقے کا غیر ملکی سرمایہ داری کے معاشی اور سیاسی اقتدار کے زیر اثر قیام عمل میں آیا اس میں اہم ردوبدل ہوا۔ یہ طبقہ مندرجہ ذیل طریقوں سے قائم ہوا:

۱۔ تجارت پیشہ آڑھتی سرمایہ دار صنعتی سرمایہ دار بن گیا، اکثر صورتوں میں آڑھت کا بیوپار بھی جاری رکھا۔

۲۔ تاجر، جائداد کا سٹہ کھیلنے والے یا مہاجن نے کمپنی کے حصص خرید لئے اور اس طرح برطانوی اور مقامی دونوں صنعتی کمپنیوں میں حصے دار بن گیا۔

۳۔ زمیندار صنعتی کاروبار میں لگ گیا اور ساتھ ہی ساتھ کسانوں کا نیم جاگیردارانہ استحصال بھی جاری رکھا۔

اس موازنے سے جو نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں وہ واضح ہیں۔ اول تو نوآبادیاتی ہندستان کے حالات میں براہ راست پیداوار کرنے والا عام طور پر صنعتی یا زرعی سرمایہ دار نہیں بنا۔ دوسرے، صنعتی سرمایہ دار طبقے نے جو زیادہ تر آڑھتیوں، تاجروں اور زمینداروں میں سے ابھرا تھا زمین کی ملکیت کو ترک نہیں کیا جو آمدنی کا بدستور ایک بڑا ذریعہ بنی رہی۔ ہندستان سوداگر، آڑھتیے، مہاجن، عہدیدار اور بورژوا دانشور مالکان زمین بن گئے اور اس کے برعکس زمینداروں کا ایک حصہ صنعتی اور بینک کار کمپنیوں میں حصے دار بن گیا۔ اس سے بعد میں صنعتی بورژوازی کا ''زمین سے منسلک ہونا'' بے شک خارج از بحث نہیں ہو جاتا۔ لیکن زمین کی ملکیت میں تاجروں اور مہاجنوں کی مستقل اور قریبی شرکت کے مقابلے میں یہ مظہر ثانوی اہمیت رکھتا تھا۔

اس طرح جہاں مغرب میں صنعتی بورژوازی براہ راست پیدا کرنے والوں، سرمایہ دارانہ ورکشاپوں کے مالکوں، استادوں اور شاگردوں، کاریگروں اور سوداگروں کی ہم پیشہ انجمنوں میں سے ابھر کر آنے والوں سے قائم ہوئی تھی، بعد میں ''زمین سے منسلک ہوئی'' یعنی زمین پر بسی، وہاں ہندستان میں اس کا بیشتر حصہ اس سے کہیں زیادہ پسماندہ زمینی ملکیت کے نظام میں بدستور شریک رہا جس میں جاگیردارانہ اور نیم جاگیردارانہ خصوصیات قریب قریب جوں کی توں برقرار رہیں۔ اس لئے جب کچھ مصنفین زمین پر ہندستانی بورژاوازی کے بعد میں بس جانے کو اس کا ''زمین سے مسنلک ہونا'' قرار دیتے ہیں تو اصل میں یہ درست نہیں ہوتا کیونکہ اس طرح یورپی بورژوازی سے ہندستانی نوآبادیاتی بورژوازی کے اس مخصوص فرق کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے جو طبقے کی حیثیت سے اس کی خصوصیت تھا۔

چنانچہ یہ بڑا سیاسی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ہندستانی بڑی بورژوازی نے، فرانسیسی انقلاب عظیم کی

فرانسیسی بورژوازی کے برعکس، ملک میں زرعی مسئلے کے بنیادی حل کے مسئلے پر عوام کے حق میں کبھی بھی موثر رویہ اختیار نہیں کیا اور نہ کر سکتی تھی۔ کسان انقلاب سے اس کے خوف کی اور کسان تحریک کو ''عدم تشدد'' کے راستے پر لے جانے کی غرض سے اس پر اختیار حاصل کرنے کی اس کی خواہش کی اس سے وضاحت ہوجاتی ہے۔

اس طرح تاریخی اعتبار سے ہندستان بورژوازی کے آغاز کا یہ پہلو زرعی مسئلہ حل کرنے کے تعلق سے اس کے رویے کی وضاحت کرتا ہے۔ یہ مسئلہ سامراج دشمن قومی آزادی کے انقلاب کا مرکزی مسئلہ تھا۔لیکن ہندستان میں برطانوی سامراجی حکمرانی کی جانب اس کا رویہ بھی وضاحت طلب ہے جس کے لئے ہندستانی بورژوازی کی ابتدا اور برطانوی مالیاتی سرمائے سے اس کے اتحاد عمل دونوں پر غور کرنا چاہئے۔ ہندستانی تاجر، مہاجن، زمیندار اور آرھتیے برطانوی صنعتی، بینک کار، بیمہ اور دوسری کمپنیوں میں حصے دار بن گئے۔ برطانوی مالیاتی سرمائے سے ان کے قریبی رشتے اور ان کی بورژوافلاح و بہبود کے لئے ان کی کوششوں کی یہی وجہ تھی۔

صنعتی اور تجارتی بورژوازی کے وسیع حلقوں اور دانشور بڑے لوگوں کے نوآبادیاتی حکومت اور اس کے عملے سے قریبی رشتے تھے اور انہیں بڑی بڑی تنخواہوں کے اونچے اونچے عہدے ملتے تھے، وہ حکومت کے جاری کردہ قرضوں وغیرہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ برطانوی مالیاتی سرمائے سے ہندستانی بورژوازی کے رشتے کے معنی بلاشبہ یہ نہیں تھے کہ ان میں کوئی ٹکراؤ یا تضاد نہیں تھا یا یہ کہ ان کے مفادات ایک ہی تھے۔لیکن اس قسم کے ٹکراؤ کا عام طور پر اظہار خانگی منڈی کے استحصال میں ہندستانی بورژوازی کے زیادہ بڑے حصے کے دعوے کی صورت میں ہوتا اور بورژوا مخالفت کے زیادہ کی حدوں سے شاید ہی کبھی آگے بڑھتا تھا۔ ہندستان میں 1947 میں نازک سیاسی صورت حال اور طبقاتی قوتوں کی صف آرائی کے سامنے جب برطانوی سامراج بحران سے دوچار تھا، تو انقلاب اور عوام الناس کے ہاتھوں برطانوی اقتدار کا بزور قوت تختہ الٹ دئے جانے کے خوف نے برطانوی استعماریت پسندوں کو مجبور کر دیا کہ وہ بورژوازی اور چھوٹے مالکان کی گروہ بندی کو اقتدار سونپ دیں۔

نئی سیاسی قیادت کو، جس میں جواہر لال نہرو نے شروع ہی سے کلیدی حصہ ادا کیا، متعدد مسائل درپیش ہوئے جنہیں یکے بعد دیگرے حل کرنا تھا اور اس کے ساتھ ان کا ایک دوسرے پر انحصار ہونا تھا: خود

مختاری کوایک سیاسی حقیقت میں تبدیل کرنا،حکومت کی مشینری کوازسرنومنظّم اور مستحکم کرنا،نظم ونسق کاایک نیا نظام قائم کرنا، معاشی قواعد وضوابط کاایک نظام مرتب کرنا اور منصوبہ بندی شروع کرنا۔ وسیع معنوں میں اس کا مطلب یہ تھا کہ بنیادی تغیر وتبدل میں تعلق باہمی پیدا کرنے اور ہدایت کاری کرنے کے لئے ہندستان کی پوری سماجی ومعاشی تشکیل کوجدید بنانے کے لئے ایک عام قومی نظام عمل قائم کیا جائے۔

(۲)

گذشتہ چند برسوں میں ہندستان کی ترقی پسند فکر ونظر نے اس کے سماج کو درپیش فوری مسئلوں کی حدیں کافی نمایاں کردی ہیں اوراب دن بدن زیادہ حدتک مسئلہ فوری اصلاحات کی تعمیل کے لئے عملی نظام عمل اورطریق کارکا ہے جب کہ ابھی حال حال تک ان کے اغراض ومقاصد پر بحث مباحثے جاری تھے۔ اس سے گذشتہ دوصدیوں کے دوران میں ارتقا کے مختلف تواریخی مرحلوں پر ہندستان کی سماجی ومعاشی تشکیلوں کے متعلق تحقیق کے، سائنسی اعتبار سے معروضی، خلاصے کواور بھی زیادہ اہمیت حاصل ہو جاتی ہے۔اس قسم کی تحقیق ملک کے جدید سماجی ومعاشی نظام کے رجعت پرست وجمودی اورترقی پسندوترقی پذیر دونوں حصوں کوابھار کرسامنے لے آئے گی اوراس طرح ہندستانی عوام کی سماجی زندگی اورشعور کے مختلف دائروں کی ازسرنوتشکیل کے لئے مطلوبہ طریقوں اوروسیلوں کا زیادہ حقیقت پسندانہ تصور پیش کرے گی۔

بعض اوقات حقیقی معنوں میں تاریخی تبدیلی کی تعمیل کے لئے کسی نظام عمل کی تخلیق کا تصور سماج کودرپیش مخصوص مسائل کے میزان اورانہیں حل کرنے میں تسلسل کے اعتبار سے ترتیب قائم کرنے کی حیثیت سے کیا جاتا ہے۔لیکن تاریخی تجربہ متواتر یاد دلاتا رہتا ہے کہ اس میزان اورتسلسل کی ترتیب کو متعین کرنے والے خوداپنے ہی عناصر ہوتے ہیں جن میں خاص مقام بلاشبہ طبقاتی اورسیاسی قوتوں کے توازن کوحاصل ہوتا ہے۔ نئے نئے قائم ہونے والے سماجی ومعاشی نظام کے استحکام کی قوت اسی توازن پرمنحصر ہوتی ہے اورطبقاتی جدوجہد کے نتیجے پر ہی سوشلزم کی جانب سماج کے عبور کا یا سماجی رجعت کی جانب اس کے پھسل پڑنے کا انحصار ہوتا ہے۔

ہندستان کے روایتی، انگریزوں کے زمانے سے پہلے کے سماج میں بھی دیہی برادری کے بالائی

حلقے اور جاگیردار زمینداروں سے لے کر مشرقی مطلق العنانیت کی سلطنت مغلیہ یا اسی وضع کی دوسری ریاستوں کی مرکوز فوجی وانتظامی مشینری تک تجدید پیداوار کی قدامت پرست سماجی قوتوں کا نسبتاً پائدار نظام عمل صدیوں تک انجام پاتا رہا۔ اس نظام عمل پر شدید ضرب پڑی جس نے اس کی صورت تو مسخ کر دی مگر اس کو ختم کرنے میں ناکام رہی۔

ہندستانی سماج میں قدامت پرست عناصر کی تجدید کا نظام عمل ان کلیدی مسائل میں سے ہے جو موجودہ کتاب میں زیر بحث لائے گئے ہیں۔ اس کی تشکیل کے متعلق سمجھ بوجھ ہندستان میں دائیں بازو کی قدامت کی سماجی جڑوں میں پنپنے کی صلاحیت اور انتہائی بائیں بازو کی تدبیروں کی بے اثری جو اس تشکیل کا تعمیری بدل پیش کرنے کے نااہل ہیں اور اس سے زیادہ یہ کہ جو اس کے بگڑے ہوئے عناصر کا کچھ استعمال کرتی ہیں، دونوں کے اسباب واضح کر دے گی۔ سوویت عالموں کو جنہوں نے یہ امر مسلمہ تسلیم کر لیا تھا کہ خودمختاری کے حالات میں جمہانی کے نظام اور سماجی زندگی میں، خصوصاً دیہات کی زندگی میں نسبتاً اعلیٰ درجے کا جمود برقرار رکھنے کی جانب مائل سرپرستی کے دوسرے نظاموں میں تیزی سے انتشار پیدا ہو جائے گا، تجربے نے مجبور کر دیا ہے کہ وہ اب ہندستان میں واقعی رونما ہونے والی سماجی تبدیلیوں کا جامع طریقے سے جائزہ لیں۔

ہندستان کے محنت کش عوام الناس، خصوصاً اس کے پرولتاریہ سے پہلے کے عوام الناس کی حقیقی زندگی کا معروضی تجزیہ ہی ان کے ذہنوں کو بنیادی سماجی تبدیلی کی ضرورت کا احساس دلانے کے طریقے پیش کرے گا۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ روسی پرولتاریہ کے جو روایتی باہمی تعلقات کے بندھنوں سے نسبتاً آزاد تھا، پسماندہ حلقوں تک پہنچنے کے راستوں کے متعلق لینن نے کیا کہا تھا: ''اس طبقے کے سب سے زیادہ پسماندہ، سب سے زیادہ غیر ترقی یافتہ اراکین کے پاس، ان کے پاس جو ہماری سائنس اور زندگی کی سائنس سے بہت ہی کم متاثر ہیں، پہنچنا ہمیں سیکھنا چاہئے تاکہ ان سے بات چیت کر سکیں، ان کے نزدیک پہنچ سکیں، اپنی تعلیم کو خشک عقیدہ بنائے بغیر رفتہ رفتہ اور صبر وتحمل کے ساتھ انہیں سوشل ڈیماکریٹوں کے شعور درجے تک بلند کر سکیں ___ ان کو نہ صرف کتابوں سے بلکہ زندگی کے لئے پرولتاریہ کے ان پسماندہ اور غیر ترقی یافتہ حلقوں کی روزمرہ کی جدوجہد میں شرکت کے ذریعے تعلیم دیں۔''2

افریشیائی سماجوں میں انتہائی خطرناک تصور یہ ہے کہ عام مزدور کا دماغ کورے کاغذ کی طرح ہوتا

ہے جس پر جھوٹے انقلابی نظریات داں اپنی وصیت قلم بند کر سکتے ہیں۔ درحقیقت روایتی سماج کے ایک عام مزدور کا دماغ اپنی زندگی کے معنی اور معمولات کے متعلق نہایت جاندار، خواہ سادہ، نظریات کے انتہائی مضبوط نظام میں جکڑا ہوا ہوتا ہے۔ لینن نے جسے ''اپنی تعلیم خشک عقیدہ بنانا'' کہا تھا اس سے بچنے کے لئے اس مزدور کو ان مقاصد اور ان تصورات کے لئے جنہیں وہ پہلے ہی سمجھ چکا ہو، روزانہ جدوجہد کرنے کے حالات میں پہنچا دینا چاہئے۔ برسبیل تذکرہ ہم یہ بھی کہتے چلیں کہ یہاں مہاتما گاندھی سے بہت کچھ سیکھنا ہے جو ہندستان کے عام لوگوں کے لئے قابل فہم تصوارت سے بخوبی واقف تھے اور ان کا احساس رکھتے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ دائیں اور بائیں بازو کے انتہا پسند شعلہ بیاں لیڈر سب سے زیادہ مظلوم حلقوں کے ایک خاص حصے کو عام انصاف، اخوت اور مسرت کے بلند بانگ مگر جھوٹے نعروں سے کچھ عرصے کے لئے جوش دلا سکتے اور متحد کر سکتے ہیں۔ لیکن درحقیقت طبقاتی اور سیاسی اصلیت کے اعتبار سے یہ ایک بھونڈی حرکت ہوگی، کٹر عقیدے پر مبنی ایک جذباتی دورہ ہوگا جس کا سچے انقلابی احساس سے کوئی تعلق نہیں ہے مگر جو ان انقلابی تحریکوں کے لئے موزوں ہوتا ہے جن کی فہرست میں لینن نے ایشیا کا حوالہ دیتے ہوئے ''قدیم چینی بلووں'' کے زمرے کو شامل کیا ہے۔ بدقسمتی سے اس قسم کی ہنگامی بغاوت عام احتجاج کی خاصی جاندار شکل ثابت ہوئی ہے جس میں عام طور پر سیاسی اعتبار سے گمراہ ان پٹی بورژوا نوجوانوں کا ایک حصہ شامل ہو جاتا ہے جنہوں نے مغربی معیاروں کے مطابق تعلیم حاصل کی ہے۔

طرز زندگی کے تقابلی تجزیے اور اس میں مضمر ''مظاہراتی تاثر'' کو اکثر زندگی کے معیاروں، طرز عمل کے سماجی اور انفرادی نمونوں، تہذیب، فنون لطیفہ اور تعلیم کے سلسلے میں کامیابیوں اور عرصہ دراز تک جاری رہنے والے تاریخی عوامل کے دوسرے نتائج آمنے سامنے رکھنے کی حد تک گھٹا دیا جاتا ہے۔ اس طرح جائزہ لینا ظاہر ہے کہ کسی سماج نے ترقی کی اپنے موجودہ سطح کونسے ذرائع اور وسائل سے حاصل کی ہے، اس ترقی کے اخراجات کتنے موثر ہوئے ہیں تو یہ فکر لاحاصل ہو کر رہ جائے گی۔ مسائل کے اس سلسلے کی سمجھ بوجھ پیدا ہو جانے کا نتیجہ بلاشبہ یہ نہیں نکلے گا کہ تاریخی اعتبار سے کم ترقی یافتہ ملکوں میں خود بخود ایسا نظام عمل مرتب ہو جائے جو انہیں ترقی یافتہ ملکوں برابر پہنچ جانے میں مدد دے۔ آخری تجزیے میں نیا سماجی و معاشی نظام عمل خصوصاً اس کا ادارتی حصہ قدامت پسند قوتوں پر سماجی ترقی کی قوتوں کی فتح سے ہی یعنی

طبقاتی جدوجہد کے دوران میں اوراس کے نتیجے میں وجود میں آتا ہے۔

لیکن جن سماجوں نے تاریخی ارتقا کی بلند تر سطح حاصل کر لی ہے ان کے تجربے کا مطالعہ اصلاحات کی مدت اوران پر ہونے والے سماجی اخراجات کو گھٹا دیتا ہے۔ براعظمی یورپ اور ریاستہائے متحدہ کے حکمراں طبقوں کے لئے برطانیہ کے فیکٹری قوانین کا مطالعہ کرنے کی ضرورت کا ذکر کرتے ہوئے بہت عرصہ قبل 1867 ہی میں کارل مارکس نے اس بنیادی خیال کا اظہار کیا تھا: ''ایک قوم دوسری قوموں سے سیکھ سکتی ہے اور اسے سیکھنا چاہئے۔ اوراس صورت میں بھی جب کوئی سماج اپنی نقل وحرکت کے قدرتی قوانین کی تلاش کے لئے صحیح راہ پر لگ چکا ہو___ اور میری زیرنظر تصنیف کا انجام کار مقصد یہی ہے کہ جدید سماج کی نقل وحرکت کا معاشی قانون واضح کی جائے___ ان رکاوٹوں کو جو اس کے حسب معمول ارتقا کے سلسلے وار ادوار کھڑی کرتے ہیں، نہ تو جرأت کے ساتھ چھلانگ لگا کر پار کیا جا سکتا ہے نہ قانون منظور کر کے ہٹایا جا سکتا ہے۔ لیکن وہ دردزہ عرصہ مختصر اور شدت کم ضرور کر سکتا ہے۔''3

اس تصور کی روشنی میں ایسے غیر معمولی مظہر کو بہتر طریقے سے سمجھا جا سکتا ہے جو ہندستان میں آج کل صنعت، زراعت اور خدمات میں چھوٹے کاروبار کے کثیر پیمانے پر نمودار ہونے کی صورت میں دکھائی دے رہا ہے۔ مغربی یورپ اور شمالی امریکہ کے ترقی یافتہ ملکوں میں اسی وضح کی معیشت___ چھوٹی چھوٹی ورکشاپیں یا کنبے کا غیر مشین بند کھیت___ وہ منزل تھی جو تاریخی اعتبار سے انیسویں صدی کے وسط یا بہرصورت اس کے آخر تک گزر چکی تھی۔ آزاد ہندستان میں چھوٹا کاروبار صنعت کاری اور ''سبز انقلاب'' بدولت نمودار ہوا ہے۔ کاروبار اور تبادلے کی امداد باہمی کی شکلیں کم ترقی یافتہ ہونے اور اس حلقے میں سرکاری سیکٹر کی حیثیت واضح طور پر کمزور ہونے کے باعث بڑے پیمانے کے تجارتی اور صنعتی سرمائے کے لئے یہ ممکن ہو گیا کہ وہ اس کاروبار کو سختی سے اپنے قابو میں رکھے۔ ہندستان شہروں اور دیہات میں چھوٹے پیمانے پر کاروبار کرنے والے لوگ روایتی صنعتوں سے قریبی طور پر وابستہ ہیں۔ سیاسی اعتبار سے وہ یورپ کے ''تیسرے طبقے'' کے اپنے دور دراز تواریخی پرکھوں کی طرح فی الحال اس قابل نہیں ہیں کہ انقلابی اصلاحات کا ایک مربوط پروگرام پیش کر سکیں۔ حالانکہ یہ بات تسلیم کرنی چاہئے کہ وہ سیاسی جدوجہد میں دن بدن زیادہ حد تک شامل ہوتے جا رہے ہیں اور پچھلے کچھ عرصے سے دائیں بازو کے انتہا پسندوں کی حمایت کر رہے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ اکثر وہ مذہبی فرقہ پرستوں، علحدگی پسندوں اور

دوسری تحریکوں کے زیر اثر آ جاتے ہیں جن کا پیٹی بورژوازی کے دائیں بازو کے رہنماؤں کے خیال کے مطابق فرض یہ ہوتا ہے کہ اس کو حکومت کے قواعد وضوابط، قیمتوں کے کنٹرول، محنت کے متعلق قوانین، ٹریڈ یونینوں، قانون کے روبرو تمام شہریوں ک مساوات سے، نفرت انگیز غیر دینی تعلیم و اخلاق اور قدرے تاخیر سے شروع ہونے والی سرمایہ داری کے دوسرے بورژوا جمہوری لوازمات سے بچایا جائے۔

ہندستانی قدامت پسندوں کے ان حلقوں کی تنگ نظری کا تعمیری تواریخی کام کے میدان عمل میں (بورژوا سماج کی حدوں کے اندر بھی) اظہار ان کارروائیوں سے ہوتا ہے جو انجام کار خود اس کے اپنے طبقاتی ارتقا کو بیڑیاں پہنا دیتی ہیں: ''امن وامان'' پر مبنی ریاست کے استحکام کے بجائے فرقہ پرست اور علحدگی پسند جھگڑوں اور فسادوں کے لئے مشتعل کرنا؛ پیداواری سرمایہ کاری کے بجائے خاص طور پر روز مرہ استعمال کی چیزوں، سونے اور غیر ملکی زرمبادلہ کی سٹے بازی؛ بدعنوانیاں اور خویش پروری جو سماجی اعتبار سے خطرناک حد تک بڑھ گئی ہیں؛ اور آخر میں معقولیت پسند بورژوا شخصیت کی نشوونما کے بجائے کٹرپن، تصوف اور بے پناہ جہالت کی جانب رجحان۔ مغرب میں مدتوں پہلے گزرے ہوئے سرمایہ دارانہ ارتقا کے ادوار کو بلاارادہ دوہراتے ہوئے ہندستانی بورژوازی کے مخصوص حلقے بورژوا ہندستان کے ''دردزہ کا عرصہ مختصر اور شدت کم کرنے'' کی کسی پرزور خواہش کا مظاہرہ نہیں کرتے۔

آیئے، اس مسئلے کی جانب ہم ذرا دور سے چل کر آئیں۔ ہندستان کے بڑے مذہبوں میں سے کسی میں، اور ان میں سب سے پہلے ہندومت میں، بورژوا اصلاحات عمل میں نہیں آئی ہیں۔ اس لئے نئی تاریخی صورت حال میں، جہاں سب سے زیادہ شدید سماجی تصادم صنعتی اور اجارہ دارانہ سرمائے کی گہری مداخلت سے پیدا ہوتے ہیں، سرمایہ داری سے پہلے کے دور کا روایتی فرقہ پرست شعور نئے واقعات پر پیٹی بورژوا حلقوں کے ایک طرح کے قدرتی ردعمل کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہئے کہ بعض افریشیائی ملکوں میں خالص بے دینی نظریہ خصوصاً سامراج دشمن قوم پرستی مالدار بننے، مالک بننے، کارخانہ دار بننے کے خواہش مند لکھوکہا چھوٹے چھوٹے مالکوں کے رواجی ذہنی رجحان کی حیثیت سے روایتی فرقہ پرست، خیل، ذات، طبقے اور قبیلے کے اور نیم جاگیردارانہ نظریے کو عام طور پر زبردستی ختم نہیں کرسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مذہبی اخلاقیاتی نظام کے معیاروں سے بری طرح چمٹے رہتے ہیں۔ اس سے بھی بڑی بات یہ کہ چھوٹا مالک، خاص طور سے دیہی علاقے میں، سرمایہ داری کے خلاف جذبات سے مغلوب

ہوجاتا ہے جو جائداد کے ہیرا پھیرا کرنے والے سٹے باز، خونخوار مہاجن سے اور عام طور پر سرمایہ داروں سے اور خاص کر غیر ملکی اور مقامی بڑے بڑے سرمایہ داروں سے سخت نفرت کے ردعمل میں پیدا ہوتے ہیں۔ چھوٹے مالکوں کے ایسے بورژوا دشمن جذبات اکتوبر انقلاب سے پہلے روس میں بھی دکھائی دئے تھے جہاں ''بپھرا ہوا'' چھوٹا مالک کبھی کبھی تو بورژوا انتظام وانصرام سمیت ہر چیز کی نراجیوں جیسی خلاف ورزی کرنے کی حد تک پہنچ جاتا تھا۔

خاص طور پر قابل غور امر یہ ہے کہ نوآبادیاتی ہندستان میں سرمایہ داری کا دور شروع ہونے پر وہاں کی اندرونی رجعت پرست اور ترقی پسند قوتوں کے درمیان ویسے تلخ نظریاتی جھگڑے شروع نہیں ہوئے جیسے یورپ میں ہوئے تھے۔ معمولی منطق کے نظریے سے دیکھیں تو دادا بھائی نوروجی یا موتی لال نہرو جیسے اعتدال پسند مصلح بادی النظر میں مثلاً بال گنگا دھر تلک یا یہاں تک کہ مہاتما گاندھی کی تعلیمات کی بہ نسبت کہیں زیادہ ترقی پسند معلوم ہوں گے۔ لیکن اول الذکر دونوں حضرات کے تصورات کو ہندستان کے تعلیم یافتہ، قومی بورژوازی کے چنندہ لوگوں نے اپنایا جب کہ تلک کی انتجاب پرست تعلیمات اور خاص طور پر گاندھی جی کے یوٹوپیائی نظریات کروڑوں لوگوں کے دل ودماغ میں بس گئے۔ مشترک طبقاتی نظریے اور اس کے ساتھ ساتھ ہندستانی بورژوازی کو اگر اپنی مختلف پرتوں اور گروہوں کی ترتیب کی شکل میں دیکھا جائے تو اس کے مشترک قومی نظریے کے ارتقا کی رفتار میں سستی اس لئے آ گئی کہ اس کے بہترین تعلیم یافتہ اور ذہین نمائندے بھی نئے حالات میں اپنے ہاں کے لوگوں کی سماجی زندگی کو سمجھنے کے لئے مطلوبہ پیچ در پیچ سائنسی علم حاصل کرنے اور مجرد نظریات مرتب کرنے میں ناکام رہے۔

جواہر لال نہرو کے انتقال کو دس برس گزر چکے ہیں۔ اور آج بھی ان کی تحریروں کا مطالعہ کرتے ہوئے ہمیں ایک بار پھر احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے کندھوں پر کتنا بھاری بوجھ رکھا تھا کہ دو تضادوں میں ہم آہنگی پیدا کی جائے یعنی ہندستان کے قدیمی کٹرپن کو یورپ کی سائنسی معقولیت پسندانہ فکر سے اور کارل مارکس اور ولادیمیر لینن کے نظریے اور عمل سے ہم آہنگ کرنا جنہیں خود انہوں نے عالمگیر تاریخی اہمیت کا حامل قرار دیا تھا۔ ہمارے ہندستانی قارئین کو مارکس کی تصنیف سے مندرجہ ذیل اقتباسات پڑھ کر مارکس اور نہرو کے خیالات میں اندرونی مطابقت کا گہرا احساس ہوگا۔ ان میں ایک عبوری سماج کے متوسط رکن سے متوقع تقاضوں کو نہایت ہی واضح الفاظ میں مرتب کیا گیا ہے جو ''حتمی

طور پر تشکیل شدہ کوئی چیز رہنے کے مائل ہونے کے بجائے عمل تشکیل کی حرکت مطلق میں رہتا ہے''۔ نئے سماج کی تشکیل کے دوران میں ایسے فرد کا نمودار ہونا محض ایک اس سبب سے بھی ناگزیر ہوتا ہے کہ ''....جہاں کہیں بھی پیکر کامل، شکل کامل اور حد معینہ کی جستجو ہو وہاں دینائے قدیم زمانہ حال سے واقعی بلند تر تھی۔ ایک محدود نقطہ نظر سے یہ طمانیت بخش ہے جب کہ دنیا کی موجودہ حالت سے کوئی اطمینان میسر نہیں ہوتا؛ اطمینان بخش ہوتے ہی وہ عامیانہ ہو جاتی ہے۔''4 یہاں سوال جاگیرداری سے سرمایہ داری کی جانب عبور کرتے ہوئے سماج کے فرد کا ہے۔

مارکسزم کے بانیوں نے بارھا واضح کیا ہے کہ جن عظیم مفکروں، انقلابیوں، سائنس دانوں اور فنکاروں نے بورژوا سماج کی نظریاتی بالائی تشکیل اور تہذیب کی تخلیق کی تھی ان کا دولت کی پرستش سے قطعی کوئی سروکار نہیں تھا اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ وہ بورژوازی کی بدمذاقی، آسودخاطری اور خیالی کے سخت مخالف تھے۔ پھر بھی یورپی سرمایہ داری کو خودرو اور اٹل ہو جانے اور جاگیرداری کے حدودی علاقوں کو اپنے ماتحت کر لینے کے لئے سماج کی روحانی زندگی میں، اخلاقی اور اخلاقیاتی معیاروں میں بنیادی تبدیلی کی ضرورت پیش آئی۔ پیداوار اور تبادلے کے طریقے میں ہی گہرا تغیر و تبدل نہیں کرنا پڑا بلکہ محدود بورژوا نظام عالم کی حدوں سے دور باہر روحانی زندگی کے تمام میدانوں میں قدروں کی از سر نو تخلیق کرنی پڑی اور بعد میں انہیں سوشلزم کے شعور اور روحانی دنیا میں سمو دیا گیا۔

ان تبدیلیوں میں سے کم از کم چند قابل ذکر ہیں: نئی وضع کے ذہنی ادراک کی ابتدا جس کا بہترین مظاہرہ نشاۃ ثانیہ کے بڑے بڑے استادوں کی فنی بصیرت میں ہوا۔ مذہبی نظریات میں اصلاح جس نے اس عقیدے کو بلند کر کے غلبہ دلا دیا جو جنس تجارت پیدا کرنے والوں کے سماج کے لئے سب سے زیادہ موزوں تھا___ ''مجرد انسان کی پرستش کے ساتھ خصوصاً اپنے ارتقا کی بورژوا شکلوں والی عیسائیت یعنی پروٹیسٹنٹ ازم، ڈائزم وغیرہ''5؛ عظیم فلکیاتی، جغرافیائی اور تشریحی دریافتوں اور طبیعی سائنسوں مع علوم قطعیہ کی کامیابیوں سے ذہن میں پیدا ہونے والے غیر اعتقادی مجرد تصورات کے ایک سلسلے کا آغاز؛ روشن خیالی کے فلسفے میں معقولیت کا غلبہ اور مادہ پرستی کے مکتب خیال کا ظہور؛ بورژوا کلاسیکی سیاسی معاشیات کی ابتدا؛ علم تاریخ میں طبقاتی جدوجہد اور تصادم کی حقیقت کا تسلیم کیا جانا؛ اطلاقی علوم کا قیام اور پیداوار، تبادلے، نقل و حمل، فوج، بحریہ اور صاحب ثروت طبقوں اور کلیسا کی صارفانہ اور رسوماتی مخصوص

ضرورتیں پوری کرنے کے لئے ان میں مزید تخصیصی مہارت؛ نسبتی قدر زائد کی پیداوار اور توسیع شدہ تجدید پیداوار کی غرض سے مشینوں، مشینی نظام اور توانائی کے وسائل کی تکمیل کے لئے صلاحیت پیدا کرنا؛ عالمی سرمایہ دار طبقے، بین الاقوامی مزدور طبقے اور ایسے انجنیر وں اور ٹکنیکی ماہروں کی پرت کی تشکیل جن میں صنعتی ٹکنالوجی سے کام لینے اور نسبتی قدر زائد پیدا کرنے کی لیاقت ہو۔

ان جامع تبدیلیوں کو ہم قریب قریب اسی تواریخی پیدائشی تسلسل میں پیش کرتے ہیں جس میں وہ پورے یورپ میں رونما ہوئیں۔ درحقیقت برطانیہ میں بھی یہ تسلسل بارہا اپنے راستے سے ڈگمگایا یا اس کی شکل نامکمل رہی۔ اب جہاں تک افریشیائی دنیا کا تعلق ہے تو جاپان، چین اور ہندستان میں بھی جہاں انیسویں صدی کے وسط سے فیکٹری کا درآمد شدہ ساز وسامان اور درآمد شدہ مشینی ذرائع نقل وحمل خاصی بڑی کامیابی سے زیر استعمال تھے، تواریخی اعتبار سے اس سے پہلے ہونے والی، خصوصاً نظریاتی میدان عمل میں، تبدیلیاں ملتوی کردی گئی تھیں اور اگر وہ رونما ہوئیں بھی تو ان کا تسلسل مختلف رہا اور عموماً وہ جامع قسم کی نہیں تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ کسی بھی افریشیائی ملک میں، یہاں تک کہ جاپان میں بھی تصورات اور اخلاقیاتی معیاروں میں بورژوا نظریے کی تجسیم نہ ہوسکی۔

سماج کی معاشی، تہذیبی اور نظریاتی سرگرمیوں سے سائنسی ترقی کے نہایت ہی پر پیچ عمل باہمی سے جو سولہویں اور انیسویں صدیوں کے درمیان یورپ میں نمودار ہوا، عرصہ دراز تک افریشیائی دانشوروں میں سے چنندہ اور بہترین تعلیم یافتہ حضرات بھی بے بہرہ رہے۔ یورپی سائنس اور ٹکنالوجی کی کامیابیوں کو انہوں نے سب سے پہلے غیر ملکیوں کی فوجی برتری اور مقابلہ بازی کی بہتر صلاحیت کے سیاق وسباق میں دیکھا۔ علم ودانش کے میدان عمل میں یورپی برتری کے مقابلے میں وہ صرف تہذیبی اور اخلاقیاتی قدریں پیش کی جاسکتی تھیں جن کا تعلق عظیم لیکن اب تخلیقی سے نحیف اور ناقابل تلافی ماضی سے تھا۔

یہ امر قابل غور ہے کہ اٹھارویں صدیں کے اواخر اور انیسویں صدی کے آغاز میں ہندستان کے مفکر راجہ رام موہن رائے، بقول جواہر لال نہرو، سب سے پہلے مذہبی مصلح تھے۔ ''...اوائل عمری میں اسلام سے اور بعد میں کسی حد تک عیسائیت سے متاثر ہونے کے باوجود وہ اپنے ہی مذہب کی بنیادوں سے وابستہ رہے۔ لیکن انہوں نے اس مذہب کی اصلاح کرنے اور برے رواجوں اور خراب رسموں سے، جو اس سے وابستہ ہوگئی تھیں، اسے پاک کرنے کی کوشش کی۔''6 مذہبی اصلاح سے راجہ رام موہن رائے کی دلچسپی ان

کے علمی تبحر کی وجہ سے تھی: وہ انگریزی کے علاوہ سنسکرت، فارسی، عربی، یونانی، لاطینی اور عبرانی زبانیں بھی جانتے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے پورے علم ودانش کو صرف ایک مقصد کے لئے وقف کر رکھا تھا یعنی مذہب اور مغرب کی تہذیب کا سرچشمہ تلاش کیا جائے۔7 اصلاح مذہب کا یہ رجحان بعد میں بال گنگا دھر تلک اور مہاتما گاندھی کی علمی تلاش وجستجو میں ابھر کر سامنے آیا۔ یہ دونوں وہ رہنما تھے جنہوں نے برطانوی نوآبادیات حکمرانی کے خلاف جدوجہد کے لئے اپنے ہموطنوں کی سیاسی بیدار کے دور میں ان کے اجتماعی شعور تک پہنچنے کی راہیں غیر معمولی مستقل مزاجی سے تلاش کی تھیں۔

چنانچہ سوال پیدا ہوتا ہے: ہم عصر اور جدید دور میں کیا مذہبی اصلاح کی تحریک انقلابی ہے؟ مارکسزم لینن ازم نے اس سوال کا قطعی طور پر منفی جواب کبھی بھی نہیں دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ دور جدید کی تاریخ میں مغرب یورپ میں مذہبی اصلاح نے تھامس مونزر اور عام کسانوں کے دوسرے رہنماؤں کے ''بدعتی'' انقلابی مذہبی نظریات کو ابھارا۔ مذہب کے نظریات دو شرائط کی بنا پر انقلابی ہو سکتے تھے: اول تو وہ سماج میں سچی انقلابی قوتوں کا حربہ تھے؛ دوسرے، یہ قوتیں ایسے غیر دینی طبقاتی نظریے کو نہیں اپنا سکتی تھیں جو کروڑوں لوگوں کے دل ودماغ پر چھا سکے کیونکہ ایسے نظریے کا وجود ہی نہیں تھا۔

اگر گاندھیت کو اس روشنی میں دیکھا جائے تو تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ پرخلوص سامراج دشمن، استعماریت دشمن اور نسل پرستی کے خلاف جذبات کے ساتھ ساتھ سماجی انتہا پسندی کی بہت سی دوسری صفات جو عام دیہاتیوں میں اور دور جدید کے یورپ کے تیسرے طبقے میں بہت نمایاں تھیں، ہم عصر دور کے ہندستان کی سب سے مقبول اصلاحی تحریک میں قریب قریب بالکل ہی ناپید ہیں۔

اس سلسلے میں گاندھی جی کی شخصیت اور نظریات کے متعلق نہرو نے جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:

''....گاندھی جی کا موازنہ قرون وسطی کے عیسائی درویشوں سے کیا گیا ہے اور ان کے بہت کچھ اقوال اس سے مناسبت رکھتے معلوم ہوتے ہیں۔''8

''....ان کی پرجوش خواہش ہے کہ ایک خاص سمت میں جائیں لیکن یہ جدید خیالات اور حالات کے قطعی برعکس ہے اور وہ اب تک دونوں میں نہ تو مناسبت پیدا کر سکے ہیں نہ اپنی منزل تک لے جانے والے بیچ کے تمام اقدامات کا خاکہ مرتب کر سکے ہیں۔ چنانچہ ابہام پیدا ہو جاتا ہے اور وضاحت سے پہلو

تہی کی جاتی ہے''9

''.....وہ سماج یا سماجی تشکیل کو بدلنے پر کمر بستہ نہیں ہیں، انہوں نے اپنے آپ کو افراد کی گنگاری مٹانے کے لئے وقف کر دیا ہے۔''10

''....وہ کم وبیش ایک طرح فلسفیانہ نراجی ہیں۔''11

''....وہ سوشلزم پر بھی اور زیادہ خاص طور سے مارکسزم پر، تشدد سے ان کی وابستگی کے باعث، شبہ کرتے ہیں۔ان کے لئے

''طبقاتی جنگ'' کے الفاظ ہی سے تصادم اور تشدد کی بو آتی ہے اور اس وجہ سے وہ انہیں ناگوار ہے۔''12

''...ان کے نظریات سوشلسٹ انداز فکر یا یوں تو سرمایہ دارانہ نظریے سے بے حد بعید ہیں۔''13

جدید صنعت، ٹکنالوجی، سائنس اور فنون لطیفہ کے متعلق گاندھی جی کی غلط فہمیوں کو یاد کرتے ہوئے تسلیم کرنا پڑے گا کہ ان کے نظریے نے مربوط بورژوا شخصیت کو ڈھالنے میں بالواسطہ طریقے سے حصہ ادا کیا۔ پھر بھی ہندستان کے لئے گاندھیت کی تواریخی اہمیت نہایت ہی زبردست ہے کیونکہ یہ ایک ایسی چیز تھی جسے فلسفیانہ، اخلاقیاتی اور سیاسی کڑھاؤ سے تشبیہہ دی جاسکتی ہے جس میں ایسے فرد کی پیدائش کے دوران میں صاحب فکر ہندستانیوں کی کئی نسلیں جوش کھاتی رہیں جو بقول مارکس حتمی طور پر کوئی قائم شدہ چیز رہنے کا متلاشی ہونے کے بجائے تشکیل کی حرکت مطلق میں ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مہاتما گاندھی کی شخصیت سے اپنی بلاشبہ پرخلوص عقیدت واحترام کا اظہار کرتے ہوئے اور ہندستان کی حقیقتوں کی جانب ان کے موثر رویے کا بار بار حوالہ دے کر جواہر لال نہرو نے عملی طور پر گاندھیت کے صرف اسی پہلو کو توجہ کا مرکز بنایا ہے۔لیکن تشکیل کی حرکت مطلق میں بیدار ہونے والے ہندستانی نے اس عمل حرکت کے درمیانی مرحلے پر عبور حاصل کر لینے کے بعد اپنے آپ کو پیچیدہ، ٹھوس تواریخی، طبقاتی اور سیاسی تخمینوں اور فیصلوں کی بھول بھلیوں میں پایا اور اس مقام پر گاندھی جی کے اخلاقیات کے سحر کے تانے بانے ٹوٹ گئے اور امیر وغیریب، برہمن اور ہریجن سب کے لئے یکساں قابل قبول ان کی سماجی اور طبقاتی بے نیازی نئی نئی حاصل شدہ آزادی کے حالات میں آخر کار بے اثر پندو نصیت بن کر رہ گئی۔

مہاتما گاندھی کے پیروؤں میں سے کسی کو نہیں بلکہ خود ان کو اس خود اختیار سماج میں جس کے سماجی ناسور کھل چکے تھے اپنے علمی نظریے کے سماجی ومعاشی پہلوؤں کی بے مائگی کا بخوبی احساس تھا۔ ان کی موت سابقہ تذبذب کی کیفیت کی جانب سے نظریات عبور کی، نئے بورژوا فرد کے نامکمل ادعا کی، اصل بورژوا زندگی کی تشکیل کی حرکت مطلق کی تجویز کرنے کی ان کی عظیم اگرچہ ناتمام کوشش کی اٹل پاداش تھی۔ درحقیقت گاندگی جی کا مقدر اپنی موت سے دوچار ہیملٹ کے ان مغموم الفاظ میں بخوبی واضح ہوتا ہے:
''زمانے میں افراتفری ہے، اے بدنصیب قسمت! ہائے میں کیوں اسے ٹھیک کرنے پیدا ہوا!''
(شیکسپیر، ہیملٹ، ایکٹ ا، منظر 5)۔

مارکسزم لینن ازم کے اخلاقیات شہادت کا درجہ حاصل کرنے کی تلقین نہیں کرتے۔ لیکن ہو کچھ ایسا گیا ہے کہ کمیونسٹ جو بیسویں صدی کے عام لوگوں کے لئے ___ چیدہ چیدہ بڑے لوگوں کے لئے نہیں ___ سوشلسٹ سماج کے نئے انسان کی تشکیل کی حرکت مطلق کی راہیں روشن کر رہے ہیں تمام بورژوا قدامت پرست ''اداراتی'' قوتوں کی نفرت کا نشانہ بن گئے ہیں۔ ''کمیونسٹ آگے بڑھو!'' کے نعرے نے لاکھوں لوگوں کو جنہیں اپنے طبقے اور اپنی پارٹی کے لئے شعوری قربانی نے ہر زمانے کے تمام مذہبی فرقوں کے قانونی مانے ہوئے شہیدوں پر فوقیت دے دی ہے، دم قاپسیں تک لڑنے اور لافانی بن جانے کے لئے صف آرا کر دیا۔ ہم سوویت کمیونسٹ اپنی پارٹی کی عظیم الشان قربانیوں کا عام طور پر ذکر نہیں کرتے اور یہی بات دوسرے ملکوں کے کمیونسٹوں پر بھی صادق آتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہر وضع قطع کے اور تمام ملکوں کے فرقہ پرست اور کٹر جنونی ان لاکھوں کمیونسٹوں کی شہادت کے مقابلے میں کیا پیش کر سکتے ہیں جو پچھلی چند دھائیوں ہی کے دوران میں ان مذہبی فرقوں اور ذاتوں کے رجعت پسندوں کے ہاتھوں مارے گئے جنہوں نے انڈونیشیا اور سوڈان میں رجعت پسند غیر ملکی اجارہ دارانہ مفادات سے گٹھ جوڑ کر لیا تھا، ویت نام اور چلی میں نام نہاد ''درمیانی طبقوں'' کے ہاتھوں؟ اس لئے کچھ عجب نہیں کہ کیتھلک مصنفین بے خوف و بے داغ سورما کمیونسٹ چے گیوارا کے پیکر میں جوش وخروش کے سرچشمے تلاش کرتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ کمیونسٹوں کے دشمنوں نے انہیں چاہے کیسے ہی گناہوں کا سزاوار کیوں نہ قرار دیا ہو، جہاں تک یاد پڑتا ہے کسی نے کبھی بھی ان کی شجاعت اور ایثار کی صلاحیت پر شک وشبے کا اظہار نہیں کیا۔

لیکن کسی اصول سے وفاداری اس کو عملی جامہ پہنانے کی صلاحیت کے مترادف نہیں ہوتی۔ اس کا

ثبوت، اگر چہ بالواسطہ طور پر، ہندستان اور دوسرے ملکوں میں ترقی پسند قوتوں کے نقصانات اور ناکامیوں سے ملتا ہے۔ پھر بھی عوالناس میں انقلابی سرگرمیوں اور ان کی جدوجہد کی رہنمائی کرنے میں بتدریج زبردست تجربہ حاصل ہو جانے کا اب اظہار ہو رہا ہے۔ مثلاً ہندستان میں غیر سرمایہ دارانہ اور بعد میں سوشلسٹ ارتقا کے نظریے اور عمل کو سمجھنے اور اپنے اندر سمونے کی جانب میلان رکھنے والی کثیر قوتوں کی تشکیل شروع ہوگئی ہے۔

یہ تجربہ اور باتوں کے علاوہ اس کا بھی اظہار کرتا ہے کہ سابقہ پسماندہ ملکوں اور علاقوں کو ترقی یافتہ ملکوں کی صف میں لانے کے لئے ترجیحی نشوونما اور ترقی دینا سوشلزم کے تحت قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی تعمیل سوویت وسطی ایشیائی اور ماورائے قفقازی جمہوریاؤں میں، دائرہ قطب شمالی کے علاقوں اور مشرق بعید میں ارمنگولیا میں دیکھی جا چکی ہے۔ مخصوص شکل میں مگر یہی عمل ایشیا میں کوریائی عوامی جمہوری ریپبلک اور ویت نام کی جمہوری ریپبلک میں، یورپ میں بلغاریہ، رومانیہ اور کسی حد تک یوگوسلاویہ میں رونما ہوا اور اب لاطینی امریکہ میں کیوبا میں ہو رہا ہے۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ دنیا میں قوتوں کا نیا توازن، سوشلسٹ ملکوں میں باہم سودمند تعاون، سابقہ غلطیوں کو اور زیادہ سے زیادہ کارآمد طریق کار صورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے سائنسی طرز کی منصوبہ بندی سے نئے سوشلسٹ سماج کے دردزہ کا عرصہ مختصر اور شدت کم ہو جاتی ہے۔

سوویت عالموں نے دوسری قوموں کے سماجی و معاشی نظاموں کی دوبارہ ترتیب و تشکیل کے لئے مخصوص براہ راست سفارشات کبھی پیش نہیں کی ہیں۔ یہ سوویت عوام کے اصولوں اور نظریوں کے نیز سوشلسٹ سماج کے عام طور سے تسلیم شدہ طریقوں کے برعکس ہے۔ نہ ہی اس سے دوسری انتہا مراد ہے یعنی تیسری دنیا کو درپیش پیچیدہ مسئلوں کو زیادہ سے زیادہ کارآمد طریقوں سے حل کرنے میں دوسری قوموں کی ترقی پسند قوتوں کی جستجو سے قطعی بے نیازی۔ اسی وجہ سے سوویت علما سوویت ارتقا کے دشوار مگر اسی دشواری کی وجہ سے اور بھی زیادہ کارآمد تجربے سے جو کچھ بھی جانتے ہیں اسے دوسروں کو بتانے میں، اس کی کامیابیاں اور ناکامیاں، عمومی اور خصوصی پہلو واضح کرنے میں ہمیشہ مستعد رہتے ہیں۔ اور پھر جس طرح کسی ایک سماج کا فرد دوسرے سماج کو درپیش ہونے والے مسئلوں کو دیکھتا ہے اس میں روایتی طور پر اپنا جائزہ خود لینے سے مختلف، ہمیشہ کچھ نہ کچھ امتیازی پہلو ہوتا ہے۔ مدتوں پہلے، سوویت اقتدار کے

ابتدائی زمانے سے لینن کی پیش قدمی پر مغربی مشاہدین مثلاً جان ریڈ، البرٹ ولیمز، ہیربرٹ ویلز وغیرہ کی کتابیں باقاعدگی سے شائع کی جاتی رہیں۔ اکتوبر سوشلسٹ انقلاب کے ابتدائی اور بعد کے واقعات کی جو تصویر انہوں نے پیش کی وہ ان کی معلومات اور معروضیت کے مطابق مختلف تھیں مگر اس کے متعلق ان کی تعبیر میں کارآمد (اگرچہ تمام برابر فائدہ مند نہیں) معقول اصلیت موجود تھی۔

سوویت علم ہند نے (جس کے تواریخی اور سماجی و معاشیاتی شعبے قائم ہوئے نصف صدی گزر چکی ہے) ہندستان میں رونما ہونے والے مظاہر اور عوامل کو سمجھنے کے لئے لینن کی منہاجیاتی ہدایات کی روشنی میں کام کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ علمی وضاحت حاصل کرنے کی کوشش کی ہے۔ بلاشبہ اس کام میں اب تک ہمیں مختلف حد تک کامیابی حاصل ہوئی جس کا انحصار فراہم شدہ معلومات کی مقدار، ان کی صحت اور اس بات پر رہا ہے کہ شروع ہی میں انہیں کس حد تک مسخ کر دیا گیا تھا (عرصہ دراز تک برطانوی تعبیرات ہی کا ان پر غلبہ رہا)۔ اور پھر اس بات پر بھی اس کا انحصار رہا کہ کسی خاص مرحلے میں عالمی انقلابی عمل کے بارے میں خود ہماری تعبیر کیا رہی۔

مدتوں قبل جب 1920 میں کمیونسٹ انٹرنیشنل کی دوسری کانگرس ہونے والی تھی تو بعض ایشیائی انقلابیوں نے قومی آزادی کی تحریک کو مزدور طبقے کی بین الاقوامی تحریک سے مکمل طور پر ایک عمل سمجھنے کی کوشش کی تھی۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو پھر بھلا اس سے آسان بات اور کیا ہوتی؟ مزید یہ کہ کسی اور نے نہیں بلکہ خود ایم-این-رائے نئے، ہندستان کی صورت حال سے جن کی واقفیت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جاسکتا، کہا تھا کہ ملک کی دس کروڑ سے کچھ زیادہ آبادی جس کے پاس کوئی زمین نہیں ہے اور جو گاؤں میں رہتی ہے ایسا دیہی پرولتاریہ ہے جو سوشلسٹ انقلاب کے لئے تیار ہے۔ اس لئے انہیں یقین تھا کہ ''... یورپ میں انقلابی تحریک کی قسمت کا مکمل انحصار اس بات پر ہے کہ مشرق میں انقلاب کون سا راستہ اختیار کرتا ہے۔ مشرقی ملکوں میں انقلاب کی فتح کے بغیر مغرب میں کمیونسٹ تحریک کو مٹایا جاسکتا ہے... اس امر کے پیش نظر مشرق میں انقلابی تحریک پیدا کرنے اور ترقی دینے پر زور منتقل کرنا اور خاص دعوے کی حیثیت سے یہ تجویز منظور کرنا ضروری ہے کہ عالمی کمیونزم کی قسمت کا انحصار مشرق میں کمیونزم کی کامیابی پر ہے۔''[14] اس سادگی کے ساتھ 28 سالہ انقلابی نے جسے مارکسزم کے متعلق، بین الاقوامی اور روسی انقلابی تحریک کے متعلق مبادیاتی علم تھا، عظیم لینن کے روبرو اور ماسکو میں کمیونسٹ اجتماع میں عالمی کمیونزم

کے لئے ہدایات کا خاکہ پیش کر دیا۔

لینن نے موقع شناسی کے ساتھ یہ معنی خیز جواب دیا: ''ہندستانی کمیونسٹوں کو بورژوا جمہوری تحریک میں شامل ہوئے بغیر اس کی تائید کرنی پڑ رہی ہے۔ کامریڈ رائے جب یہ کہتے ہیں کہ مغرب کی قسمت کا انحصار قطعی طور پر مشرقی ملکوں کی انقلابی تحریک کی ترقی اور قوت پر ہے، تو وہ بہت دور پہنچ جاتے ہیں۔ اس حقیقت کے باوجود کہ ہندستان میں 50 لاکھ پرولتاریہ اور 3 کروڑ 80 لاکھ بے زمین کسان ہیں، ہندستانی کمیونسٹوں کو اپنے ملک میں کمیونسٹ پارٹی قائم کرنے میں ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی ہے، اور صرف اس وجہ سے ہی کامریڈ رائے کے نظریات بڑی حد تک غیر مصدقہ ہیں۔''[15] لینن کے ذہن میں بلاشبہ اپنے زمانے کی سماجی اور سیاسی حقیقتیں (جیسے مزدور طبقے کی تعداد یا کمیونسٹ پارٹی کی غیر موجودگی) رہی ہوں گی، مگر ان کا بیان آج بھی پہلے ہی کی طرح صادق آتا ہے۔

تو رائنجی منظر میں لینن کا تصور تین مفروضات پر مبنی ہے: اول تو وسیع ترین بنیاد پر مبنی جمہوری تحریک سے مستحکم اور لچک دار اتحاد کی ضرورت؛ دوسرے، ایشیا کو مرکز بنانے کی جانب میلان کا غیر مدلل ہونا اور تیسرے، جو ہمارے موضوع کے لئے خاص طور پر اہم ہے، ہندستان کے بے زمین لوگوں کو اور ہم یہ بھی اضافہ کر دیں کہ عام طور پر غریب، بہت زیادہ غریب اور محض افلاس زدہ آبادی کو جان بوجھ کر پرولتاری طبقے میں شامل کرنے کی غلطی۔ جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بے زمین آبادی کو پرولتاریہ میں بلا امتیاز شامل کرنے کی جیسا کہ ایم-این-رائے نے تجویز کیا تھا، لینن نے قطعی طور پر مخالفت کی تھی اور پرلتاریہ کو اصل صنعتی مزدور طبقے تک محدود کر دیا تھا۔ جو لوگ روس کی سماجی اور طبقاتی ترکیب و ترتیب کے متعلق لینن کی تحقیق سے روشناس ہیں ان کے لئے یہ رویہ قطعی واضح ہے کیونکہ وہ غیر پرولتاریوں یا بہرصورت، پرولتاریہ سے پہلے کے عوام الناس کو روسی مزدور طبقے سے ہمیشہ الگ رکھتے تھے۔ ہندستان کے موجودہ سماج میں، خصوصاً دیہی علاقوں میں طبقاتی تشکیل کے اپنے تجزیے میں زیر نظر کتاب کے مصنفوں نے بھی انہی معیاروں کا اطلاق کیا ہے۔

لیکن ایم-این-رائے سے لینن کی بحث کو نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہے۔ اس مدت میں زبردست تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں اور ہندستانی معاشرے کی سماجی تشکیل میں اب وہ، خصوصاً آزادی کے بعد، صاف نظر آتی ہیں۔ ان کا تعلق نہ صرف طبقاتی قوتوں کے نئے توازن سے بلکہ سماجی گروہوں کی نئی

خصوصیات سے بھی ہے جن کا اظہار روایتی عمرانیاتی اصطلاحوں میں ہوتا ہے۔ مسئلے کے اس اہم پہلو کو موجودہ تحقیق کے دائرے سے بڑی حد تک باہر ہی رہنے دیا گیا ہے۔ اس میں تہذیب، تعلیم اور نظریے کے مسئلوں کو نہیں چھیڑا گیا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ہندستانی قارئین ہمارے سماجی و معاشیاتی تجزیے میں متعلقہ تصورات کا اضافہ کرلیں گے۔

افریشیائی ملکوں کے تجربے سے لینن کے اس گہرے خیال کی تصدیق ہوگئی کہ پرولتاریوں اور تمام محنت کشوں کو سماج کی سوشلسٹ تعمیر نو کی جدوجہد میں کامیابی کی ناگزیر شرط اول کی حیثیت سے جمہوریت کے لئے جدوجہد کرنے کا مشکل سبق سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ سیاسی خودمختاری حاصل کرنے کی جدوجہد میں بھی جمہوریت کی ایسی ہی تعلیم کے اہم اجزا موجود تھے۔ لیکن تحریک کے مشترک قومی مقاصد کے لئے اور روپوش رہ کر کام کرنے کے، خاص کر استعماریت پسندوں کے خلاف مسلح مزاحمت کے شدید مطالبات کے سامنے وہ اجزا اکثر پس پشت چلے گئے تھے۔ صرف قومی خودمختاری ہی نے مختلف طبقوں اور سماجی پرتوں کے، خصوصاً محنت کش عوام کے سچے مفادات کا مکمل اور زیادہ سے زیادہ وضاحت سے اظہار کرنے کا موقع فراہم کیا اور سب سے اہم بات یہ کہ محنت کش عوام کو ان کا احساس دلایا۔ یہ عمل سیدھا سادا نہیں ہوتا۔ طبقاتی احساس کی بیداری روایتی عالمی نظریے کا ازسرنو تخمینہ کرنے کی کربناک منزل سے گزرتی ہے جس میں تمام تر تعصّبات، محدود مقامی مطالبات اور توہمات موجود ہوتے ہیں۔ ہزار سالہ خواب خرگوش کی ان باقیات پر طبقاتی بیداری کے ابتدائی مرحلوں میں عبور حاصل کرنا اسے جمہوریت پسند شعور کا نامیاتی عنصر بنانے کی اور اسی مطابقت کی ترقی پسند تنظیم قائم کرنے کی ایک ناگزیر شرط ہے۔

سماجی و معاشی تشکیل اور متحدہ کنبے اور جمانی سے لے کر ملک گیر نظام تک مختلف زمروں میں اس کے نظام عمل کا تجزیہ گونا گوں نعروں، مطالبوں اور دعووں کو مجموعہ بے ترتیب سے طویل مدتی نشانے الگ کرنے میں مدد دیتا ہے جو خاص خاص طبقوں اور سماجی پرتوں کے اہم مفادات کی عکاسی کرتے ہیں۔ صرف اس رویے سے ہی فوری تواریخی منظر کے لئے سائنسی اصولوں پر مبنی اصلاح کا پروگرام مرتب کرنا اور بظاہر انقلابی، لفاظی اور رضا کارانہ پروگرام کی مخالفت کرنا ممکن ہے۔ یہاں ہم ایک بار پھر حقیقی جمہوریت پسندوں کو ''قدیم چینی وضع'' کے بلوائیوں سے علیحدہ رکھنے پر زور دیں گے۔

سماجی ومعاشی تجزیہ ان مظاہر کی اصلیت کو بے نقاب کرتا ہے جو آج کل رائے عامہ میں ہیجان پیدا کر رہے ہیں اور سیاسی جدوجہد کے کلیدی مسائل ہیں۔ مثلاً اناج کی قیمتوں کو ہی لیجئے۔ ان پر کنٹرل کا سب سے پہلے مطالبہ یہ ہے ہ منافع خوری کی سرکوبی ہو اور وصولی کی اور خردہ قیمتیں مقرر کی جائیں۔ یہ قطعی حق بجانب مطالبہ ہے جسے ملک گیر حمایت حاصل ہوئی۔ اس کی تعمیل سے لازمی طور پر فوری اور مفید اثر ہوگا۔ کروڑوں محنت کشوں کی حالت بہتر ہو جائے گی۔ لیکن قیمت پر انتہائی سخت کنٹرول بھی بطور خود غذائی مسئلہ حل نہیں کرے گا کیونکہ اس سے پیداوار نہیں بڑے گی (بعض مالکان زمین اسے کم بھی کر دیں گے) اور اناج کی پیداوار کا خرچ کم نہیں ہوگا۔ اس کا حل زراعت میں بنیادی اصلاح پر، جائداد کے تعلقات میں تبدیلی پر، پیداواری قوتوں اور زرعی معیشت کی ترقی پر منحصر ہے۔

قیمت کی تشکیل کے عوامل پر منافع خوری کا جو بوجھ پڑتا ہے اسے دور کر کے جمہوری قوتیں عوام الناس کی نگاہ میں زمین کی ملکیت، زمین کے استعمال، امداد باہمی، زرعی معیشت، ''سبز انقلاب''، صنعت سے تعلقات، تعلیم عامہ اور روایتی اداروں کی جگہ نئے ادارے قائم کرنے جیسے شعبوں میں زراعت کی ہمہ گیر از سر نو تشکیل کے مزید اقدامات زیادہ موثر بنا سکتی ہیں۔ یہ امکان قیمتوں کے کنٹرول کی موجودہ جدوجہد کا بظاہر دوسرا، طویل مدتی مقصد بن جاتا ہے۔

لیکن انتہائی وسیع معاشی اصلاحات کی بھی تعمیل اگر دفتر شاہی انداز میں ہوئی، صوبوں میں اور مرکز میں جمہوری تنظیموں کی عملی شرکت اور کنٹرول کے بغیر ہوئی تو ممکن ہے کہ طویل مدتی ترقی پسند مقاصد تشنہ تکمیل ہی رہ جائیں۔ اور اس سے بھی بدتر یہ کہ لوگوں کی نظروں سے گر جائیں۔ اس لئے جب کبھی کوئی جمہوری ریاست نجی سیکٹر میں گہرائی تک دخل اندازی کرے تو اسے یہ کام دیانتداری اور پاک صاف ہاتھوں سے کرنا چاہئے تا کہ بنیادی اصلاحات کے حلقے کی توسیع کے ساتھ بدعنوانیوں کے حلقے کی بھی توسیع نہ ہو جائے یعنی ''روایتی'' کاروباری سرمایہ داری کی جگہ اس سے بھی زیادہ طفیلی دفتر شاہی سرمایہ داری نہ آ جائے۔ سوویت ریاست میں اس قسم کا خطرہ اس کی تاریخ کے آغاز میں پیدا ہوا تھا اور پارٹی اور حکومت کو اسے نبٹنے کے لئے ہنگامی اقدامات کرنے پڑے تھے۔

موجودہ تواریخی دور کی سب سے بڑی امتیازی علامت سرمایہ داری سے سوشلزم کی جانب نوع انسانی کا عبور ہے۔ یہ عبور صرف ان ملکوں میں ہی نظر آ رہا جہاں عنان حکومت مزدور طبقے کے ہاتھوں میں ہے۔ سرمایہ داری کے خلاف تحریک وسیع تر پیمانے پر جاری ہے اور سامراج کے خلاف نوآزاد قوموں کی جدوجہد جیسے جیسے براہ راست سرمایہ داری کی مخالفت کو اپنے مقصد اور رجحان کی حیثیت سے اختیار کرتی جا رہی ہے ویسے ہی یہ محاذ وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔

لینن نے، جن کے سر سوشلزم کی سائنسی تعلیم کی جامع ترقی اور اسے مالا مال کرنے کرنے کا سہرہ ہے اور جنہوں نے عالمی انقلابی ارتقا کا حقیقی معنوں میں ہمہ گیر نظریہ مرتب کیا ہے، واضح کیا تھا کہ سرمایہ داری سے سوشلزم کی جانب عالمگیر عبور نہایت پیچیدہ، دیرپا، کثیر جہتی اور یقیناً دشوار عمل ہوگا۔ تاریخ نے لینن کی پیش بینی کی مکمل تصدیق کر دی ہے۔ لینن سے پہلے انقلابیوں نے اکثر جو پیش گوئی کی تھی اس کے برعکس ایسا کوئی انقلاب عالمگیر پیمانے پر نہیں بھڑک اٹھا جس نے عالمی سرمایہ دارانہ نظام کا راتوں رات تختہ الٹ دیا ہو۔ اس لئے سرمایہ داری سے سوشلزم کی جانب عبور پورا ایک تواریخی دور کہلاتا ہے۔

معقول اسباب کی بنا پر ہی جواہر لال نہرو کا عقیدہ تھا کہ ان کے عظیم تصورات کی تکمیل سماجی اور سیاسی آزیادی کے لئے عوام کی جدوجہد سے اور قومی تحریک آزادی سے قریبی طور پر وابستہ ہے۔ انہوں نے کہا: ''....وہ قوم جو سیاسی اور معاشی اعتبار سے دوسری کی محکوم ہو اور مجبور و محصور ہو اور لوٹی کھسوٹی جاتی ہو اندرونی طور پر اس کی بالیدگی کبھی بھی نہیں ہو سکتی۔''16 سامراج کے خلاف امن، جمہوریت اور سماجی ترقی کے لئے جدوجہد میں نہایت ہی اہم عنصر کی حیثیت سے قومی آزادی کی تحریک اور سوشلسٹ قوتوں کے درمیان اتحاد قائم کرنے میں خود نہرو نے بڑا حصہ ادا کیا۔

نہرو مارکسی نہیں تھے مگر نوع انسانی کی تقدیر بنانے کے لئے سائنسی سوشلزم کی زبردست اہمیت کو تسلیم کرتے تھے۔ انہوں نے بارہا کہا کہ مارکسی لیننی نظریے کے مطالعے نے ان کے عالمی نظریے پر گہرا نقش چھوڑا ہے۔ انہوں نے کہا: ''....مارکس اور لینن کے مطالعے نے میرے دماغ پر بہت دیکھنے میں مجھے مدد دی۔ تاریخ کے اور سماجی ترقی کے طویل سلسلے میں کچھ معنی، کچھ ترتیب پیدا ہوئی اور مستقبل کا کچھ ابہام ختم ہوا۔''17

اہم بات یہ ہے کہ پہلا سوشلسٹ انقلاب ایک ایسے ملک میں کامیاب ہوا جو معاشی اعتبار سے کسی

طرح ترقی یافتہ نہیں تھا۔لینن نے 1922 میں لکھا:''فی الحال کلیدی خصوصیت یہ ہے کہ جو فرائض ہمیں درپیش ہیں ان کی عظمت اور ہماری، نہ صرف مادی بلکہ تہذیبی، مفلسی کے درمیان خلیج۔''18 اصلاح پسندوں کو مخاطب کرتے ہوئے انہوں نے اپنی ایک آخری تخلیق میں واضح کیا تھا:''آپ کہتے ہیں سوشلزم کی تعمیر کے لئے تہذیب ضروری ہے۔ بہت اچھا۔لیکن اپنے ملک میں پہلے ہم تہذیب کی ایسی اولین ضرویات کیوں نہ تخلیق کرلیں جیسے زمینداروں اور روسی سرمایہ داروں کا اخراج، اور پھر سوشلزم کی جانب بڑھنے لگیں؟'' اپنی مخصوص دوراندیشی کے ساتھ لینن نے قریب قریب پیغمبرانہ انداز میں کہا:''ہمارے یورپی کم ظرفوں کے خواب وخیال میں بھی یہ بات آسکتی کہ مشرقی ممالک میں جن کی آبادیاں کہیں بڑی ہیں اور جہاں سماجی حالات میں کہیں زیادہ تنوع ہے، آئندہ انقلابات بلاشبہ، روسی انقلاب سے بھی زیادہ امتیازات کا مظاہرہ کریں گے۔''19 یہ پیش گوئی پوری طرح سچ ثابت ہوئی۔ بے شک مشرق کے انقلابات''روسی انقلاب سے بھی زیادہ امتیازات کا مظاہرہ'' کرتے ہیں۔

محدود پیمانے پر اور انقلابی ریاست کے کنٹرول کے تحت نجی کاروبار کی اجازت دینے کی نئی معاشی پالیسی اختیار کرنے کی ضرورت کی وضاحت کرتے ہوئے لینن نے 1920 میں لکھا تھا:''...یہ کہنا خطرناک غلطی ہوگی کہ چونکہ ہماری معاشی 'قوتوں، اور ہماری سیاسی طاقت کے درمیان فرق ہے' اس لئے اس سے نتیجہ نکلتا ہے، کہ ہمیں حکومت پر قبضہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔اس قسم کی دلیل صرف 'گلو بند پوش آدمی، ہی پیش کرسکتا ہے، جو بھول جاتا ہے کہ اس قسم کا 'فرق، ہمیشہ رہے گا، کہ یہ قدرت کے ارتقا میں نیز سماج کے ارتقا میں ہمیشہ موجود رہتا ہے، کہ صرف''سلسلے وار کوششوں سے ہی___جن میں سے الگ کی ہوئی ہر کوشش یک طرفہ اور بعض نامطابقتوں کا شکار ہوگی___سوشلزم تعمیر ہوگا۔''20 یہ غیر معمولی طور پر اہم قول قطعی ضرورت کی حیثیت سے تجویز کرتا ہے کہ نئے سماج کی تعمیر میں فتح اور شکست، کامیابی اور ناکامی کے تجربے کا باہم، مساوی، رفیقانہ تبادلے ہو۔اس امر کا حوالہ دیتے ہوئے کہ''نئے سماج'' سے کیا مراد ہے لینن نے غیر مبہم الفاظ میں یہ حقیقت واضح کی کہ''سوشلسٹ ریاست کا قیام'' نئے سماج کی تعمیر میں اولین سبقتی فریضہ ہے۔ علاوہ ازیں لینن نے واضح کیا کہ''...پھر یہ نیا سماج بھی ایک تصور مجرد ہے جو کسی سوشلسٹ ریاست تخلیق کرنے کی متنوع، غیر مکمل اور ٹھوس کوششوں کے سلسوں کے کے بعد ہی وجود میں آسکتا ہے۔''21

آخری تجزیے میں سوشلسٹ نصب العین کی فتح کا انحصار ایک طاقتور سوشلسٹ ریاست کے قیام پر ہے۔ دوسری عالمی جنگ سے پہلے سوویت ریاست تمام آزمائشوں پر پوری اتری اور پہلے سے زیادہ طاقتور ہوگئی۔ یہ اپنی سماجی اور قومی آزادی کے لئے عوام کی پرزور جدوجہد کا دور تھا۔ اس نے نازی جرمنی، فاشسٹ اٹلی اور عسکری جاپان کے اتحاد کے خلاف جو کمیونسٹ دشمنی کے نعروں کی آڑ میں سوویت ریاست نیز دنیا کی دوسری قوموں کو محکوم کرنا چاہتے تھے، جنگ کے دوران میں اپنے استحکام کا ثبوت فراہم کیا۔ بین الاقوامی مزدور طبقے اور قومی آزادی کی تحریک کے ابھار، نوآبادیاتی نظام کے بحران اور پھر انہدام کے اس دور میں جو جنگ کے بعد شروع ہوا اس نے نئی طاقت حاصل کر لی۔ سوشلسٹ ریاست اب ہمیشہ کی طرح مضبوط ہے اور آئندہ بھی بدستور ایسی ہی رہے گی۔

یہاں نہایت پرزور طریقے سے یہ بات واضح کر دینی ضروری ہے کہ سامراجیت اور سرمایہ داری کے خلاف جدوجہد کو لینن اولین طور پر ''مغربی'' یا ''مشرقی'' جدوجہد تصور نہیں کرتے تھے۔ اس جدوجہد کو وہ واحد عالمی انقلابی عمل کی حیثیت سے دیکھتے تھے۔ لینن پہلے انقلابی رہنما تھے جنہوں نے مشرق کے کچلے ہوئے اور لوٹے کھسوٹے ہوئے عوام الناس کی سیاسی بیداری کی اور مشرق میں انقلاب کے سامنے کھلنے والے زبردست نئے امکانات کی اہمیت دکھائی۔ اپنی آخری تصانیف میں سے ایک ''قومیتوں کا یا 'خود مختاریت، کا سوال'' کے آخر میں انہوں نے لکھا: ''لیکن تاریخ عالم کا مستقبل وہ دن ہوگا جب سامراجیت کی روندی ہوئی بیدار ہوتی ہوئی قومیں آخر کار اٹھ کھڑی ہوں گی اور ان کی آزادی کی فیصلہ کن طویل اور دشوار جدوجہد شروع ہو جائے گی۔'' اسی قدر اہم بات یہ ہے کہ مغرب میں انقلابی تحریک کے بالمقابل واحد، الگ تھلگ، مخصوص راستے کی حیثیت سے عالمی انقلابی ترقی کے ''مشرقی راستے'' کے متعلق کھوکھلی لفاظی کے اعلانات کے خطرے کو بھی سب سے پہلے انہوں نے ہی محسوس کیا تھا۔

تاریخ میں لینن کے کردار کے متعلق نہرو نے لکھا ہے کہ ''....کروڑوں لوگوں نے انہیں نجات دہندہ اور اس دور کا عظیم ترین انسان مانا ہے۔''[22] ان کو خود انہوں نے ''اعلیٰ دماغ اور انقلاب کا خالق''[23] کہا ہے۔ نہرو پر مارکسزم لینن ازم کے اثر کے سب سے زیادہ نمایاں اظہار تواریخی ارتقا کے معروضی قوانین کے تسلیم کرنے میں ہے۔ وہ اس ترقی پسند سائنسی تصور کے ثابت قدمی کے ساتھ حامی رہے کہ تاریخ کے اصل خالق عوام ہوتے ہیں اور سیاسی رہنماؤں کی سرگرمیاں عوام الناس کے مفادات اور آرزوؤں کی

خدمت کے لئے وقف ہونی چاہئیں۔نہرو نے اس خیال پر زور دیا تھا:''...خاص اداکار عوام تھے اور ان کے پیچھے، ان کو آگے ڈھکیلنے والی تاریخ کی اشد ضرورتیں۔ اگر وہ تاریخی ماحول نہ ہوتا اور سیاسی وسماجی ضرورتیں نہ ہوتیں تو انہیں جوش عمل دلانے میں کسی رہنما یا شعلہ بیاں مقرر کو ہرگز کامیابی نہ ہوتی۔''24

اکتوبر انقلاب کی فتح نے معاشی اعتبار سے کم ترقی یافتہ ملکوں کے لئے سوشلزم کی جانب عبور کی نئی راہیں روشن کر دیں۔ یہ حقیقت نہایت گہری اہمیت کی حامل تھی کہ ایسے ملکوں کے غیر سرمایہ دارانہ ارتقا کا یعنی سرمایہ داری کی منزل کو پھلانگ کر سوشلزم کی جانب ان کے عبور کا تصور لینن نے روس میں، جو یورپ کے ترقی یافتہ سرمایہ دار ملکوں سے معاشی طور پر بہت پچھڑا ہوا تھا، سوشلسٹ انقلاب کی فتح کے تھوڑے ہی عرصے بعد پیش کیا تھا۔ غیر سرمایہ دارانہ ارتقا کے نظریاتی امکان کی عملاً تکمیل سابقہ زراشاہی روس کے ایشیائی صوبوں میں لیننی پارٹی کی رہنمائی میں ہوئی۔

سوویت روس میں سماجی تغیر وتبدل کا نہرو نہایت گہری دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کرتے رہے۔ ہمارے ملک میں پہلی بار وہ اپنے والد موتی لال نہرو کے ساتھ جو ہندستانی تحریک آزادی کے ایک ممتاز رہنما تھے 1927 میں آئے تھے جب سوویت اقتدار کی دسویں سالگرہ منائی جارہی تھی۔انہوں نے براہ راست جو اثرات قبول کئے تھے ان کے مطابق یہ نتیجہ اخذ کیا تھا:''...سوویت انقلاب نے انسانی سماج کو ایک بڑی جست میں آگے بڑھا دیا اور ایک تابناک شعلہ روشن کر دیا جسے بجھایا نہیں جاسکتا، اور...اس نے اس 'نئی تہذیب، کی بنیادی استوار کر دیں جس کی جانب دنیا پیش قدمی کرے گی۔''25 نہرو نے سرمایہ دارانہ سماج کے ناسوروں اور اس کی بدیوں کو دیکھ لیا تھا اور وہ بخوبی جانتے تھے کہ تواریخی اعتبار سے سرمایہ داری کا خاتمہ یقینی ہے۔اسی سے انہیں یہ خیال ہوا کہ عوام الناس کی اذیت اور مفلسی کے سرمایہ دارانہ تجربے کو دوہرائے بغیر ہندستان کو اپنا مستقبل تعمیر کرنا اور اپنے سماجی مسئلوں کو حل کرنا چاہئے۔

بہت عرصہ قبل ابھی قومی آزادی کی جدوجہد جاری تھی، نہرو بار بار زور دیتے رہے کہ ہندستان میں بنیادی سماجی ومعاشی اصلاحوں کی تعمیل کی ضرورت ہے۔ایک مثالی سماجی نظام کی حیثیت سے وہ سوشلزم کی جانب دن بدن زیادہ کھنچتے چلے گئے۔1936 انڈین نیشنل کانگرس کے لکھنو کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے نہرو نے کہا:''...مجھے پورا یقین ہے کہ دینا کے مسئلوں کے اور ہندستان کے مسئلوں کے حل کی واحد کنجی سوشلزم ہے اور جب میں یہ لفظ استعمال کرتا ہوں تو مبہم انسان دوستانہ طریقے سے نہیں بلکہ علمی

معاشی معنوں میں استعمال کرتا ہوں....ہندستان کے عوام کی مفلسی، بے پناہ بے روزگاری، ذلت اور غلامی کے خاتمے کا مجھے سوشلزم کے علاوہ اور کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ اس میں ہماری سیاسی اور سماجی تشکیل میں وسیع اور انقلابی تبدیلیاں، زمین اور صنعت میں قانونی ملکیت کے خاتمے کا سوال ہے....اس کے معنی ہیں محدود اعتبار سے استثنا کے ساتھ نجی ملکیت کا خاتمہ اور منافع کے موجودہ نظام کی جگہ امداد باہمی کی خدمت کے بلند تر تصور کو دینا...مختصراً اس سے مراد ہے موجودہ سرمایہ دارانہ نظام سے بنیادی طور پر مختلف نئی تہذیب۔''26 سماج کی سوشلسٹ کایا پلٹ میں نہرو نے نوع انسانی کے تواریخی ارتقا کے منطقی نتیجے کو، سامراجی اقتدار سے نجات پائے ہوئے ہندستان کے لئے قومی کے معروضی طور پر ناگزیر راستے کو تسلیم کیا۔ نہرو کی اس نظریاتی اور سیاسی پالیسی نے ہندستان کے جمہوریت پسند خیالات میں، عظیم اکتوبر سوشلسٹ انقلاب اور سوویت یونین میں سوشلسٹ کامیابیوں کے زیر اثر زبردست اور اہم تبدیلی کی عکاسی کی۔

آزادی کے بعد حکمران جماعت انڈین نیشنل کانگرس کے سماجی و معاشی پروگرام کے متعلق اپنے بیانات میں آزاد قومی ترقی، معاشی پیش قدمی اور عوام کی بہبود کے لئے صنعت کاری اور منصوبہ بندی کو نہرو نے اولین ترجیح دی۔ انہوں نے کہا: ''...وسیع معنوں میں ہمارا مطمع نظر سوشلسٹ نمونے کے سماج کی فلاحی ریاست قائم کرنا ہے جہاں آمدنی میں بڑی عدم مساوات نہ ہو اور جو سب کو برابر کے مواقع فراہم کرے۔''27

سوشلسٹ طرز پر ہندستانی سماج کی بنیادی طور پر نئی تشکیل قائم کرنے کی معروضی ضرورت کو نہرو تسلیم کرتے تھے۔ مگر ہماری رائے میں، اس تشکیل نو کے عمل، شکلوں اور طریقوں کے متعلق وہ مخصوص زیادہ تر داخلی نوعیت کے تصوری نظریات کے حامل تھے۔ یہ نظریات جدید ہندستان کے طبقاتی اختلافات کے انتہائی پر پیچ نمونے، اس کی سماجی تشکیلوں کے تعدد اور مزدور طبقے کے اہم تاریخی کردار کو قطعی طور پر اصلیت سے کم آنکنے کا عکس پیش کرتے تھے۔ برطانوی نوآبادیاتی حکمرانی کے خلاف قومی آزادی کی تحریک کے دوران میں اور آزادی کے بعد بھی طبقاتی قوتوں کے توازن نے اپنے تصورات کو عملی جامہ پہنانے میں ان کے امکانات کو محدود کر دیا تھا۔

طبقوں اور طبقاتی جدوجہد کے وجود کو تسلیم کرتے ہوئے نہرو نے مصالحانہ سمجھوتوں اور طبقوں کے

درمیان اتحادِ عمل پر مبنی اصلاحات کے ذریعے طبقاتی تضادات کا حل کرنے کے امکان کے متعلق اپنا خاص دعویٰ پیش کیا۔ انہیں یقین تھا کہ صرف سمجھائے بجھانے سے ہی صاحب جائداد اور استحصال کرنے والے طبقوں کے معاشی اور سیاسی اثر کو بڑھنے سے روکا جا سکے گا۔ نہرو کے عالمی نظریے پر اصلاح پسند، یوٹوپیائی نظریات کا اثر ٹھیک اسی میں ظاہر ہوا تھا۔ مارکسی لیننی نظریے کے بعض مسئلوں کی، سوویت یونین میں سیاسی زندگی اور ہندستان میں کمیونسٹ تحریک کے کچھ پہلوؤں کی جانب ان کے داخلی تنقیدی رویے کا بنیادی سبب اسی میں مضمر ہے۔

لیکن اس مقصد کے پیش نظر کہ وسیع و بسیط ملک کی معاشی اور تہذیبی پسماندگی مٹ سکے ضروری تھا کہ درست معاشی پالیسی پر عمل درآمد کیا جائے، جو حکمراں انقلابی پارٹی کو عوام کی مجموعی اکثریت کی، سب سے پہلے محنت کش عوام کی تائید حاصل کرا سکے۔ لینن نے کہا ہے: ''لوگوں کے سمندر میں ہم محض ایک قطرے کے مانند ہیں اور ہم صرف اسی صورت میں نظم و نسق سنبھال سکتے ہیں جب کہ اس چیز کا صحیح طور سے اظہار کریں جو لوگوں کے شعور میں ہے۔''28 خانہ جنگی ختم ہونے اور مداخلت پسندوں کی شکست کے بعد روسی انقلابیوں نے نئی معاشی پالیسی اختیار کی جس کا خاکہ بذات خود لینن نے مرتب کیا تھا۔

یہ پالیسی مزدور طبقے اور کسانوں کے اتحادِ عمل پر مبنی تھی جو لینن مدتوں قبل، گذشتہ صدی کے آخر میں پیش منظر میں لائے اور اس کے حق میں مفصل دلیلیں پیش کیں اور طویل مدت امداباہمی کے پروگرام پر مبنی تھی جس کا مقصد، بقول لینن، چھوٹے کاشتکار کو نیا قالب دینا اور کئی نسلوں کے عرصہ حیات میں اس کی ذہنیت اور عادتوں کو نئے سانچوں میں ڈھالنا تھا۔ نئی معاشی پالیسی کا منصوبہ ملک کی معاشی تشکیلوں کے تعدد کو پیش نظر رکھتے ہوئے، محدود پیمانے پر قومی اور غیر ملکی سرمائے کو داخلے کی اجازت دے کر مرتب کیا گیا تھا۔ لیکن کلیدی معاشی مرکز انقلابی ریاست کے اختیار میں ہوں، اس کے اقتدار میں بدستور استحکام پیدا ہوتا رہے اور تمام سماجی و معاشی، نظریاتی اور سیاسی حلقوں میں اس کے مستحکم کنٹرول کی توسیع ہو۔ نئی معاشی پالیسی پر لیننی پارٹی کے فیصلے کا محرک سب سے پہلے عوام الناس سے اس کے تعلقات کو تقویت دینے کے لئے اس کی متواتر اور پرخلوص فکرمندی تھی۔ یہ فیصلہ ایک ایسی صورت حال میں کیا گیا تھا جب کہ بقول لینن ''کسانوں میں شدید بے چینی تھی اور مزدوروں میں بے اطمینانی پھیلی ہوئی تھی۔ وہ تھکے ہوئے اور بے حال تھے۔ انسان کی قوت برداشت کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔ تین سال تک انہوں نے

فاقہ کشی کی تھی لیکن مسلسل چار یا پانچ سال تو فاقے نہیں کئے جاسکتے۔''29 سوشلسٹ مقاصد پورے کرنے کی غرض سے سوشلسٹ ملک میں نجی کاروبار کو نہایت ہی تنگ حدوں کے اندر اجازت دیتے ہوئے پارٹی نے اپنے رہنما کے الفاظ میں جو اس نے پیٹی بورژوازی کو مخاطب کرتے ہوئے کہے تھے، اعلان کیا کہ وہ ''اقتدار برقرار رکھنے کی حدوں میں رہتے ہوئے ہر ممکن رعایت دے گی...''30

ایسی صورت حال میں مزدوروں اور تمام محنت کشوں کے حقیقی موثر اقتدار کا ہمہ گیر استحکام ترقی پسند پالیسی کی ابتدا و انتہا کی حیثیت رکھتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر سوویت عوام نے لینن کی نصیحت پر عزم واستقلال سے عمل نہ کیا ہوتا تو وہ بہت کچھ حاصل نہ کر پاتے۔ اس لئے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ سیاسی بالائی تشکیل یعنی سوشلسٹ ریاست یا سماجی ترقی کی قومی جمہوری ریاست معاشی اعتبار سے پسماندہ ملک میں نئے سماج کی تعمیر میں اہم تاریخی حصہ ادا کرتی ہے۔

درحقیقت آزاد ہندستان کی معاشی وسیاسی ترقی کے تجربے نے طبقاتی تضادات اور تصادم میں شدت پیدا ہوجانے کا، محنت کش عوام کی بڑے پیمانے کی سرگرمیوں کے خلاف صاحب جائداد طبقوں کی طرف سے تشدد آمیز طریقوں کے استعمال کا ناقابل انکار ثبوت فراہم کیا ہے۔ خود نہرو نے ہندستان میں ''خصوصی مراعات یافتہ گروہوں اور طبقوں'' کی موجودگی کو تسلیم کیا جو بنیادی اصلاحوں کے مخالف ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اپنے خودغرضانہ مفادات کی حفاظت کے لئے یہ سماجی حلقے (جن سے انہوں نے نہ صرف نیم جاگیردار زمینداروں کو بلکہ سب سے پہلے قومی بورژوازی میں سے چنندہ اجارہ داروں کو بھی منسوب کیا تھا) سامراجیت اور نواستعماریت سے ملی بھگت کی جانب مائل ہیں اور ملک کی قومی اور سماجی ترقی کے مفادات سے غداری کرسکتے ہیں۔ 1963 کی خزاں میں، اپنی وفات سے کچھ ہی قبل نہرو نے کہا تھا کہ اجارہ داریاں جو ہندستان میں قائم ہوچکی اور تقویت حاصل کرچکی ہیں، ان ترقی پسند سماجی ومعاشی مقاصد کی تکمیل کی راہ میں خاص رکاوٹ ہیں جن کا انڈین نیشنل کانگرس نے اعلان کیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا: ''اجارہ داری سوشلزم کی دشمن ہے۔ گذشتہ چند برسوں میں جس حد تک یہ بڑھی ہے اسی حد تک ہم سوشلزم کی منزل سے دور ہوگئے ہیں۔''31 س کے بعد کے واقعات نے ہندستانی اجارہ دارانہ سرمائے کے، جاگیردار زمینداروں کے رجعت پسند کردار کے متعلق ان کے خدشات کی پوری پوری تصدیق کردی ہے۔

نئے سماج کی تعمیر میں اس وجہ سے پیچیدگی پیدا ہو جات ہے کہ معاشی پسماندگی اکثر حکومت کی مشینری کی جس پر قومی پالیسی کی تعمیل کا انحصار ہوتا ہے، نالائقی کا باعث ہوتی ہے۔ دفتر شاہی، لال فیتہ، بدعنوانیاں، عہدیداروں کی نااہلیت عام طور سے سابقہ رجعت پسند نظام سے ورثے میں ملتی ہیں اور انہیں تہذیب اور تعلیم کے عام پست معیاروں سے، ہنرمند عملے کی قلت سے اور سب سے پہلے جنگی تباہ کاریوں کے باعث معاشی بربادی اور مفلسی سے جیسا کہ سوویت یونین میں ہوا تھا اور طویل مدتی نوآبادیاتی لوٹ مار سے جیسا تیسری دنیا میں ہوا، منسوب کیا جا سکتا ہے۔

حال ہی میں آزاد ہونے والی ریاستوں کی مشینری کی نااہلیت کا ذکر مغرب میں اکثر حقارت سے کیا جاتا ہے۔ یہ واضح حقیقت جان بوجھ کر نظرانداز کر دی جاتی ہے کہ اس صورت حال کی ذمہ داری بڑی حد تک ان استعماریت پسندوں پر عائد ہوتی ہے جو ماضی کی ان المناک باقیات کے ذمہ دار ہیں۔ ایک زمانے میں ایسی ہی صورت حال سوویت روس کی بھی تھی۔ لینن نے 1922 میں کہا تھا؛ ''اوپر ہمارے ہاں، میں نہیں جانتا کتنے، لیکن بہرحال میرا خیال ہے کہ کئی ہزار یا زیادہ سے زیادہ کچھ دسیوں ہزار ہمارے لوگ ہیں۔ کہ کئی ہزار یا زیادہ سے زیادہ کچھ دسیوں ہزار ہمارے لوگ ہیں۔ لیکن نیچے لاکھوں پرانے عہدیدار ہیں جو ہمیں زار سے اور بورژوا سماج سے ملے ہیں جو کچھ تو جان بوجھ کر اور کچھ انجانے میں، ہمارے خلاف کام کرتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں راتوں رات کچھ نہیں کیا جا سکتا۔''32

لینن ایک ایسی انقلابی حکومت کی مشینری کا مطالبہ کرتے تھے جس کے عوام الناس سے قریبی تعلقات ہوں اور عزم بھی ہو جس میں حکومت کی سختی اور لچک کو جدلیاتی اتحاد تصور کیا جاتا ہو: ''مشینری کی سختی'' برقرار رکھی جائے۔

لینن نے 1921 میں دسویں پارٹی کانگرس کے لئے اپنا مندرجہ ذیل خیال لکھا تھا:

''اب زیادہ سے زیادہ لچک کی ضرورت ہے اور اس مقصد کے لئے، لچک دار پینتروں کے لئے مشینری کی سب سے زیادہ سختی کی ضرورت ہے۔''33

ایسی لچک، لفظ کے بہترین معنوں میں پینترے بازی، عوام کے مفاد میں ان کی رہبری کرنے کی صلاحیت، لینن کی رائے میں انقلابی رہنما کی اہم خوبیاں ہوتی ہے۔ یہ بات آج بھی صادق آتی ہے جب کہ ساری دنیا میں سامراجیت اور رجعت پسندی کے خلاف جدوجہد سنجیدہ، حقیقت افروز اور لچک دار

رویے کا اور نہایت لچک دار پالیسی کا مطالبہ کرتی ہے جس کے ذریعے ابھی تک طاقتور دشمن کو نقصان پہنچایا جاسکتا ہے اور سامراج دشمن، استعماریت کی مخالف حکومت کے لئے عوام الناس کی مستحکم اور قابل اعتماد حمایت حاصل کی جاسکتی ہے۔

لینن اور ان کی پارٹی کو ایسے رہنماؤں کی بارھا مخالفت کرنی پڑی جنہوں نے کسی نہ کسی وجہ سے پارٹی اور سوویت حکومت کو اس منزل کی طرف لے جانا چاہا جو قطعی طور پر غیر حقیقت پسندانہ تھی۔ بائیں بازو کی انتہا پسندی سے متاثر ہو کر، انتہا سے زیادہ انقلابی فقرے بازیوں سے مشتعل ہو کر انہوں نے سامراجیت کی فوری شکست کے، عالمگیر انقلاب کے اور دوسرے منصوبے تجویز کئے۔ لینن نے جو خواب دیکھنے والوں میں نہایت بلند مقام رکھتے تھے مگر اسی قدر عظیم حقیقت پسند بھی تھے، پارٹی سے کہا: ''...ہم میں ایسے خواب دیکھنے والے بہت تھے۔ نہ اس میں ایسی کوئی خاص خرابی ہے۔ خواب دیکھنے والوں کے بغیر ہمارے جیسے ملک میں کوئی سوشلسٹ انقلاب کیسے شروع کر سکتا تھا؟'' 34 لیکن انقلاب حقیقی صورت حال کا، طبقوں اور عوام الناس کی حالت کا حساب کرنے سے دوچار کراتا ہے کیونکہ جیسے لینن نے کہا تھا: ''عقائد کے استحکام، وفاداری اور دوسری شاندار اخلاقی خوبیوں پر تکیہ کرنا سیاست میں سنجیدہ رویہ نہیں ہے۔ چند لوگوں میں ممکن ہے شاندار اخلاقی خوبیاں ہوں لیکن تواریخی مسائل کا حل عوام الناس کرتے ہیں۔ اور اگر چند افراد ان کے حسب حال نہیں ہوتے تو وہ بعض اوقات ان سے زیادہ شائستگی سے پیش نہیں آتے۔'' 35

موجودہ صدی کی تیسری دہائی میں لینن نے روسی انقلابیوں، نئے سماج کے معماروں کو چار بہت ہی اچھی نصیحتیں کی تھیں جن کی تیسری دنیا کے ملکوں کے لئے خاص طور سے بڑی اہمیت ہے۔ نئے سماج کی تعمیر کے دور میں صف اول کے انقلابی مجاہد کے فرائض لینن نے اپنے مخصوص مختصر و پرزور الفاظ میں یوں واضح کئے تھے:

''(۱)...اپنی غفلت، سستی، بے دلی، پسماندگی پر پردہ ڈالنے کے لئے بڑے بڑے الفاظ مت استعمال کرو؛ (۲) ناخواندگی کو مٹادو؛ (۳) رشوت کے خلاف جہاد کرو؛ (۴) اپنے سارے کام کی معاشی تعمیر میں عملی کامیابیوں سے پڑتال کرو تاکہ باتیں محض باتیں ہی نہ رہ جائیں۔'' 36

سوویت جمہوریہ کی ترقی میں رکاوٹ ڈالنے والے عناصر میں لینن نے غیر ملکی امداد کے فقدان

کا ذکر کیا تھا۔ یہ آسانی دیکھا جا سکتا ہے کہ تیسری دنیا کے بہت سے ملکوں کے لئے صورت حال بنیادی طور پر بدل چکی ہے۔ مشرق کی قومیں جو آزادی حاصل کر کے اور قومی شکل حاصل کر کے بیدار ہوگئی ہیں خود اپنے جوش وخروش اور عزم استقلال پر بھروسہ کرنے کے علاوہ اس سوشلسٹ ڈھال سے بھی استفادہ کرتی ہیں جو انہیں سامراجی جنگوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ اور جب سامراجی مقامی جنگیں شروع کر دیتے ہیں تو انہیں سوشلسٹ ملکوں سے موثر فوجی امداد بھی ملتی ہے۔ تجربے نے دکھایا ہے کہ اس ڈھال کے بغیر نیا سماجی نظام تعمیر کرنا اور بھی مشکل ہوتا۔

جواہر لال نہرو امن اور بین الاقوامی سلامتی کے ثابت قدم حامی تھے۔ پرامن بقائے باہم کے اصولوں کی علمبرداری کرتے ہوئے انہوں نے صلح وآشتی کے لئے، اسلحہ سازی کی دوڑ کے خلاف اور عام ترک اسلحہ کے حق میں کام کیا۔ وہ ناوابستگی کی پالیسی کے خالقوں میں سے تھے جو ہندستان کی پرامن خارجہ پالیسی کے لائحہ عمل کی بنیاد ہے۔ نہرو نے ''ناوابستگی'' سے جو مراد لی تھی اس کا کسی طرح بھی مطلب مجہول غیر جانبداری نہ تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے کہا تھا کہ ''جب آزادی اور انصاف خطرے میں ہوں اور جب جارحانہ کارروائیاں شروع کر دی گئی ہوں تو غیر جانبداری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''37

پرامن بقائے باہم کے ان اصولوں کے بانیوں میں نہرو بھی تھے جو پنچ شیل کہلاتے ہیں اور جنہیں ایشیائی ملکون کے درمیان تعلقات کی بنیاد کی حیثیت سے عام طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ تاریخی باندونگ کانفرنس کی دعوت دینے والوں میں بھی وہ شامل تھے۔ یہ کانفرنس سامراجیت، نواستعماریت اور نسل پرستی کے خلاف اور امن، آزادی، سماجی اور معاشی ترقی کے حق میں نوآزاد افریشیائی ملکوں کے استحکام میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

ہندستان سوویت تعاون کے قیام اور نتیجہ خیز ارتقا کا نہرو کے سیاسی لائحہ عمل سے ایسا تعلق ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے دونوں ملکوں کے درمیان دوستانہ تعلقات، جن کی بنیاد ان کی پالیسی نے قائم کی تھی، عرصہ دراز سے، بقول لیوند بریژنیف ''سوشلسٹ دنیا اور قومی آزادی کی تحریک کی تخلیق کی ہوئی دنیا کے درمیان اتحاد عمل کی نمایاں ترین مثال''38 بنے ہوئے ہیں۔ یہ تعلقات ان ریاستوں کی پرامن بقائے باہم اور فائدہ مند تعاون کی مثال ہیں جن کے سماجی ومعاشی نظام مختلف ہیں اور جو امن اور بین الاقوامی سلامتی کی جدوجہد میں اپنے مشترک مفادات کی بنا پر متحد ہیں۔

سوویت یونین اور آزادی حاصل کرنے کے بعد ہندستان کے درمیان تعلقات کے موافقانہ ارتقا کی نمایاں مثال امن، دوستی اور تعاون کا ہندسوویت معاہدہ ہے جس پر اگست 1971 میں دستخط ہوئے۔ نومبر 1973 میں سوویت کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے جنرل سکریٹری لیوند بریژنیف کے دوستی کے سرکاری دورہ ہندستان نے اس ترقی کو تقویت پہنچائی جو اس سے پہلے دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات کے سلسلے میں ہوئی تھی۔ اس دورے نے باہمی دوستی کو نیز ایشیا اور باقی دنیا میں صلح و آشتی، امن و سلامتی کو تقویت پہنچانے میں بڑا حصہ ادا کیا۔ اس دورے کے اختتام پر مشترکہ ہندسوویت اعلان پر دستخط ہوئے۔ اس کا اور سوویت یونین اور ہندستان کے درمیان تعلقات کے خاص خاص اصول اور ان کے درمیان تعاون کا خاکہ مرتب کرنے والی دوسری دستاویزوں کا سوویت یونین اور ہندستان میں وسیع پیمانے پر خیر مقدم کیا گیا اور عالمی جمہوری رائے عامہ نے ان کی تائید کی۔

گذشتہ دس پندرہ برس میں ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ میں قائم ہونے والی ترقی پسند حکومتوں نے غیر ملکی املاک کو، مقامی بڑی اور کہیں کہیں متوسط بورژوازی کی املاک کو قومیا لیا ہے اور معیشت میں خاصا طاقتور سرکاری سیکٹر قائم کر لیا ہے۔ نظریاتی طور پر یہ سیکٹر مندرجہ ذیل دو مواقع فراہم کرتا ہے:

___ غیر سرمایہ دارانہ راستے پر سوشلسٹ معیشت کے قیام کی جانب بتدریج پیش قدمی؛

___ مخصوص ایشیائی طرز کی ریاستی سرمایہ داری کی جانب تنزل جو اصلیت میں دفتر شاہی ریاستی سرمایہ داری ہے۔

یورپی طرز کی ریاستی اجارہ دارانہ سرمایہ داری سے یہ اس اعتبار سے بلاشبہ مختلف ہوتی ہے کہ ایشیا اور افریقہ میں ریاست بڑے سرمائے کی ملکیت میں شریک ہوتی ہے اور بارہا واحد مالک بھی ہوتی ہے۔ مغرب میں سرمایہ دارانہ طریقہ پیداوار کے عام غلبے کی صورت حال میں بڑے نجی سرمائے کی بنیاد پر ریاستی سرمایہ داری مستحکم ہوئی ہے۔ لیکن ترقی پذیر ملکوں میں بڑے نجی سرمائے کو وسیع پیمانے پر پھیلنے کی ابھی مہلت نہیں ملی ہے اور پھر ریاستی سرمایہ داری تمام صورتوں میں ہی بڑے نجی سرمایہ داری کے ارتقا کے نتیجے میں ایسی صورت حال پیدا ہو جاتی ہے جس میں حکمراں دفتر شاہی کو حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تنخواہوں، مختلف مادی سہولتوں اور غیر منقولہ جائداد کی شکل میں بڑی آمدنی ہوتی ہے اور بدعنوانیاں بے حساب بڑھ جاتی ہیں۔

معیشت میں حکمراں دفتر شاہی جو مقام حاصل کر لیتی ہے اس سے صرف اپنے خودغرضانہ مفادات ہی پورے کرتی ہے اور عوام کے مفادات کی مخالفت کرتی ہے۔ سماجی سطح پر دفتر شاہی مراعات یافتہ حلقے کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور کوشش کرتی ہے کہ اپنے اقتدار کو اور اس سے حاصل ہونے والے فائدوں کو مستقل صورت دے دے۔ اس کے استدلال کے بموجب اقتدار دولت ہے اور زیادہ دولت کے معنی ہیں سرمائے کا اکٹھا ہونا۔ اس میں شک نہیں کہ دفتر شاہی سرمایہ داری کے اقتدار کا خدشہ نوشتہ تقدیر نہیں ہے لیکن بااثر طبقوں کے لئے اس میں فائدے کی صورت مضمر ہوتی ہے۔

بہت سے ترقی پذیر ملکوں میں جن میں سوشلسٹ رجحان کے ممالک بھی شامل ہیں سرکاری سیکٹر کے دفتر شاہی تنزل کی علامتیں، اس میں خودغرضانہ اجارہ دار بورژوازی یا مغرب نواز عناصر کی سرایت کے آثار نمایاں ہیں۔

جواہر لال نہرو کے انسان دوستانہ، جمہوری، سوشلسٹ تصورات ان کی وفات کے بعد گمنامی کی گہری خندق میں دفن نہیں ہو گئے۔ وہ شدید بحث مباحثے کا موضوع ہیں۔

☆☆☆

عالمی ارتقا کے تجربے سے ظاہر ہو گیا ہے کہ سماجی ترقی کے راستے پر کسی ریاست کے گامزن ہونے سے اس کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ ثابت قدمی سے سامراج دشمن پالیسی پر عمل کرے، سوشلسٹ دنیا، سوویت یونین، بین الاقوامی مزدور تحریک سے قریبی اتحادعمل برقرار رکھے۔ یہ قریبی اتحادعمل سامراجیت پر مشترکہ فتح کی ضمانت ہوتا ہے۔

حوالہ جات وحواشی

1. K. Marx, {{Capital}} Vol. III, p. 334.

2. V. I. Lenin, {{Collected Works}}, Vol. 8, p. 454.

3. K. Marx, {{Capital}}, Vol. I, pp. 9-10

4. K. Marx, {{Grundrisse der Kritik der politischin OKonomie (Rohentwurf), 1857-1858}}, Moskau, 1939, S. 387-88.

5. K. Mar, {{Capital}}, Vol. I. p.79.

6. Jawaharlal Nehru, {{The Discovery of India}}, The Signet Press, * Calcutta, 1946, p. 373.

7۔ایضاً۔

8. Jawaharlal Nehru, {{An Autobiography}}, The Bodley Head, London, 1953, p. 509, p. 509.

9۔ایضاً،صفحہ 510-

10۔ایضاً،صفحہ 511-

11۔ایضاً،صفحہ 515-

12۔ایضاً،صفحہ 516-

13۔ایضاً،صفحہ 517-

14. {{Documents of the Communist Party of India}} Vol. I, New Delhi, People's Publishing House, 1972, p. 162.

15۔''کمیونسٹ انٹرنیشنل کی دوسری کانگرس کا بلیٹن''شمارہ ا'27جولائی،1920(روسی زبان میں)۔

16. Jawaharlal Nehru, {{An Autobiography}}, p. 379.

17. Jawaharlal Nehru, {{The Discovery of India}}, P. 17.

18. V. I. Lenin, {{Collected Works}}, Vol. 36, p.574.

19۔ایضاً،جلد33،صفحہ 480-

20۔ایضاً،جلد32،صفحہ 339-

21۔ایضاً،جلد32،صفحہ 335-

22. Jawaharlal Nehru, {{The Discovery of India}}, p. 341.

23. Jawaharlal Nehru, {{Glimpses of World History}}, London, 1949, p. 638.

24. Jawaharlal Nehru, {{An Autobiography}}, p. 282.

25. Jawaharlal Nehru, {{THe Discovery of India}}, pp. 17-18.

26. Jawaharlal Nehru, {{India's Freedom}}, London, 1962, p. 35.

27. {{Jawaharlal Nehru's speeches, 1957-1963}}, Vol. 4, delhi, 1964, * p. 151.

28. V. I. Lenin, {{Collected Works}}, Vol. 33, p. 304.

29۔ایضاً،جلد32،صفحہ 494-

30۔ایضاً،صفحہ 496-

31. {{Congress Bulletin}}, New Delhi. Issued by the Indian National * Congress, No. 9-11, 1963, p. 55.

32. V. I. Lenin, {{Collected Works}}, Vol. 33, pp. 428-29.

33۔ایضاً،جلد36،صفحہ 537-

34۔ایضاً،جلد32،صفحات 17-216-

35۔ایضاً،جلد33،صفحہ 287-

36۔ایضاً،جلد36 صفحہ 550-

37۔ ملاحظہ فرمایئے:''جواہرلال نہرو: ان کی زندگی اور کام'' ماسکو، 1965،صفحہ 12 (روسی زبان میں)۔

38۔''پراودا''28نومبر 1973-

پڑھنے والوں سے

marxists.org کا اردو سیکشن آپ کا بہت شکر گزار ہوگا اگر آپ ہمیں اس کتاب کے مواد اور اس کے ترجمے کے بارے میں اپنی رائے لکھیں۔ اس کے علاوہ بھی اگر آپ کوئی مشورہ دے سکیں تو ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔

اپنی رائے کے لئے درج ذیل پتے پر ای میل کریں:

hasan.marxists.org

اس کے علاوہ اگر آپ اردو یا کسی اور زبان کے سیکشن کے لئے اپنی خدمات رضا کارانہ طور پر پیش کرنا چاہیں تو انسانی علمی ترقی میں آپ کا حصہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے۔